یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.



سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

۷۸۶

۱۱۰-۹۲

یا صاحب الزماں ادرکنیؑ

DvD Version

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

NOT FOR COMMERCIAL

Knowledge for All
SABIL-E-SAKINA

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

سوانح حضرت زید شہیدؒ

مؤلفہ ارتضیٰ بن رضا نوازپوری



ضریح مبارک حضرت زید شہیدؒ

سوانح حضرت زید شہیدؒ

ابن

حضرت امام علی زین العابدینؑ

مؤلفہ:
ارتضٰی بن رضا نوازپوری

ناشر:
مکتبۃ الشہباز
۵۱-اے، معاون مارکیٹ، کمرشل ایریا، ناظم آباد نمبر ۲، کراچی
فون: ۶۶۰۳۹۸۸-۶۹۵۷۳۹۵

(جملہ حقوق بحقِ مؤلف محفوظ ہیں)

اشاعت اول	: .... جنوری ۲۰۰۶ء
تعداد اشاعت	: .... ایک ہزار
ناشر	: .... مکتبۃ الشہباز
طابع	: .... افتخار زیدی
کمپوزنگ	: .... دلاور زیدی
سرِ ورق کمپیوٹر ڈیزائننگ	: .... مجتبیٰ زیدی
مطبع	: .... القادر پرنٹنگ پریس
قیمت	: .... -/120 روپے

انتساب

یا مستجاب الدعوات! میری اس حقیر کاوش کا ثواب

میرے والدین کی ارواح کو ارزانی فرما

جو اب تیرے جوارِ رحمت میں تیرے کرم کے امیدوار ہیں

ان کی لغزشوں سے درگذر فرما

وہ تیرے شیدا، تیرے رسولؐ اور ان کی آلؑ کے فدائی تھے

تجھ سے دعاء کرنے کے سوا میں اب ان کیلئے کچھ نہیں کرسکتا

یا ارحم الراحمین! بحقِ چہاردہ معصومینؑ اپنے اس

گناہگار بندے کی دعاء کو قبول فرما۔

آمین۔

عاصی

ارتضٰی بن رضا نواز پوری

مورخہ: ۱۲/جنوری ۲۰۰۶ء

مشمولات

صفحہ نمبر	عنوانات
۱۴۴	جہاد زید شہیدؒ کے اسباب
۱۴۷	امربالمعروف ونہی عن المنکر
۱۴۸	زید شہید کی تحریک
۱۵۰	آپ کی بیعت
۱۵۲	شرائط بیعت
۱۵۲	زید شہیدؒ کی تلاش
۱۵۳	جہاد سے راہ فرار کا حیلہ
۱۵۴	اہل کوفہ کی مسجد آعظم میں محصوری
۱۵۴	طرفداران زیدؒ کا پہلا شہید
۱۵۶	کوفہ کی ناکہ بندی
۱۵۷	نصربن خزیمہ کا شامی فوج پر حملہ
۱۵۷	زید شہیدؒ کا شامی سپاہ پر حملہ
۱۵۸	عبیداللہ بن عباس کا حملہ وپسپائی
۱۵۹	عباس بن سعید اور زید شہیدؒ کی جنگ
۱۶۰	نصربن خزیمہ کی شہادت
۱۶۱	زید شہید کی جماعت پر تیرباراني
۱۶۲	حضرت زید بن علیؑ کی شہادت
۱۶۲	سلمہ بن ثابت کا بیان
۱۶۳	زید شہیدؒ کی تدفین
۱۶۴	یحییٰ بن زید کی کوفہ سے روانگی
۱۶۵	زید شہیدؒ اور ساتھیوں کے سروں کی قیمت
۱۶۵	مدفن کی نشاندہی

صفحہ نمبر	عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از جناب قبلہ مولانا سید شبیہ الرضا زیدی الحسینی صاحب
(وکیل حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی الحسینی السیستانی دامت برکاتہٗ)

تاریخ اسلام کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مورخین ملوکیت کے نمک خوار اور سلاطین کے طرفدار ہونے کے ساتھ ساتھ ضمیر فروشی میں ید طولانی رکھتے تھے۔ ایک طرف تو تاریخ کے چہرے پر آلِ محمدؐ کی دشمنی کے بدنما داغ ہیں جس کے بعد اظہارِ حق عالمِ اسلام کے لئے ایک امرِ دشوار ہے، اور دوسری طرف مورخین می ضمیر فروشی حقائق کو چھپانے میں ہر ممکنہ اقدام کرنے پر آمادہ تھی۔

ایسے ماحول میں حقائق کو تلاش کر کے سمتِ صحیح میں صراط حق پر گامزن رہتے ہوئے تاریخ کی وادیٔ پرُ خار سے گل چینی کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ بعد رحلت رسول اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، قرآن مجید کے الفاظ وہ اپنی جگہ محفوظ رہے، لیکن مفسرینِ عالمِ اسلام نے تخیلات کے مطابق تاویلات کر کے حقائق کو چھپانے اور احکام کو مسخ کرنے کی سعی لاحاصل میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ عامۃ الناس جو کہ "العوام کالانعام" کے مصداق ہیں۔ انہیں کج فکر مفسرین کے خیالات کو تعلیمات قرآن سمجھ کر عملی اقدام کیا۔

تقریباً پندرہ سو سال گذر جانے کے بعد بھی حقائق کو چھپانے اور مسخ کرنے کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ لیکن حق جو اور حق افراد نے ہر دور میں دور افتادہ اور تاریخ کے جنگل میں بکھرے ہوئے حقائق کے پھول چن کر گلدستہ بنانے کی سعی جمیلہ ہمیشہ کامیابی و کامرانی کے ساتھ انجام دیتے رہنے کا بیڑہ اٹھائے رکھا۔

آج کے نفسا نفسی کے دور میں جہاں شوقِ مطالعہ پر مردنی چھائی ہوئی ہے اور کتاب کی خریداری پر صرف ہونے والی رقم کو لوگ خسارہ سمجھتے ہوں، سہل پسندی اور کاروباری زندگی کے مشکل مراحل نے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتوں پر پہرے بٹھا رکھے ہوں، ایسے نامساعد حلات می کسی قلم کار کا میدانِ تحقیق میں قدم رکھنا جہادِ اکبر سے کم نہیں ہے۔

جناب سید ارتضٰی حسین زیدی دام مجدہ الشریف نے تاریخ بنی ہاشم اور دیگر تصانیف و تالیفات کو سپرد قارئین کرنے کے بعد بہت ہی جلد مظلومِ تاریخ جناب زید شہید رضی اللہ عنہ پر ایک جامع کتاب مع تاریخی پسِ منظر کے مرتب فرما کر ایک بہت ہی احسن فریضہ انجام دیا ہے۔ میں نے زیرِ نظر کتاب کو مکمل طور پر تو نہیں پڑھا ہے البتہ بعض مقامات سے بغور مطالعہ کیا ہے۔ امید ہے کہ مومنین کرام اس کتاب کے وجودِ مسعود سے بھرپور فیضیاب ہونگے، بالخصوص زیدی حضرات زیادہ سے زیادہ استفادہ فرمائیں گے۔

میری دعا ہے کہ خداوندِ عالم مولف موصوف کی توفیقاتِ خیر میں اضافہ فرمائے اور ان کی تمام مشکلات کو آسان اور شرعی حاجات کو پورا فرمائے۔

(آمین)

دستخط

مولانا سید شبیہ الرضا زیدی الحسینی

مورخہ: ۲۳ر دسمبر ۲۰۰۵ء

بسمہٖ تعالیٰ

تقریظ

از: مولانا ڈاکٹر سید سبطِ شبّر زیدی
وکیل شرعی آیت اللہ المنتظری دامت برکاتہٗ
وسرپرستِ اعلیٰ زید بن علی فاؤنڈیشن پاکستان۔

شاید ہی تاریخ میں کوئے ایسا موضوع ہو کہ جو معرکتہ الآراء نہ ہو بالخصوص زید شہید اور مختار ثقفی دو ایسے عنوانات ہیں کہ جن کی حمایت اور مخالفت میں بہت کچھ کہا اور لکھا گیا کہ جو تاریخ و نظریات کی بکھری ہوئی متعدد کتب میں محفوظ ہے اور ان کا مطالعہ کرنا ہر خاص و عام کی گرفت سے باہر ہے۔

لائق صد تحسین ہیں محترم ارتضیٰ بن رضا نواز پوری صاحب کہ جنہوں نے زید شہید سے متعلق بکھری ہوئی معلومات کو جمع کر کے عوام الناس تک پہنچانے کا مصمّم ارادہ کیا کہ جو اس وقت کتابی شکل میں آپ کے ہاتھ میں ہے اجداد سے محبت کا اظہار بھی ہے اور فرغ علم کا ذریعہ بھی۔ ممکن ہے کہ قارئین کو مؤلف کے نظریہ سے اختلاف ہو لیکن یہ اختلاف تعصّب کا سبب نہیں ہونا چاہیے کہ اچھائی میں بھی برائی کو ڈھونڈا جائے۔ پس مؤلف نے جس محنت اور موجودہ وسائل سے یہ کتاب ترتیب دی ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی نیک توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

(آمین)

دستخط

مولانا سید سبطِ شبّر زیدی

مورخہ: ۱۶/دسمبر ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

یہ ۱۹۶۸ء کا زمانہ تھا جب اس حقیر فقیر نے اپنے جد حضرت زید شہید علیہ الرحمہ کے حالات و واقعات کو جمع کرنا شروع کیا غرض یہ تھی کہ تاریخ کے اُس تابندہ ستارے کی تاریخ مرتب کر کے شائع کی جائے۔ اُس وقت تک حضرت زید شہیدؒ کے مکمل حالات پر علیحدہ سے کوئی کتاب موجود نہ تھی البتہ تاریخ کی کتابوں میں جابجا آپ کے حالات و واقعات مرقوم تھے۔ انہی مندرجات سے استفادہ کر کے احقر نے مضمون ترتیب دیا۔ اس کے بعد فکر دامن گیر ہوئی کہ مسودہ کو کسی صاحب علم شخصیت سے تصحیح کرائی جائے۔ جستجو کے دوران پتہ چلا کہ جناب ڈاکٹر سید امیر عباس زیدی صاحب اپنے بنگلہ واقع ناظم آباد نمبر ۲ پر ہر سال ۲ صفر کو حضرت زید شہیدؒ کی مجلس کا اہتمام کرتے ہیں جس میں قبلہ مولانا سید ابنِ حسن نجفی صاحب حضرت شہید کا ذکر فرماتے ہیں۔

لہٰذا یہ عاصی ڈاکٹر صاحب کے مطب واقع بڑا میدان پہنچا اور اپنا مقصد بیان کیا۔ موصوف نے مسوّدے پر سرسری نظر ڈالی اور فرمایا کہ "برخوردار اس میں ابھی بہت کچھ اضافہ کرنے کی گنجائش ہے" پھر موصوف نے فرمایا کہ مولانا ابنِ حسن نجفی صاحب میرے زیرِ علاج ہیں وہ فلاں تاریخ کو یہاں آئیں گے اس روز تم بھی آجانا۔ لہٰذا وقتِ مقررہ پر میں وہاں پہنچ گیا، کچھ دیر بعد قبلہ مولانا صاحب بھی تشریف لے آئے۔ ڈاکٹر صاحب نے میرا تعارف کرایا اور

میری حاجت بیان کی۔ مولانا صاحب نے مسوّدہ ملاحظہ فرمایا اور مجھ سے فرمایا کہ میں ۲رصفر کو ڈاکٹر صاحب کے ہاں مجلس میں آجاؤں۔ اس مجلس میں خاص طور پر میری معلومات میں اضافہ کیلئے زید شہیدؒ کے حالاتِ زندگی بیان فرمائیں گے۔ یہ فقیر مجلس میں پہنچا اور کاغذ قلم ساتھ لے گیا۔ مولانا صاحب نے واقعی بڑی اہم معلومات فراہم کیں جنکی روشنی میں احقر نے مسوّدہ پر نظرِ ثانی کی۔

اب یہ مسوّدہ اس قابل ہو گیا تھا کہ طبع کرایا جاسکے۔ اسی دوران ایک کتاب کی پست پر ایک اشتہار ''بطلِ رشید زید شہید'' کا نظر سے گذرا۔ اشتہار پر دیئے ہوئے پتہ پر لیاقت آباد پہنچا وہاں مولانا محمد عباس قمر زیدی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مولانا صاحب نہایت شفقت و محبت سے پیش آئے، طویل نشست رہی، تفصیل سے گفتگو ہوئی، میری بابت دریافت کیا اور اپنے بارے میں بتایا، میرے مسوّدہ کی بابت اظہارِ خیال فرمایا، اپنی کتاب کی بابت بتایا کہ مواد تو جمع کرلیا ہے لیکن چونکہ آپ مظفر نگر (انڈیا) تشریف لے گئے تھے لہٰذا ترتیب میں تاخیر ہوئی۔ اب انشاء اللہ جلد شائع ہوجائے گی۔ مولانا صاحب نے مشورہ دیا کہ میں اپنی کتاب کی اشاعت کچھ عرصہ کیلئے ملتوی کردوں، ایسا نہ ہو کہ دونوں کتابیں ایک ہی وقت میں شائع ہوجائیں۔ لہٰذا میں نے مولانا صاحب کے مشورہ کا احترام کرتے ہوئے اپنا ارادہ ترک کردیا۔ کچھ عرصہ بعد ۱۹۷۰ھ میں ''بطلِ رشید زید شہید'' منظر عام پر آگئی۔

یہ محمدؐ و آلِ محمدؑ کا تصدق اور محبانِ اہلِ بیت کی دعاؤں کا ثمر ہے کہ اللہ جلِ شانہٗ نے اپنے اس ناچیز بندے کو بے انتہا سرفراز فرمایا اور یہ توفیق عطا فرمائی کہ اس پینتیس سال کے عرصہ میں احقر کی درج ذیل گیارہ کتابیں شائع ہوئیں:
تذکرہ سادات نواز پورہ، کربلا اور کربلا کے بعد، وظائف اسماءالحسنٰی، تاریخِ بنی ہاشم (پانچ جلدیں)، تذکرہ سادات کھیرتل، افضل و مفضول، دین آباء و

اجدادِ رسول اور اب بارہویں کتاب سوانح حضرت زید شہیدؒ اشاعت کی آخری منزل پر ہے۔

زیرِ نظر کتاب "سوانح حضرت زید شہیدؒ" کی تدوین و تالیف میں فقیر کی یہ کوشش رہی ہے کہ حتی المقدور مستند کتب سے استفادہ کیا جائے۔ لیکن اس کے علاوہ قدما کی وہ کتب جن کتب عاصی کی رسائی ممکن نہ تھی یا وہ کتب جو اب نایپد ہیں مگر دیگر دستیاب کتب میں اُن کے حوالے سے واقعات مرقوم ہیں، اُن سے بھی استفادہ کیا ہے اور مضمون کی مناسبت سے اقتباسات و حوالہ جات تحریر کئے ہیں۔ جن کتابوں سے خصوصی استفادہ کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱ منتھی الامال (فارسی) شیخ عباس قمی۔ مطبوعہ طہران ۱۹۴۷ء
۲ مقاتل الطالبین (عربی) ابوالفرج الاصفہانی۔ مطبوعہ نجف اشرف طبع ثانی۔
۳ مسلمانوں کا نظمِ مملکت (اردو ترجمہ) حسن ابراہیم حسن مصری۔ مطبوعہ دہلی۔
۴ مروج الذہب (اردو ترجمہ) ابوالحسن علی بن حسین المسودی مطبوعہ کراچی ۱۹۶۶ء
۵ تاریخ طبری (اردو ترجمہ) ابی جریر الطبری۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء
۶ بحارالانوار (اردو ترجمہ) علامہ باقر مجلسی۔ مطبوعہ کراچی
۷ خلافت و ملوکیت (اردو) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ مطبوعہ لاہور ستائیسواں ایڈیشن
۸ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی (اردو) علامہ مناظر احسن گیلانی۔ مطبوعہ کراچی طبع چہارم
۹ شارٹ ہسٹری آف دی سارا سینس (انگلش) امیر علی سید۔ مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۵ء
۱۰ سادات بارہہ تاریخ کے مدوجزر میں (اردو) ڈاکٹر سید صفدر حسین۔ مطبوعہ ملتان

۱۱ بطلِ رشید زید شہید (اردو) محمد عباس قمر زیدی۔ مطبوعہ کراچی باراول ۱۹۷۰ء

۱۲ نور المشرقین من حیات الصادقین (اردو)
آغا سلطان مرزا دہلوی (ایڈوکیٹ)

۱۳ فلسفہ شریعتِ اسلام (اردو ترجمہ) ڈاکٹر صبحی محمصانی۔
مطبوعہ لاہور طبع سوئم ۱۹۶۶ء

۱۴ زندگانی حضرت یحییٰ بن زید (فارسی) عمادزادہ۔ مطبوعہ ایران۔

زیرِ نظر کتاب ''سوانح حضرت زیدؒ شہید'' مضامین کے اعتبار سے جیسی بھی ہے اس کا فیصلہ تو قارئین کرام ہی بہتر طور پر کر سکیں گے احقر نے انتہائی خلوص و لگن سے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ بہتر مضامین کی کتاب ناقص طباعت کے باعث پسندیدگی کے معیار سے گر جاتی ہے اور قارئین اس کے استفادہ سے محروم رہتے ہیں۔ ہم نے اپنے سابقہ معیار کو قائم رکھتے ہوئے طباعت پر خصوصی توجہ دی ہے۔

یہ بندۂ ناچیز قبلہ مولانا سید شبیہہ الرضا زیدی صاحب کا بے حد ممنون ہے کہ جنہوں نے اپنے لاہور کے سفر سے قبل تنگیٔ وقت کے باوجود کتاب کی کمپوز شدہ کاپی کا سرسری جائزہ لیا نیز یہ عاصی قبلہ ڈاکٹر سید سبطِ شبر زیدی صاحب کا تہہ دل سے مشکور و ممنون ہے کہ جناب نے زیرِ نظر کتاب میں مرقومہ عربی و فارسی عبارت کی تصحیح فرمائی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر دو علماء کو عمرِ دراز عطا فرمائے اور مؤمنین کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ علمائے دین سے علمی استفادہ حاصل کریں۔

عاصی
ارتضٰی بن رضا نواز پوری

مورخہ: ۲۰ / جنوری ۲۰۰۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چند تاریخی حقائق

(پس منظر)

مشاہدات سے ثابت ہے کہ زمانہ قدیم ہو یا جدید ہر دور میں سیاسی تحریک کے دو فریق رہے ہیں۔ ان میں سے جو فریق حصولِ مقاصد کے لئے طویل مدتی خفیہ منصوبہ بندی کر کے مناسب وقت اور موقع پر اچانک فریق مخالف پر وار کرتا ہے وہ دنیاوی اعتبار سے کامیاب قرار پاتا ہے اور حزب اقتدار کہلاتا ہے جبکہ دوسرا فریق حزب اختلاف بن جاتا ہے۔ یہی کچھ ماضی میں بھی ہوتا رہا اور تھوڑے بہت رد و بدل کے بعد دور حاضر میں بھی رائج ہے اور یہی کلیہ مسلمانوں میں بھی کارفرما نظر آتا ہے۔

خلافت کے مسئلے پر شروع ہی سے مسلمانوں کے دو فریق بن گئے تھے اور پیغمبرِ اسلامؐ کی رحلت کے وقت ہی سے سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کشمکش ایک فریق کی جانب سے شروع کی گئی اس کا لازمی نتیجہ وہی ہوا جو ہمیشہ ایسی سیاسی تحریک کا ہوتا ہے یعنی وہ فریق دنیاوی اعتبار سے کامیاب ہو گیا۔ چونکہ مملکت پر قبضہ و اقتدار حاصل کرنے کے بعد غالب فریق کا اپنے تئیں مستحکم بنانا اُس کا اولین فرض ہوتا ہے لہٰذا اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے اُس فریق کو جہاں اور بہت سی تدبیریں اختیار کرنا ہوتی ہیں وہاں اُسے دینی اقتدار پر بھی اپنی گرفت مضبوط کرنا ضروری ہے جو نہایت موثر حربہ ثابت ہوتا ہے۔

آغاز تدوین حدیث و تاریخ: یہ امرِ حقیقت ہے کہ حدیث و تاریخ کی ترتیب و تدوین کا آغاز اموی دور حکومت میں ہوا جس کے بانی اول معاویہ بن

ابوسفیان نے اپنی نگاہوں کے سامنے اور اپنی روایات کی روشنی میں مسلمانوں کی تاریخ مرتب کرائی۔ اس حقیقت کا اظہار مولوی شبلی صاحب نے بھی ان الفاظ میں کیا ہے:

''حدیثوں کی تدوین بنوامیہ کے زمانہ میں ہوئی جنہوں نے پورے نوے برس تک سندھ، اشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آلِ فاطمہؑ کی توہین کی، جمعہ کو بر سرِ منبر حضرت علیؑ پر لعن کہلوایا'' (سیرۃ النبیؐ ج: ۱ ص: ۶۱)

ایک اور مقام پر مولوی شبلی صاحب فخریہ انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

''وہ بڑی بڑی اسلامی تاریخ کی کتابیں جو دنیا میں شائع ہوئیں سب سنیوں کی لکھی ہوئیں ہیں''۔ (المامون حصہ اول ص: ۶۱)

حسن ابراہیم حسن مصری نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ:

''خلافتِ راشدہ کے بعد زمامِ خلافت بنی امیہ کے ہاتھ آ گئی اور اس وقت سے خلافت حکومت میں تبدیل ہوگئی۔ امویوں کے ہیبت وجلال سے جزیرہ عرب لرز اٹھا۔ اس سیاسی ماحول میں مسلمانوں کا ایک مذہبی طبقہ بنی امیہ کا آلۂ کار بن گیا اور حدیث کی بنیاد پر یہ ذہنیت پیدا کرتا تھا کہ حکومتِ وقت کی اطاعت فرض ہے خواہ اس کا نظم ونسق اور دستورِ حکومت کچھ بھی ہو''۔

(مسلمانوں کا نظم مملکت ص: ۵۴)

بنی امیہ کے دورِ حکومت میں مرتب ہونے والی ایسی ہی کتابوں کی مدد اور مراعت یافتہ آلۂ کار مذہبی طبقہ کی معاونت سے فریق دل کھول کر پروپیگنڈہ اور مناظرہ جاری ہوگیا اور فریق مخالف کو ذلیل ورسوا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ مسلمانوں کی تاریخ کا ابتدائی دور ایسے ہی واقعات سے پُر ہے۔ ان میں سے چند واقعات ذیل میں مختصراً واشارۃً تحریر کر رہے ہیں۔

ایک روایت پر نظر وتنقید: چونکہ فریق غالب امامت بالاختیار کا قائل تھا لہٰذا اس کی یہ کوشش رہی کہ فریق مخالف کے نظریۂ امامت بالنص کو ہر صورت میں غلط ثابت کرے۔ اس غرض کو حاصل کرنے کیلئے مسلسل و مؤثر پروپیگنڈہ مہم شروع کردی گئی۔ کبھی یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ آنحضرتؐ کے مرضِ آخر میں عباس بن عبدالمطلب نے علی بن ابیطالب کو مشورہ دیا کہ ایسے میں لگے ہاتھوں رسولِ خداؐ سے پوچھ لیا جائے کہ ان کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف یہ جواب منسوب کیا گیا کہ اگر رسول اللہؐ نے کسی دوسرے کا نام لے دیا تو پھر ہمیں خلافت کبھی نہیں ملے گی۔[1] یہ خود ساختہ روایت بڑی پرکشش تھی لہٰذا اس کی تشہیر پر خصوصی زور دیا گیا۔ محدثین و مورخین نے اپنی اپنی کتب میں اس روایت کو نمایاں طور پر لکھا۔ اس مفروضہ روایت پر غور کیا جائے تو اس سے درج ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلافت کے اس حد تک حریص تھے کہ حق بات سننے سے بھی گریز کرتے تھے!

۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا گمان تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ مقرر کردیں گے!

۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ بھی یقین تھا کہ اگر وہ خاموش رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کی طرف توجہ نہ فرمائیں گے!

۴) حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ اور حضرت علی بن ابیطالبؑ دونوں کو یقین تھا کہ اگر آنحضرتؐ نے ان سے تخلیہ میں کہہ دیا کہ اے علی! تم میرے بعد خلیفہ ہوگے تو تمام امت اس بات کو تسلیم کرلیگی اور یقین کرلے گی کہ واقعی آنحضرتؐ نے ایسا ہی کہا ہوگا۔ لہٰذا علیؑ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں!

---

[1] الفاروق ج: ۱ ص: ۱۲۰

مندرجہ بالا نتائج پر آپ خود غور فرما کر اس روایت کی اہمیت، افادیت و مقصدیت کا اندازہ فرمائیں۔ ویسے متعدد کتب میں اس قسم کی روایات کی بابت بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ اس روایت کے اہم پہلوؤں پر روایتاً و درایتاً روشنی ڈال رہے ہیں۔

یہ روایت صرف بخاری شریف میں منقول ہے اور اس کے راویوں میں ایک اسحاق بن محمد بن اسمٰعیل بن عبداللہ بن ابی فروہ ہیں۔ یہ ابی فروہ حضرت عثمانؓ کے غلام یعقوب الفروی کے باپ تھے۔ اسحاق بھی بنی امیہ کے غلام خاندان سے تھے۔ ان کی بابت ذہبی نے لکھا ہے کہ:

> ''عقیلی کہتے ہیں کہ اسحاق نے ایسی حدیثیں بیان کیں جن کی تصدیق نہیں کی جا سکتی۔ قابلِ پیروی نہیں۔ نسائی کہتے ہیں کہ ثقہ نہیں ہے اس پر اعتبار نہیں ہو سکتا۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ ضعیف ہیں''۔ (میزان الاعتدال ج: ۱ ص:۹۳ مطبوعہ دکن)

دوسرے راوی بشر بن شعیب بن ابی حمزہ اموی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے سنا۔ جبکہ ذہبی کہتے ہیں کہ ''یہ غلط ہے کیونکہ امام احمد حنبلؒ نے جب بشر سے پوچھا کہ تم نے سماعِ روایت اپنے باپ سے کیا تو اس نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا کیا تمہاری موجودگی میں تمہارے والد کے پاس احادیث بیان ہوئی تھیں اُس نے جواب دیا کہ نہیں''[۱] ایسے راوی کی روایت کس معیار کی ہو سکتی ہے قارئین خود غور فرمائیں

تیسرے راوی شعیب بن ابی حمزہ اموی ہیں۔ یہ زہری کے شاگرد تھے۔

چوتھے راوی خود زہری ہیں۔ یہ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے ۸۰ھ میں دمشق گئے، دربار سے وابستہ ہوئے اور مقربینِ شاہی میں شامل ہو گئے۔ بادشاہ

---

[۱] میزان الاعتدال ج:۱ ص:۱۴۸ مطبوعہ دکن

کے حکم سے انہوں نے حدیث و تاریخ کی تدوین کی۔ بقول مولوی شبلی "بادشاہ کے مقربین خاص میں تھے اور ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی"۔[۱]

پانچویں راوی عبداللہ بن کعب بن مالک ہیں۔ عبداللہ کی بابت کچھ معلوم نہیں البتہ بخاری نے یہ روایت نقل کرتے وقت لکھا ہے کہ ان کے والد کعب ان تین گنہگاروں میں سے ایک تھے جن کی توبہ خدا نے قبول کی۔ انہوں نے ۵۰ھ یا ۵۳ھ میں بعمر ۷۷ سال وفات پائی۔ اس حساب سے رحلتِ رسولؐ کے وقت ان کی عمر ۳۷ سال ہوگی۔ ان کے فرزند بشر جو اس روایت کے راوی ہیں ان کی عمر اس وقت کیا ہوگی اس کا اندازہ آپ خود فرمایئے۔ کعب بن مالک کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ سقیفہ والے دن جب مہاجر و انصار میں انتخابِ خلیفہ پر بحث ہو رہی تھی اور فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا تو انہوں نے مہاجرین کے حق میں تقریر فرمائی اور حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

چھٹے راوی عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ وہ یہ نہیں بتاتے کہ انہوں نے یہ روایت کس سے سنی تھی۔

یہ ہے صورتحال اس روایت کے راویوں کی لہٰذا ایسی روایت کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ اب ہم اس روایت کو اصول درایت پر جانچ کر دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے ابتداء میں اس روایت سے اخذ کردہ چار نکات بیان کیے انکے مطابق :

۱) اگر حضرت علیؑ خلافت کیلئے اتنے ہی حریص تھے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے خاطر آپؑ حق بھی سننا پسند نہ کرتے تھے تو پھر کونسا امر مانع تھا کہ آپ سقیفہ بنی ساعدہ میں تشریف نہ لے گئے۔ جس طرح دیگر حضرات

---

[۱] سیرت النبی ج: ۱ ص: ۱۵

جسدِ جنابِ رسول خداؐ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے آپ بھی چلے جاتے اور انتخاب میں حصہ لیتے۔ سقیفہ میں جو کچھ ہوا وہ جملہ کتب میں مرقوم و موجود ہے۔ حضرت عمرؓ کی بیان کردہ فضیلتِ قریش کی بنیاد پر انصار نے یہانتک کہد یا کہ اگر ایسا ہے تو ہم علیؑ کی بیعت کریں گے۔ مگر پانچ یا سات افراد کے اجتماع میں بحالتِ افراتفری حضرت عمرؓ نے موقع پاکر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرلی۔

۲) کیا یہ ممکن ہوسکتا تھا کہ حضرت علیؑ گمان کرتے کہ رسول اللہؐ آپ کے علاوہ کسی اور کو اپنا جانشین مقرر فرمائیں گے کیونکہ ابتدائے اسلام میں جبکہ رسالتمآبؐ نے اعلانیہ تبلیغ کا آغاز بھی نہیں فرمایا تھا اور اسلام ابھی تقیہ کی حالت میں تھا۔ اُس وقت دعوتِ ذوالعشیرہ میں رسولِ اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ "کون ہے جو میرے ساتھ ہو کر اس بارِ گراں کو اٹھائے" آپ نے تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا اور تینوں مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علاوہ کسی نے بھی اپنے آپ کو پیش نہیں کیا۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا "یہ علی میرا وزیر، میرا خلیفہ ہے"۔ نیز غدیرخم کے مجمع عام میں حضرت ختمی مرتبتؐ نے حضرت علیؑ کے ہاتھوں کو بلند کر کے فرمایا **من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ ' اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ** یعنی: جس کا میں مولا ہوں اس کا علی بھی مولا ہے۔ اے اللہ! دوست رکھ اس کو جو دوست رکھے علی کو اور دشمن رکھ اس کو جو دشمن رکھے علی کو۔ اور آنحضرتؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا **انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ** یعنی: علی میرے ساتھ ویسے ہی ہیں جیسے موسیٰ کے ساتھ ہارون۔ اور اسی نوعیت کے بہت سے ارشاداتِ پیغمبر معتبر کتب احادیث میں مرقوم ہیں پھر اس گمان کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ کے علاوہ کسی اور کو اپنا جانشین یا خلیفہ مقرر فرماتے۔

۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس یقین کی کوئی وجہ موجود نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ آپ ایک ایسے امر کی جانب مبذول کرائیں جو رسالتمآبؐ کے فرائض میں سے ہو۔ کیونکہ حضرت ختمی مرتبتؐ کا بحکمِ خدا اپنا خلیفہ و جانشین مقرر فرمانا آپ کے فرائض منصبی میں سے تھا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی قیمت پر بھی ترک نہیں کر سکتے تھے۔

۴) روایت کے الفاظ صاف طور پر بتلا رہے ہیں کہ جناب عباسؓ نے تخلیہ میں حضرت علیؑ سے یہ گفتگو کی۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ جناب عباسؓ جیسا جہاندیدہ شخص جو عرب قبائل کی فطرت سے بخوبی واقف ہو یہ تصور کرے کہ قبائل عرب کے مسلمان تخلیہ میں آنحضرتؐ کے مقرر کردہ شخص کو خلیفہ تسلیم کر لیں گے۔ ویسے بھی امر خلافت خفیہ نہیں بلکہ برسرِ عام اعلان کا متقاضی ہے۔

چونکہ جنابِ رسالت مآبؐ کی ذاتِ والا صفات پر سلسلۂ نبوت ختم ہونے والا تھا جبکہ اسلام کو قیامت تک باقی رہنا ہے لہٰذا ضروری تھا کہ حضرت ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام تحفظِ اسلام کا خاطر خواہ بندوبست فرمائیں۔ چنانچہ آپؐ نے اس فریضہ کو اپنی حیاتِ طیبہ میں بااحسن طور پر انجام فرمایا اور دینِ اسلام کو عوام الناس کی صوابدید پر نہیں چھوڑا۔

اس مختصر جائزہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مذکورہ روایت جھوٹی ہے اور اُنہی موضوعہ روایات میں سے ایک ہے جو سیاسی وجوہ کے تحت اموی حکمرانوں کے زیر اثر گھڑی گئیں تھیں۔

قرونِ اولیٰ کے داستان سرا راوی: اسلامی مملکت میں مسلمانوں کے ہاتھوں اسلامی ریاست کے خلیفہ سوئم حضرت عثمانؓ کے قتل کا ناگوار حادثہ رونما ہوا۔ اس واقعہ کے تلخ اسباب کی پردہ پوشی کے لئے ابتداء ہی سے جدوجہد کی گئی

جس کی بابت علامہ تفتازانی نے بیان کیا ہے کہ:

''اور حقائق بھی یہی ہیں کہ یہ پردہ پوشی محض اس واسطے کی گئی کہ اگر ان اسباب کا تذکرہ کھلے الفاظ میں کیا جائے تو قرونِ اولیٰ کے اکابرین ملت کے متعلق حُسنِ عقیدت کے جذبات ختم ہو کر رہ جاتے ہیں اور بدگمانی پیدا ہو جانے کا قوی امکان ہے۔ ان واقعات سے نہ صرف صحابہ اکرام کی آپس میں جنگ و جدل، حرصِ سرداری، طمع ریاست اور جذبۂ ملک گیری واضح ہوتی ہے بلکہ ان کے کردار پر ضرب کاری لگتی ہے۔ لہٰذا ان واقعات کو پوشیدہ رکھنا ہی حُسنِ عقیدت اور ایمان کی سلامتی سمجھا گیا''۔

(شرح مقاصد ج: ۲ ص: ۲۰۶)

چنانچہ داستان سرا راویوں اور رطب و یابس جمع کرنے والے مورخین نے داستان الف لیلیٰ سے ملتی جلتی ایک کہانی تصنیف کر ڈالی جس کا فرضی ہیرو عبداللہ بن صبا کو بنا کر تمام الزامات اس کے سر تھوپ دیئے۔ یعنی جو کچھ کیا اس نو مسلم یہودی نے کیا۔ اگر یہ مسلمان ہو کر فتنوں کا دروازہ نہ کھولتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس دور کے مسلمان اتنے ضعیف العقل تھے کہ ایک نو مسلم یہودی کے زیرِ اثر آ کر باہمی خون خرابے پر آمادہ ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ کے باب میں عبداللہ بن صبا کے قصے کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس قصے کی تشہیر میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور نوبت یہانتک پہونچی کہ قرونِ اولیٰ پر لکھی جانے والی شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جس میں ابن صبا کا تھوڑا بہت تذکرہ نہ کیا گیا ہو۔ قدیم و جدید میں فرق صرف اتنا ہے کہ قدما نے اس کہانی کو روایت کے طور پر بیان کیا جبکہ بعد والوں نے ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر قلمبند کیا اور قدما کی تقلید کو باعث افتخار جان کر بغیر چھان بین کئے نقل در نقل کا سلسلہ شروع کر دیا۔ عبداللہ بن صبا

کی داستان کا شیخ محمد آلِ کاشف نے اشارۃً ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اس سلسلہ میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ عبداللہ بن صبا' مجنون عامری اور ابو ہلال وغیرہ داستان سراؤں کے خیالی ہیرو ہیں۔ اموی اور عباسی سلطنتوں کے وسطی دور میں عیش و عشرت اور لہو ولعب کو اتنا فروغ حاصل ہو گیا تھا کہ فسانہ گوئی محل نشینوں اور آرام طلبوں کا جزو زندگی بن گئی۔ چنانچہ اس قسم کی کہانیاں بھی ڈھل گئیں'' (اصل اصولِ شیعہ ص ۲۵)

اموی حکومت کے آغاز ہی سے تاریخی واقعات کو حسب منشا توڑ مروڑ کر بیان کیا جانے لگا۔ حصول مقصد کیلئے راوی خریدے جانے لگے' روایتیں گھڑی جانے لگیں۔ بعض اہم واقعات کی پردہ پوشی کی جانے لگی اور بعض کی تاویلات پیش کیجانے لگیں۔ اپنے غلبہ واقتدار کو جائز منوانے کیلئے خود ساختہ کہانیوں کی تشہیر سرکاری سطح پر ہونے لگی اور فریق مخالف کی زبان بندی کیلئے مختلف حربے استعمال کئے جانے لگے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے فریق کا نقطۂ نظر دنیا کے سامنے نہ آسکا اور چار و ناچار اس فریق کو بھی غالب فریق کی مرتب کردہ تاریخ و حدیث پر انحصار کرنا پڑا جس سے دنیا تو مغالطے میں پڑ ہی گئی تھی مگر بعض اوقات احتیاط سے کام نہ لینے کے باعث حامیانِ اہلبیت بھی دھوکا کھا گئے۔

امویوں کی پروپیگنڈہ مہم کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ امامت کے حصول کی خاطر آئمہ معصومین کی اولاد کو آپس میں لڑتے جھگڑتے دکھایا جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر ایسے من گھڑت قصے اور دلفریب کہانیاں وضع کی گئیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ان فرضی قصے کہانیوں کو زرخرید راویوں نے روایت کیا اور مورخوں نے اپنی کتابوں میں اس خیال اور اس

انداز سے لکھا کہ لوگ اہلبیتِ رسول سے متنفر ہو جائیں۔ اور دنیا یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ افرادِ اہلبیت خود ہی ایک دوسرے سے جھگڑتے اور قتل کرتے رہتے تھے، ہمارے خلیفہ تو بری الذمہ تھے۔ راویوں کے ان خودساختہ قصوں میں محمد بن علیؑ (محمد حنفیہ) کا مفروضہ دعویٰ امامت، زید بن حسن مثنیٰ کی امام محمد باقرؑ سے مخاصمت، زید شہیدؒ اور امام جعفر صادقؑ کا اختلاف، امام موسیٰ کاظمؑ اور امام علی رضاؑ کی اولاد کے درمیان بے سروپا جھگڑے وغیرہ سب اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں جن کے ہر ایک راوی نے اولادِ امام حسنؑ اور اولادِ امام حسینؑ کو ایک ہی روایت سے بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ہم یہاں ان فرضی داستانوں کے چند نمونے مختصراً بیان کر رہے ہیں:

محمد حنفیہ پر الزام: ابوالقاسم محمد بن علیؑ بن ابیطالب کی مادرِ گرامی جناب خولہ قبیلہ بنی حنیف سے تعلق رکھتی تھیں۔ اسی مناسبت سے آپ کا لقب حنفیہ مشہور ہوا۔ آپ ۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۱ھ میں فوت ہوئے۔ علامہ سبط ابنِ جوزی نے امام زہری کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ ''محمد عقلمند ترین اور شجاع ترین اشخاص میں سے تھے۔ فتنوں اور جھگڑوں سے کنارہ کش رہتے تھے''۔[1] آپ نے جنگ جمل، صفین اور نہروان میں شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے۔

آپ کی فضیلت کو گھٹانے اور آپ کے کردار و عمل کو داغدار بنانے کی خاطر حکومتی پروپیگنڈہ مشنری نے بڑے شدومد سے یہ افواہ پھیلائی کہ محمد حنفیہ نے دعویٰ امامت کیا اور جہادِ حسینی میں شرکت نہیں کی۔ جہاںتک دعویٰ امامت کا تعلق ہے، ہم نے اپنی کتاب ''تاریخِ بنی ہاشم'' جلد سوئم میں دیگر مستند کتب کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ محمد حنفیہ نے اپنی زندگی میں کبھی بھی امامت کا دعویٰ

[1] تذکرۃ الخواص ص: ۳۵۲

نہیں کیا۔ آپ ہمیشہ اپنے بھائی امام حسن و امام حسین اور بھتیجے امام علی زین العابدین علیہم السلام کی امامت کے قائل و مطیع رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ کی وفات کیے بعد اگر لوگوں کا ایک گروہ آپ کو امام یا مہدی سمجھ بیٹھا تو اس کی ذمہ داری کسی طرح بھی آپ پر عائد نہیں کیجا سکتی۔

ان داستان سرا راویوں نے یہ بھی الزام لگایا ہے کہ مختار بن ابو عبیدہ ثقفی جناب محمد حنفیہ کو مہدی مانتے اور امام علی زین العابدینؑ کے بجائے انہیں امام جانتے تھے۔ یہ دونوں ہی صورتیں فرضی اور من گھڑت ہیں۔ جناب محمد حنفیہ نے کبھی بھی دعویٰ امامت و مہدیت نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ امام علی زین العابدینؑ کو امام برحق جانتے اور مانتے تھے۔ جہانتک مختار کے عقیدے کی بات ہے تو یہ علمائے قدیم و مورخینِ جدید ہی بہتر جانتے ہونگے کہ اُن کے دل میں کیا تھا۔ اپنے دل کی بات خود مختار کو معلوم تھی یا خدا کو، ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ مختار کی لڑائیاں عبداللہ بن زبیر سے ہوئیں جن کو یہ مورخین خلیفہ برحق مانتے ہیں اور جو خلیفۂ وقت کے خلاف جنگ کرے اس کو یہ لوگ کس رنگ میں ظاہر کریں گے، سب کو معلوم ہے۔ جناب معاویہ بن ابوسفیان نے بھی خلیفہ برحق کے خلاف بغاوت کی تھی لیکن وہ تو چونکہ حکومت صدر اول کے منتخب شدگان میں سے تھے لہٰذا ان کی بغاوت اجتہادی غلطی ہوئی مگر بیچارہ مختار تو شیعہ تھا اور خون حسینؑ کا بدلہ لے رہا تھا اس کو اجتہادی غلطی کا فائدہ کیونکر مل سکتا تھا۔ لہٰذا اس کیلئے ملعون و کذاب جیسے القاب منتخب کئے گئے اور اس کے حالات و واقعات بھی اُس ہی ذہنیت کے تحت لکھے گئے اور اس کے اقوال وافعال کی تعبیریں بھی اُسی نہج پر کی گئیں۔ جبکہ شہید ثالثؒ نے علامہ حلی کے حوالے سے مختار کو مقبولینِ خدا میں لکھا ہے۔[1]

---

[1] مجالس المومنین ص:۳۴۶ مطبوعہ بمبئی

دوسری افواہ ہے کہ محمد حنفیہ نے حسینی جہاد میں شرکت نہیں کی۔ اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے جن حضرات کو مناسب جانا ساتھ لے لیا وگرنہ قبیلہ بنی ہاشم میں جنگجو بہادروں کی کمی نہ تھی صرف محمد حنفیہ پر ہی کیا منحصر ہے۔ دوئم یہ کہ اس زمانہ میں محمد حنفیہ ایک ہاتھ سے مفلوج تھے جس کے باعث ان کی شرکت محال تھی۔ سوئم یہ کہ حضرت امام حسینؑ نے مدینہ سے روانگی کے وقت بذریعہ وصیت چند امور کی انجام دہی اُن کے سپرد کی تھی جس کے باعث اُن کا مدینہ ہی میں قیام کرنا ضروری و لازمی تھا۔

واقعہ زید بن حسن مثنیٰ: قطب راوندی نے اپنی کتاب 'الخراج' میں امام جعفر صادقؑ سے منسوب کر کے یہ روایت بیان کی ہے کہ "زید بن حسن نے میرے والد (محمد باقرؑ) سے رسول خداؐ کے اوقاف سے متعلق تنازعہ کیا۔ وہ کہتے تھے کہ امام حسنؑ بڑے بیٹے تھے لہٰذا ان کا بیٹا بہ نسبت امام حسینؑ کے بیٹے کے اوقاف کیلئے اولیٰ ہے"۔ قطب راوندی نے اس روایت کے تحت ایک طویل کہانی بیان کی ہے جس میں نہ تو زمانہ کا خیال رکھا گیا ہے اور نہ حکام وعمالِ وقت کے ناموں کا صحیح اندراج ہے اور نہ ہی بیان کردہ معجزات کا کوئی اثر ظاہر ہوا۔ غرضیکہ متعدد نقائص کے باعث یہ روایت درجۂ اعتبار سے گری ہوئی ہے۔

علامہ باقر مجلسیؒ نے 'جلال العیون' میں قطب راوندی کی اس روایت کو نقل کیا اور تنقید لکھی ہے۔ اسی طرح علامہ محسن الامین العاملی نے بھی اس روایت کو امام محمد باقرؑ کے ذکر میں ضمناً تحریر کر کے اس پر تنقید لکھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قطب راوندی اس روایت کا واحد ماخذ ہے۔ جس نے بھی لکھا اسی کے حوالے سے لکھا ہے۔ جب کہ تاریخ کی کسی مستند کتاب میں اس روایت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے البتہ طبری نے اس ضمن میں اُس مقدمہ کا ذکر کیا ہے جو امام محمد

باقرؑ کے نمائندے کی حیثیت سے زید بن علیؑ زین العابدین کے اور عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے مابین ہوا۔ جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں مرقوم ہے۔ نیز بعض مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ زید بن حسن مثنیٰ کی تجویز پر عبدالملک بن مروان نے گھوڑے کی زہر آلود زین تیار کر کے اُن کے ذریعہ امام محمد باقرؑ کو بھجوائی جس کے سبب آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ اس طرح اُس واقعہ کو عبدالملک کے عہدِ حکومت میں بتایا گیا ہے اور بار بار عبدالملک کا نام استعمال کیا گیا ہے حالانکہ عبدالملک ۸۶ھ میں فوت ہوا۔ جبکہ امام محمد باقرؑ کی شہادت ۱۱۴ھ میں ہوئی۔ اس کے علاوہ اس روایت کے راوی مفقود ہیں۔

زید بن حسن مثنیٰ کو علماء نے متقی و پرہیز گار، عابد و زاہد اور ثقہ لکھا ہے، ایسے شخص سے یہ بعید ہے کہ وہ قرآن کریم کی اس مشہور آیت: وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا (سورۃ النساء آیت: ۹۳) کو بھول جائیں اور جہنم مول لے لیں۔ شیخ مفیدؒ نے 'الارشاد' میں لکھا ہے کہ زید بن حسن رسول اللہؐ کے صدقات کے متولّی تھے اور بنو ہاشم میں سب سے بڑے، جلیل القدر، کریم الطبع اور پاکیزہ تھے۔ ان میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ وہ لوگوں سے نیکی کرتے تھے۔ شعراء نے ان کی تعریف میں اشعار کہے۔ لوگ دور دراز سے طلب فیض کیلئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

اصحاب السیر لکھتے ہیں کہ زید بن حسن صدقاتِ رسولؐ کا انتظام کرتے تھے۔ جب سلیمان بن عبدالملک تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے اپنے مدینہ کے گورنر کو لکھا ''جب میرا یہ حکم تجھے ملے تو زید بن حسن کو صدقاتِ رسولؐ کی تولیت سے ہٹا کر میری قوم کے فلاں فلاں کو دیدینا اور اُس کے انتظام میں اُس کی مدد کرنا''۔ لیکن جب عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے والی مدینہ کو حکم

دیا کہ زید بن حسن بنو ہاشم کے شرفاء میں سے ہیں اور عمر میں سب سے بڑے ہیں پس تمام صدقاتِ رسول اللہ اُن کو واپس دیدو۔ جناب زید بن حسن ثنیٰ نے نوے سال کی عمر میں وفات پائی، بہت سے شعراء نے اُن کے مرثیے کہے اور اُن کے فضائل ومحامد کا ذکر کیا ہے۔ اپنی پوری حیات میں آپ نے کبھی بھی امامت کا دعویٰ نہیں کیا، البتہ وہ بنی امیہ کے ساتھ مصالحت سے رہنا چاہتے تھے اور اُن کی اطاعت کرتے تھے۔ اُن کی رائے میں دشمنوں سے تقیہ اور اُن کی تالیف قلوب و مدارات ضروری تھی۔[1]

زید شہیدؒ اور آئمہ معصومینؑ: اسی طرح ان مورخین عظام نے حضرت زید شہیدؒ پر دعوائے امامت کا بہتان باندھا تا کہ آپ کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا مخالف ومقابل دکھا سکیں لہذا آپ پر الزامات عائد کیے کہ زید شہیدؒ احادیث کو آئمہ معصومین سے سنتے رہے اور ان پر آپ کا یقین واعتماد بھی تھا پھر بھی آپ تلوار لیکر خروج کیلئے کیوں نکل کھڑے ہوئے ؟ آپ نے دعوائے امامت کیوں کیا؟ اور آپ نے امام جعفر صادقؑ سے کیوں اظہار مخالفت کیا؟ یہ ایسے افعال ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں عناد تھا اور آپ عظمت امام کے منکر تھے!

یہ اور اسی جیسے دیگر اعتراضات کے جواب میں مورخین اہل تشیع نے بہت کچھ لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ حضرت زید شہیدؒ نے نہ تو کبھی دعویٰ امامت کیا اور نہ ہی کبھی حضرت امام جعفر صادقؑ کی مخالفت کی۔ اس قسم کے الزامات اس پروپیگنڈے کا حصہ ہیں جو اموی اور عباسی حکمران اپنی حکومتوں کے استحکام کی خاطر اور اہلبیتِ اطہار کو رسوا کرنے کی غرض سے کیا کرتے تھے۔ "حضرت زید شہیدؒ کا خروج کیلئے میدان جنگ میں نکلنا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیلئے جہاد

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو نور المشرقین من حیات الصادقین ص: ۱۷۲ تا ۱۸۸

کی حیثیت رکھتا تھا تب ہی تو امام ابو حنیفہؒ نے آپ کے خروج کو جنگ بدر میں رسول اللہؐ کے خروج سے تشبیہ دی''۔[1]

دوسروں کا تو ذکر ہی کیا خود اہل تشیع کے ایک گروہ نے اس پروپیگنڈہ مہم کا شکار ہو کر یہ بات ذہن میں بٹھالی کہ جناب زید شہیدؒ نے خروج کیا جبکہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے خروج سے اجتناب برتا۔ اسی ذہنی خلفشار کے باعث اُنہوں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ امام جعفر صادقؑ کا خروج سے روکنا مخالفت کی وجہ سے تھا درآنحالیکہ امامؑ کا یہ اقدام بربنائے مخالفت ہرگز نہ تھا بلکہ وہ تو محض خروج کے نتائج پر غور وخوض کا باعث تھا۔ چنانچہ اہل تشیع کا یہ گروہ اس طرح فرقۂ زیدیہ کا قائل ہوگیا جس کے مطابق وہ شخص امام ہو ہی نہیں سکتا جو گھر میں بیٹھ جائے اور اپنا دروازہ بند کرلے۔ بلکہ امام کے لئے لازم ہے کہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیلئے تلوار لیکر میدانِ قتال میں نکلے۔

یہی وہ اسباب ہیں جنکی بنیاد پر حضرت امام جعفر صادقؑ اور حضرت زید شہیدؒ کے درمیان اختلافات دکھانے کی ناکام کوشش کی گئی اور تاریخی واقعات سے عدم واقفیت یا کم واقفیت رکھنے والے افراد کو دام فریب میں پھنسایا گیا وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ امامؑ اور شہیدؒ کے درمیان قطعی کوئی اختلاف نہیں تھا جس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ ان میں سے اہم ترین ثبوت جناب زید شہیدؒ کا یہ قول ہے کہ ''جو جہاد کرنا چاہتا ہو وہ میرے ساتھ آئے اور جو علم کا خواہشمند ہو وہ میرے بھتیجے جعفر صادق کی طرف چلا جائے''۔ اگر جناب زید شہیدؒ اپنے لئے امامت کا دعویٰ کرتے تو اپنی ذات سے علم کے کمال کی نفی ہرگز نہ کرتے۔ اس لئے کہ امامؑ خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ عالم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا اہم ثبوت خود امام جعفر صادقؑ کا یہ قول بھی موجود ہے کہ ''خداوند عالم میرے

---

[1] المکی ج: ۱ ص: ۲۶۰ بحوالہ خلافت وملوکیت ص: ۲۶۷

چچا زید پر رحم فرمائے، اگر وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے اپنا مقصد پالیا، وہ آل محمد کی رضا کی طرف لوگوں کو بلا رہے تھے اور میں خود ایک رضائے آلِ محمد میں سے ہوں"۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ اور حضرت زید شہیدؒ کے مابین جو اختلاف دکھانے کی ناکام کوشش کی گئی وہ انہی خود ساختہ کہانیوں میں سے ایک ہے جن کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ جناب زید شہیدؒ اس سے کہیں بلند تر تھے کہ آپ اس امر کا دعویٰ کریں جو آپ کا حق نہ تھا۔ آپ ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ "میں تم کو آلِ محمد کی رضا کی طرف بلا رہا ہوں" جس سے آپ کی مراد حضرت امام جعفر صادقؑ کی ذاتِ اقدس تھی۔ مورخین کا بیان ہے کہ "عبداللہ بن العلا کہتے ہیں کہ میں نے جناب زید بن علی زین العابدینؑ سے پوچھا کہ کیا آپ صاحب الامر ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں تو عترت رسول کا ایک فرد ہوں۔ میں نے پھر پوچھا کہ آپ ہمیں کس کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم پر (امام جعفر صادقؑ کی طرف اشارہ کر کے) ان کی اطاعت فرض ہے اور یہی تمہارے امام ہیں"۔[1]

حضرت زید شہیدؒ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے بارے میں عمار ساباطی نے سلیمان بن خالد کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جو کہ ایک سائل کے جواب میں زید شہیدؒ نے فرمایا "جعفر (علیہ السلام) احکام شریعت یعنی حلال وحرام میں ہمارے پیشوا اور امام ہیں"۔[2]

الغرض اس پروپیگنڈہ مہم کے ذریعہ شیعہ اور شیعت کے خلاف نفرت و تعصب کا مرض ایسا پھیلایا گیا کہ کینسر کی شکل اختیار کر گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اگر کسی غیر شیعہ مسلمان کو یہودی کہہ دیا جائے تو وہ اتنا برا نہیں مانے گا جتنا شیعہ کہنے سے۔ اس لفظ شیعہ کو گالی تصور کیا جانے لگا۔ آج کے اس ترقی یافتہ اور

---

[1] نفس المصدر ص: ۳۲۸، بحار الانوار ج: ۶ ص: ۳۳۰ [2] رجال الکشی ص: ۲۳۱، بحار الانوار ج: ۶ ص: ۲۲۶

تیز رفتار میڈیا کے دور میں بھی انتہا پسندوں کا پروپیگنڈہ ہے کہ شیعہ کافر ہیں، صبائی ہیں، رافضی ہیں لہذا ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ان کا قتل کارِ ثواب ٹھرایا گیا جس کے نتیجہ میں عام افراد شیعہ کا تو ذکر ہی کیا شیعہ قوم کے لائق و قابل افراد مثلاً علمائے دین، پروفیسرز، ڈاکٹرز، رائٹرز اور اعلیٰ عہدیداران کو چن چن کر قتل کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ درآنحالیکہ یہی انتہا پسند جماعتیں وقت پڑنے پر اپنی سیاسی اغراض کی تکمیل کی خاطر شیعہ سنی اتحاد کا نعرہ لگانے والوں کے ساتھ شامل ہو جاتی ہیں، شیعہ علماء اور شیعہ تنظیموں کو اپنے اتحاد میں شامل کر کے فخریہ نمائش کرتی ہیں اور اُن کے اکابرین خاص موقعوں پر شیعہ علماء کی امامت میں نماز باجماعت بھی ادا کر لیتے ہیں۔

حکمران طبقہ اور اہلبیتِ رسولؐ

مملکتِ اسلامیہ: حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد ہونے والی سقیفہ کاروائی کے نتیجہ میں آنیوالی حکومت سے لیکر عباسیوں کے آخری دورِ حکومت تک جتنے بھی حکمران ہوئے ماسوائے چند سب ہی کا اہلبیتِ رسول کے ساتھ مخالفانہ ومتعصّبانہ برتاؤ رہا جس کے سبب خاندانِ رسول کے ساتھ ظلم وزیادتی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ بعض نے جبر واستبداد کو محدود رکھا جبکہ بعض نے تمام حدود وقیود سے آزاد ہوکر بے پناہ مظالم کیئے۔ اس ضمن میں سرسری جائزہ پیش ہے تاکہ حضرت زید شہیدؒ کے جہاد بالسیف کے نتیجہ میں ہونے والی آپ کی شہادت کے واقعات اور اس کے اثرات کو سمجھنے سمجھانے میں آسانی ہو۔

جناب رسالتمآبؐ نے مملکتِ اسلامیہ کی داغ بیل ڈالی اور اسے احکامِ خداوندی کے عین مطابق قائم کرنیکی ہر ممکن کوشش کی۔ آپؐ نے اپنے کردار وعمل سے ایسا نظامِ حکومت مسلمانوں میں روشناس کرایا جو دینی ودنیاوی ہر دو اعتبار سے یکتا ویگانہ تھا اور دنیاوی حکومت ودینی امامت کو ایک مرکز پر گامزن فرمایا۔ مگر حکومت وامامت کو حاصل کرنیکے خواہشمندوں نے اس نظام کو اور اسکی مرکزیت کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ یہ ایک طویل داستان ہے طوالت کے باعث اسکا ذکر کرنا ممکن نہیں۔ بہرحال کوئی اس کو داستانِ عروج کہکر خوش ہوتا ہے اور کوئی اسے اسلام کا مرثیہ کہکر سر بگریباں ہے۔

اللہ کے رسولؐ نے جس نظام کو حکومت و امامت کے مرکز کے طور پر ملت کے سامنے پیش کیا تھا وہ نظام کشمکش کا شکار ہو گیا۔ بد قسمتی سے یہ کشمکش حکومت کے خواہش مندوں اور اہلبیتِ رسول کے درمیان رہی۔ جناب رسالتمآبؐ کے وصال کے فوراً بعد جب اس کشمکش کا آغاز ہوا تو آلِ رسول نے یہی مناسب جانا کہ ایسے نازک موقعہ پر تلوار کا استعمال نہ کیا جائے کیونکہ اگر اُس وقت تلوار نکال لیجاتی تو حضرت ختمی مرتبتؐ کی تمام کوششیں رائیگا ہو جاتیں اور دینِ اسلام مٹ جاتا لہٰذا دین کی بقا کے لئے اہلبیتِ رسول نے عظیم قربانی دی۔ لیکن پھر بھی اس کشمکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہؐ کی قائم کردہ دینی حکومت دنیاوی سلطنت میں تبدیل ہو گئی جس کا انحصار لوگوں کے ماننے یا نہ ماننے پر رہ گیا۔

جہانتک امامتِ اسلام کا تعلق ہے تو یہ عہدہ خداوند تعالیٰ نے اپنے آخری نبیؐ کے ذریعہ جن افراد کو دیا تھا وہ نہ تو اس عہدے سے سبکدوش ہو سکتے تھے اور نہ ہی یہ انکے اختیار میں تھا۔ یہ عہدہ وصیتاً یکہ بعد دیگرے آئمہ معصومینؑ کو منتقل ہوتا رہا۔ اگر چہ حکمران طبقہ اس عہدے کو بھی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے کبھی بہت سے امام کھڑے کئے، کبھی انفرادی قیاس کی اجازت دی اور کبھی لوگوں کو فتوں پر مقرر کیا۔ ان تمام کاوشوں کا مقصد یہ تھا کہ عوام الناس میں اہلبیت سے انحراف کی جرات پیدا کیجائے اور مخالفت کی عادت ڈالی جائے۔ پھر جب بادشاہت قائم ہوئی تو بقول مولانا مناظر احسن گیلانی:

> ''جب خلافت نے سلطنت کا چولا بدلا اس وقت کیا ہوا اور کیا ہوتا رہا؟ ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ صرف یہی نہیں کہ قانون کے نافذ کرنے میں قریب و بعید، دوست و دشمن کا فرق کیا جاتا تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قانون کی اپنے مطلب کے مطابق تشریح کا حق بھی ان ''بادشاہ خلیفوں'' اور ان کے ولاۃ و حکام نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا'' (امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۴۷)

الغرض مسلمانوں کی تاریخ میں وہ وقت بھی آیا جب رسول اللہؐ کے بعد ایک بار پھر حکومت وامامت ایک مرکز پر جمع ہو گئے لیکن اقتدار کے خواہشمندوں کو یہ بات ناگوار گذری لہٰذا والئ شام نے امامِ اول اور خاتم خلافتِ راشدہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ حصولِ اقتدار کی خاطر دھوکہ وفریب کے جتنے بھی حربے ہو سکتے تھے سب ہی استعمال کئے۔ ولایتِ شام کے بیس سالہ دور میں غیر شرعی طور پر جو دولت جمع کی تھی وہ حصولِ اقتدار کیلئے بے دریغ خرچ کی، لوگوں کے دین وایمان کے سودے کئے، خفیہ طور پر فریق مخالف کی فوج میں رقوم بھجوا کر افراتفری پھیلانے کی کوشش کی۔ اسکے باوجود جب شکست سے دوچار ہونے لگے تو قرآنِ کریم کو نیزوں پر بلند کروایا۔ پھر تحکیم کے موقع پر انتہائی دیدہ دلیری سے کذب کا ارتکاب کیا لیکن پھر بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس کے بعد امام دومؑ اور پنجم خلیفہ راشد کا دور شروع ہوا تو امیر شام نے اپنے روایتی طریقہ کار یعنی دھوکا وفریب سے کام لیتے ہوئے امامؑ کو صلح پر مجبور کیا۔ لیکن جوں ہی اقتدار پر قبضہ حاصل ہوا صلح نامہ کی شرائط کو اس بری طرح پامال کیا کہ دنیا دنگ رہ گئی اور تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر رہی۔

معاویہ بن ابوسفیان: انہی ''بادشاہ خلیفوں'' کے بانیٔ اول معاویہ بن ابوسفیان نے شریعت اسلامی کو جس بیدردی سے پامال کیا اور جس طرح بیشمار بدعتوں کو رواج دیا وہ تاریخ کا حصّہ ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے قدما کے حوالوں کے ساتھ ان بدعتوں میں سے چند کا ذکر اپنی کتاب 'خلافت و ملوکیت' میں کیا ہے ان میں سے کچھ بدعتیں بطور نمونہ ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

> ۔''ان بادشاہوں کی سیاست دین کے تابع نہ تھی۔ اس کے تقاضے وہ ہر جائز وناجائز طریقے سے پورے کرتے تھے اور اس معاملہ میں حلال وحرام کی تمیز روا نہ رکھتے تھے''۔ (خلافت وملوکیت ص: ۱۷۳)

''امام زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ اور چاروں خلفائے راشدین کے عہد میں سنت یہ تھی کہ نہ کافر مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے، نہ مسلمان کافر کا۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانہ حکومت میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث قرار نہ دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آکر اس بدعت کو موقوف کیا۔ مگر ہشام بن عبدالملک نے اپنے خاندان کی روایت کو پھر سے بحال کردیا''۔ (البدایہ والنہایہ ج: ۸ ص: ۱۳۹، خلافت وملوکیت ص: ۱۷۳)

''حافظ ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ دِیَت کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہؓ نے سنّت کو بدل دیا۔ سنّت یہ تھی کہ مُعاہد کی دِیَت مسلمان کے برابر ہوگی، مگر حضرت معاویہؓ نے اُس کو نصف کردیا اور باقی نصف خود لینی شروع کردی''

(البدایہ والنہایہ ج: ۸ ص: ۱۳۹، خلافت وملوکیت ص: ۱۷۳)

حافظ ابنِ کثیر کے الفاظ یہ ہیں:

وکان معاویۃ اول من قصرھا الی النصف و اخذ النصف لنفسہٖ۔

مولانا مودودی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ :

''ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسرِ ممبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، حتیٰ کہ مسجد نبوی میں ممبر رسولؐ پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دیجاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے''۔

(الطبری ج: ۴ ص: ۱۸۷، ابن الاثیر ج: ۳ ص: ۲۳۴، البدایہ والنہایہ ج: ۸ ص: ۲۵۹، بحوالہ خلافت وملوکیت ص: ۱۷۴)

''کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سے گھناؤنا فعل تھا''۔

(خلافت و ملوکیت ص: ۱۷۴)

"مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں معاویہؓ نے کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب وسنت کی رُو سے پورے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال مین داخل ہونا چاہئے اور باقی چار حصے اس فوج میں تقسیم کئے جانے چاہئیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے سونا چاندی ان کے لئے نکال لیا جائے پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے"۔

(طبقات ابن سعد ج:۷ ص:۲۸، الطبری ج:۴ ص:۱۸۷، الاستیعاب ج:۱ ص:۱۱۸، ابن الاثیر ج:۳ ص:۲۳۳، بحوالہ خلافت وملوکیت ص:۱۷۴)

"زیاد بن سمیہ جو اعلیٰ درجہ کا مدبر، منتظم، فوجی لیڈر وغیر معمولی قابلیتوں کا مالک تھا حضرت علیؑ کے زمانۂ خلافت میں وہ آپ کا زبردست حامی تھا اس نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ معاویہ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کیلئے اپنے والد ماجد کی زناکاری پر شہادتیں لیں اوراس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد انہی کا ولد الحرام ہے پھر اسی بنا پر اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دیدیا۔ یہ فعل اخلاقی حیثیت سے جیسا کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے، مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا"۔

(الاستیعاب ج:۱ ص:۱۹، ابن خلدون ج:۳ ص:۷، البدایہ والنہایہ ج:۸ ص:۸۲، خلافت وملوکیت ص:۱۷۵)

ان مکروہ اور غیر شرعی افعال کے علاوہ امیر شام نے حضرت علیؑ کے گورنروں کے مقابلہ میں جانے والے سپہ سالاروں کو ظلم وبربریت کی کھلی چھوٹ دیدی تھی ان کے ظلم وزیادتی کے متعدد واقعات کتب تاریخ میں مرقوم ہیں مثلاً

۱) امیر شام نے حجاز ویمن کو حضرت علیؑ کے قبضے سے نکالنے کیلئے بسر بن ابی اوطاۃ کو بھیجا جس نے یمن میں حضرت علیؑ کے گورنر عبید اللہ بن عباسؓ کے دو

چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکڑ کر قتل کر دیا ان بچوں کی ماں صدمے سے پاگل ہو گئی۔ بعدہٗ اسی ظالم شخص کو حضرت علیؑ کے زیر اثر علاقہ ہمدان پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ وہاں اس نے دیگر زیادتیوں کے علاوہ یہ ظلمِ عظیم کیا کہ دورانِ جنگ جو مسلمان عورتیں گرفتار ہوئیں انہیں لونڈیاں بنالیا حالانکہ شریعت اسلامی میں کسی بھی مسلمان مرد یا عورت کو غلام یا کنیز بنانے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔

۲) امیر شام نے جب مصر پر قبضہ کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گورنرِ مصر جناب محمد بن ابی بکرؓ کو گرفتار کر کے قتل کرادیا اور پھر ان کی لاش کو ایک مردہ گدھے کی کھال میں رکھ کر جلوادیا۔

۳) امیر شام کے دورِ حکومت میں مسلمانوں کے سر کاٹ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے اور جوشِ انتقام میں لاشوں کی بے حرمتی کرنے کے وحشیانہ طریقے رائج ہوئے زمانۂ اسلام میں جو سب سے پہلا سر کاٹ کر لیجایا گیا وہ صحابیٔ رسول حضرت عمار بن یاسرؓ کا سر تھا۔ دوسرا سر صحابیٔ رسول حضرت عمرو بن الحمقؓ کا تھا[1]

یہ ہیں وہ چند نمونے ان بدعتوں کے جو امیر شام نے حصولِ اقتدار کے لئے اپنائے۔ غور کیجئے کس پائے کے تھے وہ لوگ جن کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک کئے گئے! اور کیا اسلام نے کسی کافر کے ساتھ بھی ایسے ظالمانہ برتاؤ کو جائز قرار دیا ہے؟ ان تمام واقعات کی موجودگی کے باوجود اصرار ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوا یا راضی ہو۔

اس کے علاوہ امیر شام نے اپنے اقتدار کے آخری ایام میں ایک اور اہم کارنامہ یہ انجام دیا کہ اپنے بیٹے یزید کی بیعت کے لئے حالات کو سازگار بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ جن سے مخالفت کا کھٹکا تھا انہیں مقرب بارگاہ بنا

---

[1] ماخوذ از خلافت وملوکیت

لیا، بڑے بڑے عہدے عطا کئے، ان سے رواداری برتی اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر کی [1] حتیٰ کہ خود مدینہ پہنچکر تلوار کے سائے میں یزید کی ولیعہدی کی بیعت لی۔ یزید کی ولیعہدی اور اس کے بعد حکمرانی کی بیعت جس طرح حاصل کی گئی اس سے صاحبانِ بصیرت خوب واقف ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ کا یہ دردانگیز وعبرت خیز باب ہے کہ بانیٔ اسلام کو دنیا سے پردہ فرمائے ابھی کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ انقلابِ زمانہ کے باعث جس مسند پر پیغمبرِ خداؐ تشریف فرما ہوتے تھے اس پر معاویہ بن ابوسفیان اور ان کا فاسق وفاجر بیٹا یزید جیسے لوگ بیٹھے نظر آتے ہیں۔

یزید بن معاویہ: امیر شام کی کوشش کے باوجود حضرت حسینؑ بن علیؑ اور چند دیگر اکابرینِ ملت نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی لہٰذا مسندِ اقتدار پر قدم رکھتے ہی یزید کی تمام تر توجہ ان حضرات سے بیعت لینے پر مرکوز ہوگئی۔ حضرت امام حسینؑ کی فضیلت واہمیت کے پیش نظر اس نے سب سے پہلے نواسۂ رسولؐ وجگر گوشۂ بتول حضرت امام حسینؑ سے مطالبۂ بیعت کردیا تاکہ اس کے اقتدار کو بارگاہِ امامت کی سند مل جائے۔ مگر یہ کیونکر ممکن تھا کہ آغوشِ رسولؐ میں تربیت پانے والا حسینؑ، یزید جیسے بدکردار کی بیعت کرے چنانچہ یزید نے اقتدار کی طاقت اور تلوار کی نوک پر امامت لینا چاہی۔ دین کی امامت تو کیا ملتی دنیاوی حکومت بھی خاندان سے جاتی رہی یعنی معاویہ کی قائم کردہ سفیانی حکومت انکے بدکردار بیٹے یزید پر ختم ہوگئی جسکے بعد مروانی حکومت قائم ہوئی۔

گرچہ حکمران طبقہ کو کربلا نے ایسا سبق سکھایا کہ پھر کسی بادشاہ کو آئمۂ معصومین اور اہلِ بیتِ رسول سے بیعت طلب کرنے کی جراٴت نہیں ہوئی لیکن پھر بھی ہر ایک بادشاہ کے دل میں آئمۂ اہلبیت کا وجود کھٹکتا رہتا تھا اور وہ ہمیشہ

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت ص: ۵۵،

آئمہ معصومین کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہتے تھے۔ کسی کو زہر دلوایا، کسی کا سر قلم کروایا، کسی کو قید میں ڈلوایا مگر اہلبیت رسول نے اپنے مقصد کو نہ چھوڑا۔ اسلام کی بقاء اور دین کی سربلندی کی خاطر وہ ملت مسلمہ کو اپنے علم کے چشمہ سے سیراب کرتے رہے گو کہ اس فریضہ کی ادائیگی میں انہیں بیشمار تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ تبلیغ دین کیلئے کسی امام کو دعاؤں کا سہارا لینا پڑا تو کسی کو دستر خوان کا۔

الغرض واقعہ کربلا رونما ہوا۔ واقعہ کربلا حق پر قیام اور باطل قوتوں کے مقابل سینہ سپر ہو جانے کا نام ہے۔ حق و باطل میں سدا سے جنگ ہوتی چلی آئی ہے اور ہوتی رہے گی مگر قیامِ حق کی بہترین مثال کربلا کے میدان میں ملتی ہے جہاں نواسۂ رسول نے اپنے چند جانثاروں کے ساتھ جس صبر واستقلال اور ہمت و پامردی سے لشکر باطل کے ظلم واستبداد کا مقابلہ کیا وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔

قوت کا مقابلہ قوت سے اور طاقت کا مقابلہ طاقت سے تو ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہیگا لیکن سیدہ کے لال نے میدان کربلا میں جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا۔ قوت و طاقت کا مقابلہ بھوک اور پیاس میں کردار و عمل سے کر کے مسلمانوں کو دنیا کے تمام مذاہب والوں کے سامنے یہ کہنے کے قابل بنا دیا کہ اگر صفحہ ہستی پر کوئی ایسا جری و بہادر، غازی و باطل شکن مل سکے تو پیش کرو۔ کربلا کے مجاہدوں کا جواب غیر کی تاریخ تو کیا خود مسلمانوں کی تاریخ بھی نہیں دے سکتی۔ بدر، احد، خیبر، خندق اور حنین جیسے معرکوں میں حبیب ابن مظاہر جیسا بوڑھا مجاہد جو بھوکا بھی تھا اور پیاسا بھی، مل جائے تو بتائے۔ علی اصغر جیسا شیر خوار جسے دودھ تو دودھ پانی بھی نہ مل سکا ہو، ایسا موت کا شائق کسی اور جنگ میں ملجائے تو دکھائے

"مولا! مسلم کے بعد یہی ایک تحفہ باقی ہے اسے روکئے نہیں مرنے کیلئے جانے دیجئے ۔ میری یہ آخری خواہش ہے" کہنے والی ماں اگر کہیں نظر آجائے تو فرمایئے، کٹتی ہوئی گردن ، چلتے ہوئے خنجر اور بہتے ہوئے خون کے ساتھ "میرے اللہ میں نے اپنا وعدہ پورا کیا تو بھی میرے نانا کی امت کو بخش دینا" کہنے والا کوئی شہید ملجائے تو اسی کو سید الشہداء مان لیجئے۔ خیموں کا جلنا، چادروں چھننا، گوشواروں کا نوچا جانا، دروں اور نیزوں کا ظلم برداشت کرنا، ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کا پہننا، نبی زادیوں کا کوفہ وشام کے بھرے بازاروں اور درباروں میں اسیر ہوکر چلے آنا۔ اس طرح راضی بہ رضائے الٰہی رہنے والے قیدی اگر چشم فلک نے دیکھے ہوں تو ضرور ان کی مصیبتوں پر آنسوں بہایئے۔

بہر حال جب کربلا کے اسیر طویل سفر کے ناگفتہ بہ مصائب برداشت کرتے ہوئے یزیدی دارالخلافہ پہنچے تو دربار سجایا گیا اور سرِ حسینؑ کو تشت میں رکھ کر یزید کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس ملعون نے ایک چھڑی کے ذریعہ دندانِ مبارک کے ساتھ بے ادبی کی اور جوش انتقام وتکبرِ اقتدار کے نشہ سے سرشار ہوکر چند اشعار کہے جن کا حاصل یہ ہے کہ:

> "کاش آج میرے وہ بزرگوار جو جنگ بدر وغیرہ میں مارے گئے موجود ہوتے تو خوش ہوکر مجھے داد دیتے کہ میں نے ان کا کیسا انتقام لیا اور ساداتِ بنی ہاشم کو قتل کیا۔ بیشک میں عتبہ کی نسل میں شمار نہ ہوتا اگر آلِ احمد سے ان تمام باتوں کا جو (احمد) کر گئے ہیں بدلہ نہ لیتا۔ درحقیقت بنی ہاشم نے ملک گیری کے ڈھکوسلے نکالے تھے ورنہ ان کے پاس نہ کوئی فرشتہ آیا، نہ وحی نازل ہوئی"۔

(وسیلۃ النجات از ملا مبین فرنگی محلی بحوالہ تاریخ احمدی ص: ۳۲۳)

اس بیان کی موجودگی میں یزید کے چاہنے والے بتائیں کہ جو شخص منکرِ نبوت اور منکرِ وحی ہو، کیا وہ مسلمان کہلانے کا مستحق ہوسکتا ہے؟

شہادتِ حسینؑ کے اثرات: یزید اور یزیدیوں کا گمان تھا کہ وہ حسینؑ کو قتل کر کے یزید کے اقتدار کو برقرار اور سفیانی حکومت کو پائیدار بنا سکیں گے مگر شہادتِ حسینؑ کے فوراً بعد ہی جیسے جیسے سانحہ کربلا کی خبر دنیائے اسلام میں پھیلی ہر طرف یزید سے نفرت و بیزاری کا اظہار ہونے لگا۔ دنیائے اسلام کی سیاست میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔ اصحابِ رسول، تابعین، تبع تابعین اور علماء و مفکرینِ اسلام نے متفقہ طور پر یزید کو جرم عظیم کا مرتکب قرار دیا اور بقول امام احمد بن حنبلؒ اسے مستحق لعن ٹھرایا۔

یہ واقعۂ کربلا ہی کے اثرات تھے کہ سب سے پہلے مدینۃ الرسول کے باشندوں نے یزید کی معزولی کا اعلان کیا اور اصحابِ رسول نے مدینہ کے گورنر عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو مدینہ سے نکال کر عبداللہ بن حنظلہ کو اسکی جگہ گورنر مقرر کیا۔ اسی طرح اہلِ مکّہ نے بھی واقعہ کربلا سے متاثر ہو کر یزید سے برہمی کا اعلان کیا۔ مکہ والوں کے جوش وخروش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبداللہ بن زبیر نے اپنی بیعت لینی شروع کردی اور یزیدی گورنر کو مکّہ سے مار بھگایا۔ مدینہ اور مکّہ کو اپنے قبضہ سے نکلتا ہوا دیکھ کر یزید نے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق مسلم بن عقبہ مری کو، جو اپنے ظلم وستم اور کثرت خونریزی کے باعث ''مُسرِف'' کہلاتا تھا، مدینۃ الرسول کی تاراجی کیلئے روانہ کیا۔ مسرف نے اہل مدینہ کا محاصرہ کیا۔ حرہ کے مقام پر فریقین میں گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں اہلِ مدینہ کی بہت بڑی تعداد میدان جنگ میں کام آئی اور انہیں شکست ہوئی، اس جنگ میں نوے افراد خاندانِ بنی ہاشم کے شہید ہوئے جن میں سے چند نام یہ ہیں: عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب، جعفر بن محمد بن علی بن ابیطالب، فضل بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب، حمزہ بن عبداللہ بن نوفل بن حارث

بن عبدالمطلب، عباس بن عتبہ بن عتبہ بن عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب وغیرہ[1] مُسرف فاتحانہ شان وشوکت سے شہر مدینہ میں داخل ہوا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تحریر کیا ہے کہ:

''مدینہ فتح ہوا۔ اور اس کے بعد یزید کے حکم کے مطابق تین دن کیلئے فوجکو اجازت دیدی گئی کہ شہر میں جو کچھ چاہے کرے۔ ان تین دنوں میں شہر کے اندر ہر طرف لوٹ مار کی گئی، شہر کے باشندوں کا قتل عام کیا گیا جس میں امام زہری کی روایت کے مطابق سات سو معززین اور دس ہزار کے قریب عوام مارے گئے۔ اور غضب یہ ہے کہ وحشی فوجیوں نے گھروں میں گھس گھس کر بے دریغ عورتوں کی عصمت دری کی۔ حافظ ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ'' حتیٰ قیل انہ حملت الف امرأة فی تلک الایام من غیر زوج، کہا جاتا ہے کہ ان دنوں میں ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں''۔[1]

(خلافت وملوکیت ص ۱۸۲)

مدینہ پر مکمل قبضہ حاصل کرنے اور مسلسل تین روز تک مدینۃ الرسول کو تاراج کرنیکے بعد مسرف نے لوگوں سے یزید کی غلامی کی بیعت لینا شروع کی۔ اس موقع پر حضرت علی زین العابدینؑ مدینہ میں نہ تھے۔ آپ محاصرہ سے پہلے ہی اپنے اہلبیت اور خاندانِ بنی ہاشم کو لیکر مدینہ کے قریب مقام ''منیع'' میں منتقل ہو گئے تھے جہاں آپ کی زرعی آراضی بھی تھی۔ امام زین العابدینؑ کو بلایا گیا۔ آپکے تشریف لانے سے پہلے مسلم بن عقبہ بہت غیظ وغضب میں تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد پر تبرا بھیج رہا تھا لیکن جب آپ تشریف لائے تو وہ تعظیم کیلئے کھڑا ہو گیا اور اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ اس وقت مسلم کے پاس جو لوگ قتل کیلئے لائے گئے ان کی آپ نے سفارش کی اور وہ چھوڑ دیے گئے۔ اسکے بعد آپؑ کو

---

[1] نور المشرقین من حیات الصادقین ص: ۹۹

عزت واحترام سے واپس کر دیا گیا۔ مسلم بن عقبہ سے لوگوں نے پوچھا کہ اس نوجوان کے آنے سے پہلے تو تُو اس کو اور اسکے اجداد کو برا بھلا کہہ رہا تھا لیکن انکے آنے کے بعد تُو نے اتنی عزت کی۔ مسلم نے کہا کہ انکے دیکھتے ہی میرے دل پر ان کا رعب چھا گیا۔ آپکے سامنے بیعت پیش کرنیکی نوبت ہی نہیں آئی۔ ۱

تاراجی مدینہ کے بعد مُسرف نے مکہ کا رخ کیا جہاں وہ بیمار ہو کر واصل جہنم ہوا۔ اسکے قائم مقام حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیر کو خانہ کعبہ سے نکالنے کے لئے بیت اللہ پر منجنیق کے ذریعہ سنگ باری اور آتش بارانی کی جس سے غلاف کعبہ آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ اسی دوران یزید بھی جہنم رسید ہوا۔

معاویہ بن یزید: یزید کے مرتے ہی شام میں اس کے بیٹے معاویہ کو مسند حکومت پر بٹھا دیا گیا مگر وہ اپنے باپ اور دادا کے کارناموں کے باعث حکومت سے متنفر تھا لہٰذا اس نے اپنے پہلے اور آخری خطبہ میں اعلان کیا، جیسا کہ حسن ابراہیم حسن مصری نے لکھا ہے کہ:

> "لوگو! میرے دادا امیر معاویہؓ نے اس شخص سے حریفانہ مقابلہ کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ان سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے، میرا اشارہ حضرت علیؑ کی طرف ہے۔ تم جانتے ہو انہوں نے سب کچھ تمہارے بل بوتے پر کیا تھا۔ وہ اپنی راہ گئے اور گناہوں کی گٹھڑی قبر میں ساتھ لے گئے ان کی موت کے بعد میرے باپ یزید نے خلافت حاصل کی حالانکہ وہ اس کا اہل نہ تھا، اس نے اپنی نفسانی خواہشات پر عمل کیا لیکن موت نے زیادہ دیر تک اس کا موقعہ نہ دیا اور وہ بھی اپنے گناہوں کی پوٹلی لے کر قبر میں پہنچ گیا"۔

کچھ دیر گریہ کرنے کے بعد اس نے مزید کہا کہ:

---

۱ اس واقعہ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: الطبری ج:۴ ص:۳۷۲ تا ۳۷۹، ابن الاثیر ج:۳ ص: ۳۱۰ تا ۳۱۳، البدایہ والنہایہ ج:۸ ص:۲۱۹ تا ۲۲۱ ۲ مروج الذہب ج:۳ ص:۱۸، نور المشرقین ص:۱۰۰

”ہمارے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ احساس ہے کہ ان کا
انجام بد ہے انہوں نے آنحضرتؐ کے خاندان کے لوگوں کو شہید کیا،
حرم میں قتل وخونریزی کی، کعبہ کی بے حرمتی کی اور اسے خراب کیا،
میں اس بارِ خلافت کا متحمل نہیں ہوسکتا، مشورہ کر کے کسی دوسرے کو
خلیفہ منتخب کرلو“ (مسلمانوں کا نظمِ مملکت ص: ۶۰)

معاویہ بن یزید خطبہ دینے کے بعد محل میں داخل ہوا، خاندان والے اس کے دشمن جانی ہوگئے اور اس کو زہر دیدیا۔ تین ماہ بعد اس کی لاش محل سے نکالی گئی۔ اس طرح سفیانی خاندان کی حکومت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔ یہ کتنی حیرت انگیز اور افسوس ناک بات ہے کہ یزید کے فسق وفجور اور انکار رسالت سے متعلق انتہائی واضح اور مصدقہ بیانات کی موجودگی اور اس کے اپنے بیٹے کے واضح اعلان کے باوجود مسلمانوں کا ایک طبقہ بضد ہے کہ یزید بن معاویہ کو رضی اللہ اور امیر المومنین جیسے القاب سے نوازہ جائے۔

مروانی حکومت: معاویہ بن یزید کی حکومت سے دستبرداری کے بعد مملکت کے مختلف علاقوں پر مختلف لوگ قابض ہوگئے۔ مصر وشام پر مروان نے قبضہ کیا، حجاز و یمن کی حکمرانی عبداللہ بن زبیر نے سنبھال لی، بصرہ کے گورنر عبیداللہ بن زیاد نے خودمختاری اختیار کرلی، کوفہ کے والی عمرو بن حریث الخزائی نے ابن زیاد کی حمایت میں تقریر کی اور اہل کوفہ کے ایک گروہ نے عمر ابن سعد کو امیر بنانا چاہا تو قبیلہ ہمدان، کہلان، ربیعہ اور نخع کی خواتین حضرت امام حسینؑ کا ماتم کرتی ہوئی جامع مسجد میں آئیں اور کہا کہ ”عمر ابن سعد، حسینؑ کو قتل کر کے راضی نہیں ہوا جواب ہم پر امیر بننا چاہتا ہے۔ انکی گریہ وزاری دیکھ کر لوگوں نے اپنا خیال ترک کردیا۔ اس ماتمی جلوس میں قبیلہ ہمدان کی خواتین سب سے نمایاں اور پیش پیش تھیں [1]

[1] مروج الذہب، مسعودی ص: ۱۱،

عبداللہ بن زبیر کو جب اہل کوفہ کے حالات کا علم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن مطیع العدوی کو کوفہ کا حاکم بنا کر بھیجا مگر مختار ثقفی نے اسے مار بھگایا اور خود نے کوفہ کا انتظام سنبھال لیا۔ الغرض ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔

مروان بن حکم: مروان نے پہلے تو عبداللہ بن زبیر کی دعوتِ بیعت قبول کرلی لیکن بعد میں ابن زیاد کے مشورے پر اپنے عہد سے پھر گیا اور جابیہ کے مقام پر اشدق عمرو بن سعید بن عاص سے ایک معاہدہ کیا لہٰذا اشدق کی حمایت سے وہ شام کا حکمران بن گیا۔ اقتدار ملنے کے بعد معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خالد بن یزید بن معاویہ اور اشدق کے بجائے اپنے دو بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو یکے بعد دیگرے اپنا جانشین مقرر کیا اور ان کے لئے بیعت حاصل کی۔ اس کے تین مہینے بعد ہی مروان کی موت واقع ہوگئی۔ اسکی موت کی بابت مورخین کا بیان ہے کہ نامزد جانشین خالد کو قابو میں رکھنے کیلئے مروان نے خالد کی ماں فاختہ بنت ابی ہشام بن عتبہ سے نکاح کرلیا تھا۔ اپنی معزولی پر جب خالد نے احتجاج کیا تو مروان نے اسے بہت ذلیل کیا۔ خالد نے اپنی ماں سے شکایت کی تو اس نے اپنی کنیزوں کی مدد سے مروان کا کام تمام کردیا۔

مروان کا باپ حکم بن عاص یوم فتح مکہ چاروناچار دائرۂ اسلام میں داخل ہوکر طلقاء کے گروہ میں شمار ہوا۔ اس نے بظاہر اسلام قبول کیا حالانکہ وہ درپردہ اسلام دشمن رہا۔ وہ مسلمانوں سے راز کی باتیں معلوم کرکے دشمنوں کو پہنچایا کرتا تھا۔ جب اسکی حرکتوں کا پردہ فاش ہوا تو اللہ کے رسولؐ نے اسے جلاوطن کردیا۔ وہ مدینہ سے طائف چلا گیا۔ کمسنی کے باعث مروان بھی باپ کے ساتھ ہی رہا۔ چونکہ حکم بن عاص حضرت عثمانؓ کا چچا تھا لہٰذا انہوں نے آنحضرتؐ سے اسکی واپسی کی سفارش کی جسے آنحضرتؐ نے مسترد کردیا۔ اس کے

بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں بھی حضرت عثمانؓ نے اسکی واپسی کی اجازت چاہی مگر ان دونوں صاحبوں نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ جس کو رسول اللہؐ نے خارج البلد کیا ہوا ہے ہم آنے کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں۔ مگر جب حضرت عثمانؓ خود حکمران بنے تو انہوں نے نہ صرف اسے مدینہ واپس بلایا بلکہ مروان کو اپنا میر منشی اور داماد بھی بنالیا۔ یہی وہ مروان ہے جو حضرت عثمانؓ کی افسوس ناک شہادت کا سبب بنا[1] حکم بن عاص کی بابت بی بی عائشہؓ سے روایت منقول ہے کہ ''البتہ مروان کے باپ پر رسول اللہؐ نے لعنت کی تھی جبکہ مروان ابھی اسکے صلب میں تھا''[2] علامہ جلال الدین سیوطی نے ذہبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ مروان کو خلیفہ نہ کہا جائے کیونکہ وہ باغی تھا، اس نے عبداللہ بن زبیر پر خروج کیا تھا[3]

عبدالملک بن مروان: مروان کی موت کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اس کی بابت مشہور ہے کہ وہ بڑا دیندار اور عبادت گذار تھا۔ ممکن ہے یہ درست ہو مگر تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ عبدالملک کو جب تک اقتدار نہیں ملا تھا وہ دین کی طرف راغب تھا۔ اقتدار ملنے کے بعد صورتحال یکسر بدل گئی تھی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ عبدالملک خلافت سے پہلے بڑا عابد و زاہد تھا۔ احمد بن عبداللہ عجلی کا بیان ہے کہ عبدالملک گندہ ذہن تھا وہ چھ ماہ میں پیدا ہوا۔ عبدالملک اُم دردہ کے پاس بیٹھا کرتا تھا ایک دن اُم دردہ صحابیہ نے کہا ''اے امیر المومنین! میں نے سنا ہے کہ تم جیسا عبادت گزار شراب نوشی کرتا ہے''۔ جواب دیا ''بخدا خون خواری بھی کرنے لگا ہوں''[4]

---

[1] تاریخ اسلام، شاہ معین الدین ندوی ج:۲ ص:۶۸، [2] خلافت وملوکیت ص:۱۵۱، [3] تاریخ الخلفاء ۲۲۳، [4] مروج الذہب ص: ۱۹،

حسن ابراہیم حسن مصری کا بیان ہے کہ ''عبدالملک بن مروان سب سے پہلا خلیفہ تھا جس نے جاہ و جبروت کے تمام لوازمات اختیار کئے''۔[۱]

بقول مسعودی عبدالملک کے مزاج میں تفاخر تھا وہ خوشامد پسند، سخت بخیل، قتل کرنے میں جری تھا۔ اسکے عمال بھی اسی جیسے تھے۔ حجاج بن یوسف عراق میں۔ مہلب خراسان میں۔ ہشام بن اسمٰعیل مدینہ میں تھا۔ ان کے علاوہ اور لوگ بھی ایسے ہی جابر و سفاک تھے مگر ان میں حجاج سب سے زیادہ ظالم، سفاک و بے رحم تھا۔[۲]

اس کی بابت مولانا مودودی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ عبدالملک بن مروان جب ۷۵ھ میں مدینہ گیا تو منبرِ رسولؐ پر کھڑے ہو کر اس نے اعلان کیا کہ ''میں اس امت کے امراض کا علاج تلوار کے سوا کسی اور چیز سے نہ کروں گا۔۔۔۔ اب اگر کسی نے مجھے اِتَّقِ اللہ کہا تو میں اس کی گردن ماردوں گا''۔[۳] لہٰذا اعلیٰ قابلیت رکھنے والے، ایماندار اور باضمیر لوگ حکومت سے بے تعلق ہو گئے۔ مولانا مودودی صاحب نے حجاج کی بابت عمر بن عبدالعزیز کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

> ''اگر دنیا کی تمام قومیں خباثت کا مقابلہ کریں اور اپنے اپنے سارے خبیث لے آئیں تو ہم تنہا حجاج کو پیش کر کے ان پر بازی لے جا سکتے ہیں''۔ (خلافت و ملوکیت ص: ۱۸۶)

جس زمانہ میں عبدالملک شام کا اور عبداللہ بن زبیر حجاز کے حکمران تھے اہلِ کوفہ اپنے سرداروں کی قیادت میں قاتلینِ حسینؑ سے بدلہ لینے کیلئے برسرِ پیکار تھے۔ ایک طرف مختار ثقفی قاتلینِ حسینؑ کو چن چن کر واصلِ جہنم کر رہے تھے تو دوسری طرف اہلِ کوفہ کی ایک جماعت اپنے پانچ سرداروں سلیمان بن صرد الخزاعی، مسیب بن نجبۃ الفزاری، عبداللہ بن سعد بن نفیل الازدی، عبداللہ بن

---

[۱] مسلمانوں کا نظم مملکت ص: ۶۱، [۲] مروج الذہب ص: ۱۹، [۳] خلافت و ملوکیت ص: ۱۶۶

والی التیمی اور رفاعہ بن شداد البجلی کی سربراہی میں شامیوں سے جنگ کیلئے نخیلہ کی فوجی چھاؤنی میں جمع تھے۔ اس قیام کے دوران عبداللہ بن الاحمر نے اشعار کہے ان میں سے چند یہ ہیں:

صحت وودعت الصبا والغوا اینا　وقولو الہ اذ قام یدعوا الی الهدا
وقلت لا صحابی اجیبوا المنادیا　وقبل الدعا لبیک لبیک داعیا

ترجمہ: میں مرض عشق سے صحت یاب ہوگیا اور میں نے جوانی کے شوق اور جوان خوبصورت عورتوں کو رخصت کر دیا اور اپنے دوستوں سے کہدیا کہ وہ پکارنے والے کی دعوت قبول کریں، اور جب کوئی امام ہدایت کیلئے دعوت دے تو وہ اس پر لبیک کہیں۔

الا وانع خیر الناس جدًا　حسینًا لاهل الدین ان کنت فاعیا

ترجمہ: اگر تو کسی کی خبر مرگ دینداروں کو سنانا چاہتا ہے تو حسینؑ کی خبر مرگ سنا جو اپنے نانا اور باپ کے اعتبار سے دنیا کے سب سے بہتر آدمی تھے۔

لبیک حسینًا مجرد زو غضاضة　عدیم و ایتامٌ تشگی الموالیا

ننگوں، بھوکوں، فقرا اور ان یتیموں کو جو اپنے بچھڑے بھائیوں کے ہاتھوں نالاں ہیں، سزاوار ہے کہ وہ حسینؑ پر گریہ کریں۔

فاضحی حسینٌ للرماح دریة　وغودر مسلو بالذی الطف ثادیا

اور حضرت امام حسینؑ نیزوں کا نشان بن گئے اور ان کے لباس اور اسلحہ کو اتار کر ان کو طف کے پاس پڑا رہنے دیا گیا۔

فیا لیتنی اذ ذاک کنت شهدیه　فضاربت عنه الشامتین الاعادیا

کاش میں ان کے ساتھ جنگ میں موجود ہوتا تو ان کی حمایت میں بدبخت دشمن پر خوب ہی شمشیر زنی کرتا۔

سقی الله قبراً ضمّن المجد و اُلتقیٰ بغربیة الطف الغمام الغوا دیا

ترجمہ: اللہ اس قبر کو جو شرافت اور تقویٰ کو آغوش میں لئے ہوئے
طف کے مغرب میں واقع ہے صبح بہار کے برسنے والے ابر سے
سیراب کرتا رہے۔

فیا امّة تاهت و ضلت سفا هة انیبوا فارضوا الواحد المتعا لیا

اے وہ قوم جو اپنی حماقت کی وجہ سے گمراہ اور سرگرداں ہوگئی تجھے
چاہئے کہ تو اللہ کی جانب رجوع کرے اور اسطرح اس یکتائے
بزرگ کو خوش کرے۔

جب یہ جماعت روانہ ہوئی تو اسی عبداللہ بن الاحمر نے یہ رجزیہ اشعار کہے:

خرجن یلمحن بنا ارسالا هو ائسا ً محملننا ابطالا
نرید ان نلقی بها الا قیالا القاسطین الغدر والضلا لا
وقد رفضنا الوُلد والاموالا والخافقات البیض الحجالا

نرضی به زا النعم المفضالا

ہم اس حال میں روانہ ہوئے کہ تیز رفتار گھوڑے ہم بہادروں کو بجلی
کی سرعت سے لے جارہے تھے، تا کہ ہم ان کے ذریعہ سے فریب
وگمراہی کے سرگروہوں کا مقابلہ کریں۔ ہم نے اپنے بے حد نعمت
بخشنے والے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنی اولاد، مال،
خوبصورت عورتوں اور عروسی پردوں کو خیر باد کہد یا ہے۔

اہل کوفہ کا یہ لشکر قرقیسیا ہوتا ہوا عین الوردہ پہنچا جہاں ابن زیاد تیس ہزار شامی فوج کے ساتھ مقابلہ کیلئے موجود تھا۔ فریقین میں گھمسان کی جنگ ہوئی سلیمان بن صرد الخزاعی نے بڑی جرات و بہادری کا مظاہرہ کیا۔ شامیوں کی ایک بڑی جماعت کو قتل کیا اپنے ساتھیوں کو مرنے مارنے کی ترغیب دیتے رہے

حتیٰ کہ خود بھی شہید ہو گئے۔ان کے بعد مسیّب بن نجبہ کی سربراہی میں یہ لوگ انتہائی بے جگری سے لڑتے رہے۔ایک شب شامی فوج کا ٹڈی دل رات کی تاریکی میں اس جماعت پر چھا گیا۔اس معرکہ میں مسیب شہید ہوئے عبداللہ بن سعد نے ان کی جگہ سنبھالی۔دورانِ جنگ خبر ملی کہ اہل بصرہ اور اہل مدائن کے پانچسو ں شہسواروں کی کمک پہنچنے والی ہے۔جب شامیوں نے دیکھا کہ قلیل تعداد ہونے کی باوجود اہل کوفہ پامردی سے لڑرہے ہیں اگران کی کمک پہنچ گئی تو مشکل ہو جائے گی لہٰذا مروانیوں نے صلح کی پیشکش کی۔صلح ہوگئی اور جنگ رک گئی۔ عین الوردہ کی یہ جنگ ۶۶ھ میں ہوئی تھی۔

مروانیوں نے اپنے بزرگوں کی تقلید کرتے ہوئے صلح کی خلاف ورزی کی اور عراق پر حملہ کرنے کیلئے ابن زیاد کی سربراہی میں شامی فوج روانہ کی۔ جس سے مختار بن ابوعبیدہ ثقفی کے عراقی سپہ سالار ابراہیم بن مالکِ اشتر نے موصل کے مقام پر مقابلہ کیا، زبردست جنگ ہوئی، فریقین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اس جنگ میں شامی فوج کے نامور سردار ابن مرجانہ عبیداللہ بن زیاد، حصین بن نمیر، شرجیل بن ذوالکلام، عبداللہ بن ایاس السلمی اور غالب الباہلی مارے گئے۔

عبداللہ بن زبیر: دوسری طرف عبداللہ بن زبیر نے ۶۷ھ میں اپنے بھائی مصعب والئی بصرہ کو مختار سے مقابلہ کیلئے کوفہ کی طرف روانہ کیا۔مقامِ حرورا میں دونوں فوجوں کے درمیان شدید معرکے ہوئے جن میں ہزاروں آدمی مارے گئے۔ بالآخر مختار اپنی جمیعت کے ساتھ سرکاری قصر میں قلعہ بند ہو گئے۔وہ ہر روز مصعب سے لڑنے کیلئے نکلتے اور جنگ کر کے واپس قصر میں آجاتے تھے۔ ایک دن دورانِ جنگ عبدالرحمٰن بن اسد نے انہیں قتل کر دیا اور سر قلم کر کے مصعب

کے پاس بھیج دیا۔ اس معرکہ میں عبید اللہ بن علیؑ بن ابیطالب بھی شہید ہوئے۔ مختار کے ہمراہیوں نے جنگ جاری رکھی۔ اُن سے تنگ آکر مصعب نے اُن سب کو امان دینے کا اعلان کیا مگر بعد میں سب کو قتل کرادیا۔ اس جنگ میں مصعب کے ہاتھوں قتل کئے جانے والوں کی تعداد کا شمار سات ہزار کیا گیا ہے۔ یہ سب کے سب انتقام خونِ حسینؑ کیلئے اٹھے تھے اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت امام حسینؑ کے قاتلوں کو جہنم رسید کیا تھا۔ امیر مختار نے ربیع الاول ۶۶ھ میں خروج کا آغاز کیا اور رمضان ۶۷ھ میں ان کو شہید کیا گیا۔

عبداللہ اور مصعب پسران زبیر نے نہ صرف مختار کے جنگجوؤں کو قتل کیا بلکہ کوفہ کے گردونواح کے بہت سے بیگناہ شیعوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حتیٰ کہ مختار کی بیواؤں کو مجبور کیا کہ وہ مختار سے اپنی برات کا اعلان کریں۔ دو بیوا وٗں کے علاوہ سب نے اظہارِ برآت کردیا۔ ان دونوں کا کہنا تھا کہ "ہم کیونکر ایسے شخص سے تبرّا کر سکتے ہیں جو اللہ کو اپنا رب کہتا تھا، دن میں روزہ رکھتا تھا، رات بھر نماز پڑھتا تھا۔ جس نے رسول اللہ صلعم کے نواسے، ان کے اہلبیت اور طرفداروں کا بدلہ لینے کی خاطر اور اللہ و رسولؐ کے لئے اپنی جان قربان کردی اور اللہ نے اُن کے دشمنوں کو اسکے قابو میں دیدیا جس سے سب کے دل ٹھنڈے ہو گئے"۔ مصعب نے ان دونوں کے حال سے عبداللہ بن زبیر کو آگاہ کیا جس نے حکم دیا کہ "اگر وہ مختار پر تبرّا نہ کریں تو قتل کردو"۔ مصعب نے حکم کی تعمیل کے لئے ان دونوں کو بلا کر کہا "یا تو مختار پر تبرا کرو یا پھر قتل کے لئے تیار ہو جاؤ"۔ مختار کی ایک بیوی ام الثابت بنتِ سمرہ بن جندب الفزاری نے مختار سے بے تعلقی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "اگر تلوار کے ذریعہ سے تم مجھے کفر کی دعوت بھی دیتے تو میں اسے قبول کرلیتی"۔ مگر دوسری بیوی جو نعمان بن بشیر انصاری کی پوتی تھی

اس نے کہا "جب شہادت مجھے مل رہی ہے تو نہیں ہوسکتا کہ میں اسے چھوڑ دوں، اس میں ہے کیا؟ ایک لحہ کی موت پھر سامنے جنت ہے اور رسول اللہؐ اور اہلبیت کی زیارت، یہ نہ ہوگا کہ میرا باپ ابن ابیطالب کو چھوڑ کر ابن ہند کے ساتھ ہو، میں بھی اپنے باپ کی اتباع کرتی ہوں اور اس بات کی شہادت دیتی ہوں کہ نبی اکرمؐ، انکے ابن عمؑ، اہلبیتؑ، اور ان کے طرفداران کی متبع ہوں"۔ یہ کہکر وہ آگے بڑھی اور بے کسی کی حالت میں قتل کردی گئی۔[1]

ولید بن عبدالملک: عبدالملک کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ولید حکمران ہوا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ ولید نہایت سخت گیر اور بے رحم تھا۔[2] علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ ابونعیم نے اپنی کتاب 'حلیہ' میں ابن شہر آشوب کے حوالے سے عمر بن عبدالعزیز کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ "ولید بن عبدالملک شام میں حجاج عراق میں، عثمان بن حبارہ حجاز میں، قرہ بن شریک مصر میں ظالم حاکم کار فرما ہیں اور پوری دنیا میں ظلم و ستم ہو رہا ہے"۔[3] حجاج کے ظلم و ستم کے تذکروں سے تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اور کیوں نہ ہو جس شخص کے دنیا میں وارد ہونے کے بعد سب سے پہلی غذا خون ہو اس سے خونریزی اور بربریت کے سوا کیا امید کیجا سکتی ہے۔ عبدالملک نے اس خونخوار درندے کو کوفہ کا والی مقرر کیا جس نے آلِ ابیطالب اور دیگر حامیانِ اہلِ بیت کا جس سفاکی و بے دردی سے خون بہایا اس سے تاریخ کے اوراق سرخ ہیں۔ اس کی خونخواری اس حد تک پہنچی کہ بقول مسعودی "عبدالملک نے حجاج کو لکھا کہ اب تو آلِ ابیطالب کا اور خون بہانے سے مجھے بچا کیونکہ اس کی وجہ سے سارے ملک میں آلِ حرب کی طرف سے بددلی اور نفرت پھل گئی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حجاج محض

---

[1] ماخوذ از مروج الذہب ص:۱۹ تا ۲۹، [2] مروج الذہب ص:۹۶، [3] تاریخ الخلفاء ص:۲۵۳

حکومت کے زوال کے خوف سے نہ کہ اللہ کے ڈر سے آل ابیطالب کے قتل سے بچتا رہتا تھا"۔[1]

سلیمان بن عبدالملک: ولید کی وفات کے بعد ۹۶ھ میں اس کا بھائی سلیمان تختِ حکومت پر بیٹھا۔ جس کی بابت حسن ابراہیم حسن مصری نے تحریر کیا ہے کہ "سلیمان کے دور کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ امراء بنی امیہ عیش و عشرت اور لہو ولعب میں سرمست تھے"۔[2] سلیمان کھانے کا بہت حریص تھا اس کی روزانہ خوراک ایک رتل عراقی تھی۔ وہ اپنی خوابگاہ میں مٹھائی کی ٹوکریاں رکھتا تھا جب آنکھ کھلتی وہ مٹھائی کھالیتا تھا۔ کتب تاریخ میں اس کے کھانے سے متعلق بہت سے واقعات مرقوم ہیں۔ اس کی مدتِ حکومت پونے تین سال تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ: سلیمان کی خفیہ وصیت کے مطابق اسکی موت کے بعد ۹۹ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم مسندِ حکومت پر بیٹھے۔ آپ نہایت دیندار، زاہد و عابد اور متواضع شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے اقتدار سنبھالتے ہی اپنے پیشرو حکمرانوں کے مقرر کردہ بنوامیہ کے تمام عمال کو برطرف کر کے ان کی جگہ بہتر سے بہتر اشخاص مقرر کیے۔ اُن کے تمام عمال بھی اُنھیں جیسے متقی و پرہیز گار تھے۔ اُس وقت تک نماز کے خطبے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر جو لعن بھیجی جاتی تھی آپ نے اسے موقوف کرایا۔ اُن کی بابت حسن ابراہیم حسن مصری نے نکلسن کا یہ قول نقل کیا ہے "وہ اس قرن عالمگیر مذہبی تاریکی اور گمراہی میں ایک نیّر درخشاں تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جبر و استبداد اور خونریزی کا دور دورہ تھا"۔[3]

بلاشبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز عادل و حق پسند انسان تھے۔ آپ نے اہلبیتِ رسول کے ساتھ نہ صرف حُسنِ سلوک کیا بلکہ ایک حد تک ان زیادتیوں کا

[1] مروج الذہب ص:۱۱۰، [2] مسلمانوں کا نظم مملکت ص:۶۲، [3] مسلمانوں کا نظم مملکت ص:۶۳

ازالہ کرنے کی کوشش بھی کی جو آپ کے پیشرو حکمرانوں نے خاندانِ رسالت پر روا رکھی ہوئی تھیں۔ فدک کی واپسی، حضرت علیؑ پر کیئے جانے والے سب وشتم کی بدعت کی موقوفی، اہلبیتِ رسول کے پامال شدہ حقوق کی بحالی وغیرہ جناب عمر بن عبدالعزیز کے ایسے کارنامے ہیں جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

بیشک ربِ کریم بڑا حکمت والا ہے، اُس نے وفاتِ رسول پاک صلعم کے بعد ایک صدی کے اندر ہی ایک ایسے عادل و منصف حکمران کو قائم فرمایا جس نے اپنے ہی قبیلے اور خاندان کے پیشرو حکمرانوں کے ظلم و استبداد کا پردہ چاک کر دیا اور اہلبیتِ رسول پر کی جانے والی ناانصافیوں کا ایک حد تک ازالہ کیا۔ اگر عمر بن عبدالعزیز حکمران نہ ہوتے تو بنی امیہ کے سفیانی و مروانی حکمرانوں کے پروردہ مورخین تاویلات کے ذریعہ ان کی ناانصافیوں کی پردہ پوشی اور اہلبیت رسول کی تذلیل و تحقیر میں زمین و آسمان ایک کر دیتے۔ خداوند عالم حضرت عمر بن عبدالعزیز کو جزائے خیر دے۔

مسعودی نے عمرو بن عبید کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "خلافت عمر بن عبدالعزیز کو بغیر کسی حق یا استحقاق کے ملی تھی مگر انہوں نے خلیفہ ہونے کے بعد اپنے عدل و انصاف سے اسے اپنا حق بنا لیا"۔ عمر بن عبدالعزیز کی موت پر فرزدق شاعر نے جو مرثیہ کہا تھا اُس کے چند اشعار یہ ہیں:

اقول لما لنی الناعون بی عمراً لقد نعیتم قوام الحق والدین

جب عمر کی موت کی خبر مجھے خبر مرگ دینے والے نے سنائی تو میں نے
اس سے کہا کہ تو نے دین اور صداقت کے ستون کی موت کی خبر دی ہے۔

قد غیّبوا الرامون الیوم اذرموا بدیر سمعان قسطاس الموازین

بلا شبہ دفن کرنیوالوں نے دیر سمعان میں میزان عدل کی ڈنڈی کو
سپردخاک کردیا۔

لم یلمیہ عمرہ عین یفجرھا ولا النخیل ولار کفن البراذین

ان کی تمام عمر نہ کسی چشمہ آب نے جسے وہ جاری کرتے ان کو اپنی
طرف مشغول کیا نہ کھجوروں اور گھوڑوں نے۔[1]

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کی بابت مولانا مودودی صاحب رقمطراز ہیں کہ ''خاندان بنی امیہ کے لوگوں کو یقین ہوگیا کہ عمر بن عبدالعزیز خاندانی بادشاہت کو ختم کر کے چھوڑیں گے لہٰذا انھیں زہر دیکر ہلاک کردیا گیا اور پھر وہی سب کچھ ہونے لگا جو پہلے سے ہوتا چلا آرہا تھا''۔[2] بنی امیہ کا حکمران طبقہ ظلم و زیادتی اور عیش و عشرت میں اس بری طرح مبتلا ہو چکا تھا کہ ان میں اپنے پرائے کی تمیز ختم ہوگئی تھی۔

یزید بن عبدالملک: عمر بن عبدالعزیز نے رجب ۱۰۱ھ میں وفات پائی جس کے بعد یزید بن عبدالملک جو یزید بن معاویہ بن ابوسفیان کا نواسہ تھا، تختِ حکومت پر بیٹھا۔ اس کی بابت حسن ابراہیم حسن مصری نے لکھا ہے کہ ''یزید لہو و لعب اور عورتوں کے ساتھ دلچسپی لینے میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا''۔[3] یزید اپنی ایک زرخرید لونڈی 'سلامہ' پر فریفتہ تھا۔ اسکے علاوہ حبابہ نامی ایک اور لونڈی پر عرصہ دراز سے عاشق تھا۔ یزید کی دادی ام سعید عثمانیہ کو سلامہ کا یزید پر اثر پسند نہ تھا لہٰذا اس نے یزید اور سلامہ میں اختلاف پیدا کرنے کیلیے یہ چال چلی کہ حبابہ کو خرید کر یزید کے حوالے کردیا اور سلامہ کو خود نے لے لیا۔ یزید ہر وقت محل میں رہتا اور حبابہ کی آغوش میں شراب خوری اور عیش و نشاط میں مصروف رہتا۔ اس

---

[1] مروج الذہب ص: ۱۳۹ [2] خلافت وملوکیت ص: ۱۹۱ [3] مسلمانوں کا نظم مملکت ص: ۶۴

کو ملکی معاملات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جب حبابہ بیمار ہو کر مر گئی تو کئی روز تک اسکی میت کو دفن نہیں ہونے دیا اور خود میت کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔ جب لاش سے بدبو پھیلی تو خاندان والوں کے اصرار پر لاش کو دفن کرایا۔ اس کے چند دن بعد وہ خود بھی مر گیا۔ شعراء نے اس کے عشق سے متعلق اشعار کہے۔

ہشام بن عبدالملک : یزید کی موت کے بعد ۱۰۵ھ میں ہشام بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اسکی بابت مسعودی نے لکھا ہے کہ "ہشام احول تھا۔ نہایت سخت مزاج، کھرّا، روکھا اور بخیل تھا۔ روپیہ جمع کرنے، زمینوں کو آباد کرنے اور گھوڑے جمع کرنے کا شوق تھا"[۱] ہر شخص اسکے نقش قدم پر چلنے لگا، کنجوسی عام ہو گئی، لوگ دولت جمع کرنے کی دھن میں لگ گئے جس کے باعث جود وسخا عنقا ہو گئی۔ ہشام کی ماں عائشہ بنت ہشام بن اسمٰعیل مخزومیہ بالکل پاگل عورت تھی۔ وہ گاؤتکیوں کو دہرا کر دیتی اور ان پر سوار ہو کر بچوں کی طرح ہنکاتی گویا کوئی سواری ہے۔ وہ لوبان چبا کر اس سے مورتیاں بناتی اور ہر مورت کا نام اپنی لونڈیوں کے نام پر رکھ کر ان ناموں سے پکارتی تھی۔ ماں کی نسبت سے لوگ ہشام کو "ابن الحمقا" کہتے تھے۔[۲] اسی بادشاہ کے دور حکومت میں حضرت زید شہیدؒ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تحت جہاد بالسیف کیا اور شہادت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوئے۔

ولید بن یزید بن عبدالملک: اسے ولید ثانی بھی کہتے ہیں۔ ہشام کی وفات والے روز ہی ۱۲۵ھ میں حکمران ہوا۔ اور کل ایک سال دو ماہ بعد ہی قتل کر دیا گیا۔ اس کی ماں ام الحجاج بنت محمد بن یوسف ثقفیہ تھی۔ ولید کی شراب خوری اور بدمستیوں کی شہرت تو اس کے زمانہ ولیعہدی سے ہی مشہور تھی جو تاریخ کی کتابوں کی زینت ہیں ہم یہاں مختصراً اس کا تعارف پیش کر رہے ہیں۔

---

[۱] مروج الذہب ص:۵۲، [۲] تاریخ طبری ج:۶ ص:۱۱۹،

مسعودی کا بیان ہے کہ:

''ولید نہایت شرابی، عیاش، فاسق و فاجر اور گانے کا دلدادہ تھا، سب سے پہلے اُسی نے تمام شہروں کے مشہور گویّے بلا کر اپنے پاس جمع کئے۔ رندوں کی صحبت میں بیٹھ کر شراب پیتا، اور اُس کی صحبت میں افعال قبیحہ اور فحش باتیں ہوتیں۔۔۔اس کے پاس رنڈیاں بھی تھیں۔ یہ سخت بدکار، زانی اور بیہودہ تھا'' (مروج الذہب ص:۱۶۰)

اسی ولید کی بابت طبری نے لکھا ہے کہ:

''اس کے ولیعہدی کے زمانہ میں ہشام نے اسے ۱۱۶ھ میں امیر حج مقرر کیا تو یہ اپنے ہمراہ صندوقوں میں کتے بھی لے گیا۔ ایک صندوق جس میں کتا تھا الٹ پھیر سے گر پڑا، ولید کے خادموں نے اُونٹ والے کو کوڑوں سے سخت مار ماری۔ نیز ولید اپنے ہمراہ کعبہ کے برابر ایک شامیانہ بنوا کر بھی لے گیا تھا، شراب بھی اسکے ساتھ تھی اور ارادہ یہ تھا کہ کعبہ پر شامیانہ نصب کر کے اُس میں محفل گرم ہو، مگر اس ارادہ سے اُس کے ہمراہیوں نے ڈر کر اُسے باز رکھا''

(تاریخ طبری ج:۶ ص:۳۱۴)

طبری نے اس کی بابت مزید لکھا ہے کہ:

''شراب ونشاط میں مست رہتا تھا۔ ہشام نے ایک مرتبہ اُسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ آیا تم مذہبِ اسلام پر بھی ہو یا نہیں، کوئی برائی ایسی نہیں جسے تم نہایت ڈھٹائی سے علانیہ نہ کرتے ہو، ولید نے جواب میں یہ دو شعر لکھ بھیجے:

یا ایّھا السایل عن دیننا نحن علی دین ابی شاکر

نشربھا صرنادممزوجة بالسخن احیانا و بالفاتر

ترجمہ: جو شخص ہمارے مذہب کو پوچھتا ہے اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ ہم ابوشاکر کے مذہب پر ہیں۔ ہم نری شراب پیتے ہیں اور کبھی

کبھی اُس میں گرم یا نیم گرم پانی ملا کر پیتے ہیں۔ (ابوشاکر مسلمہ بن ہشام کی کنیت تھی) (تاریخ طبری ج:٦ ص:٣١٥)

اسی ولید بن یزید کی بابت مولانا مناظر احسن کیلانی نے تحریر کیا ہے کہ" ہشام کے بعد ولید نامی خلیفہ گدی پر جو بیٹھا تو گو حکومت کرنے کا موقعہ ایک سال دو مہینے بائیس دن سے زیادہ اس کو نہیں ملا لیکن اس وقت کو بھی اس نے صرف گانے بجانے اور شراب خواری میں ختم کر دیا۔ بدمستی کا اس کے یہ حال تھا کہ قوّال نے ایک غزل سُنائی جس سے اتنا مسرور ہوا کہ قوّال سے لپٹ پڑا اور اس کے ہر ہر عضو کو چومنا شروع کیا تا اینکہ شرمگاہ کے چومنے پر بھی مصر ہوا قوال بے چارہ ران میں چھپائے چلا جاتا تھا اور وہ تھا کہ اصرار کر رہا تھا کہ ضرور چوموں گا۔ نشہ ہی میں ایک دن قرآن کھول بیٹھا آیت نکلی:

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝

مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ (سورۃ ابراہیم آیت:١٥)

یعنی انھوں نے دروازے کھولنے کی خواہش کی اور ہر ظالم سرکش محروم رہا اس کے پیچھے جہنم ہے اور اُسے گرم پانی پلایا جاتا ہے۔ اس کو خیال گذرا کہ یہ اشارہ قرآن کا میری طرف ہے اسی وقت قرآن کو لٹکا کر تیروں سے چاند ماری (العیاذ باللہ) شروع کردی۔ تیر پر تیر چلاتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔

اتوعد كل جبار عنيد فها انا ذاك جبار عنيد
اذا ما جئت ربك يوم حشر فقل يا رب خرقني الوليد

ترجمہ: اے قرآن تو زبردستی کرنے والے کینہ پرور کو دھمکاتا ہے،
تو لے میں وہی زبردستی کرنے والا کینہ پرور ہوں، قیامت کے دن
اپنے خدا کے پاس جب تو جائے تو کہہ دینا کہ ولید نے مجھے
پھاڑ دیا۔ ظاہر ہے یہ سارا تماشا اُم الخبائث کا تھا[1]

[1] امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص:٦٧١، مروج الذہب ص:١٦٣

ملاحظہ فرمایا، یہ ہیں خلیفۃ المسلمین جنکی بداعمالیوں کو جاننے اور ماننے کے باوجود انہیں خلیفہ تسلیم کرنے، کہنے اور کہلوانے پر اصرار ہے۔ اسی بدمست مردود حکمران کے دورِ حکومت میں جنابِ یحیٰ بن حضرت زید شہیدؒ کا زندہ رہنا دشوار کر دیا گیا تھا۔ آپ شہر بہ شہر پھرتے رہے اور بالآخر شہرِ جوزجان کے ارغونہ نامی ایک گاؤں میں جنگ ہوئی جس میں آپکو شہید کر دیا گیا۔

حضرت زید شہیدؒ

ولادت با سعادت: حضرت زید شہیدؒ کی صحیح تاریخِ ولادت کا علم نہ ہونے کے باعث عام طور پر علماء و مورخین نے اس کے بیان سے اجتناب برتا ہے۔ جن حضرات نے آپ کا سنِ ولادت لکھا ہے ان کی دو آراء مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک رائے اُن روایات پر مبنی ہے جن میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی مادرِ گرامی کو جناب امیر مختار نے امام علی زین العابدینؑ کی خدمت میں ہدیہ کیا تھا، اس مناسبت سے کسی نے آپ کا سن ولادت ۶۶ھ، کسی نے ۶۷ھ اور کسی نے ۶۸ھ تحریر کیا ہے۔ جبکہ دوسری رائے اُن تاریخی بیانات کے تحت قائم کی گئی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ بوقتِ شہادت حضرت زید شہیدؒ کی عمرِ مبارک بیالیس سال تھی۔ چونکہ علماء و مورخین کا یہ متفقہ و مصدقہ فیصلہ ہے کہ آپ کی شہادت ۲؍صفر ۱۲۲ھ میں ہوئی تھی، اس اعتبار سے آپ کا سنِ ولادت ۸۰ھ قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ دونوں نظریات کے دلائل اپنی اپنی جگہ اہم ہیں لہٰذا ہمیں ہر دو نظریات کو تاریخی واقعات و پیش آمدہ حالات کی روشنی میں جانچ کر صحیح صورتحال کا تعین کرنا ہوگا۔ اس ضمن میں علماء و مورخین کے بیانات کے چند اقتباسات پیش ہیں:

جناب ظفریاب ترمذی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

> "آپ (حضرت زید شہید) ۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت امام زین العابدین کی شہادت کے وقت آپ ستائیس سال کے تھے"

(تاریخ انوار السادات ص: ۵۳۵)

علامہ سبط ابن جوزی کا بیان ہے کہ:

''وقت شہادت زید کی عمر ۴۲ سال تھی۔ زید اہل مدینہ کے تابعین کے طبقہ ثالثہ میں سے تھے''۔ (تذکرۃ الخواص ص: ۱۶)

جناب ظفر زیدی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

''۸۰ھ میں حضرت حورایا حوریہ کے بطن سے حضرت زید (شہید) پیدا ہوئے۔ (زید الشہید ص: ۱۹)

جناب مولانا محمد عباس قمر زیدی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''حضرت زید بن علی ابن الحسین ابن علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی ولادت باسعادت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے بیت الشرف واقع مدینہ منورہ میں ۶۶ھ اور بعض روایات کے اعتبار سے ۶۷ھ میں بعد طلوع فجر ہوئی۔ جسکی تصدیق جناب مختار علیہ الرحمہ کے والدۂ زید شہید کے خدمت امام زین العابدین علیہ السلام میں ارسال کرنیوالی اکثر احادیث سے ہوتی ہے جو اکثر کتب میں تحریر ہیں۔ ان کتابوں میں جناب مختار کا قتل ۶۸ھ میں تحریر کیا گیا ہے جو معتبر ہے''۔ (زید شہید بطل رشید ص: ۳۵)

جناب قمر زیدی صاحب نے دیگر کتب میں مرقومہ سن ہائے ولادت کو تحقیقی اعتبار سے ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''علاوہ ازیں بعض کتب مثلاً 'تقریب تہذیب' اور 'حدائق الوردیہ' شرح صحیفہ سید علی خاں اور 'روض النضیر' شرح مجموع الفقہ الاکبر صفحہ: ۵۲ جلد: ۱ طبع مصر ۱۳۱۷ھ اور 'مقتل حسین' از خوارزمی جلد: ۲ فصل: ۱۲ میں ۶۵ھ یا جس قدر اور دوسرے سال تحریر کئے گئے ہیں وہ تحقیقی اعتبار سے ضعیف ہیں''۔ (ایضاً)

جناب ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''(زید شہید) جو ۸۰ھ، ۶۹۹ء میں ایک سندھی خاتون جیدہ

(حوریہ) کے بطن سے علی بن الحسین کے صاحبزادے تھے"۔

(سادات باہرہ تاریخ کے مدوجزر میں ص: ۱۳)

ڈاکٹر صاحب موصوف نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:

"حضرت زید شہید کا سن، شہادت کے وقت تقریباً بیالیس سال تھا"۔ (سادات باہرہ تاریخ کے مدوجزر میں ص:۱۹)

جناب سید روشن علی صاحب کا بیان ہے کہ:

"وہ زمانہ سلطنت بنی امیہ کا تھا۔ اُن کے جور وستم سے سب سادات آوارہ وطن اور متفرق ہو گئے تھے۔ بحالت لاچاری ومجبوری سید زید شہید خلف امام زین العابدینؑ نے خروج کیا۔ ہمراہیان غیر اقوام نے باغوائے بنی امیہ رفاقت ان کی چھوڑی۔ زید شہید مثل حضرت مسلم بن عقیل تنہا شجاعت کر کے ۱۲۲ھ میں شہید ہوئے"۔

(سید التاریخ ص: ۶۸)

جناب مولانا سید نجم الحسن کراروی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"آپ (امام زین العابدینؑ) کی اولاد میں حضرت امام باقر علیہ السلام کے بعد سب سے زیادہ نمایاں حیثیت جناب زید شہید کی ہے۔ آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے"۔ (چودہ ستارے ص: ۳۰۸)

جناب شیخ محمد عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"شیخ مفید فرمودہ کہ چون خبر شہادت زید بحضرت صادق علیہ السلام رسید سخت غمگین ومحزون گشت بحدیکہ آثار حزن برآں حضرت ظاہر شد۔۔۔۔۔۔ وشہادت او در روز دوم صفر سال صد وبیستم واقع شد ومدت عمر ش چہل ودو سال بودہ"۔ (منتھی الآمال ج:۲ ص:۶۱)

ترجمہ: شیخ مفید علیہ رحمہ نے فرمایا کہ جب حضرت زید شہیدؒ کی خبر شہادت حضرت امام جعفر صادقؑ کو ملی آپ سخت رنجیدہ و غمگین ہوئے یہانتک کہ آپ کے چہرے سے افسوس کے آثار نمایاں

ہوئے۔۔اور اُن کی شہادت ۲؍صفر ۱۲۲ھ کو واقع ہوئی، اس وقت آپ کی عمر مبارک بیالیس سال تھی۔

مندرجہ بالا بیانات میں علماء و مورخین نے آپ کی ولادت کی بابت دو مختلف ادوار کا تعین کیا ہے۔ پہلا دور ۶۵ھ تا ۶۸ھ کا ہے جس کا تعین، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا، جناب مختار کا جناب حوراء کو حضرت امام علی زین العابدینؑ کی خدمت میں ہدیہ کرنے کے واقعہ کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ جبکہ دوسرے دور یعنی ۸۰ھ کا تعین کرنے والوں کے پیشِ نظر حضرت زید شہیدؒ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر مبارک رہی ہے۔ علماء و مورخینِ کثیر کا متفقہ فیصلہ ہے کہ آپ کی شہادت ۲؍ صفر ۱۲۲ھ کو ہوئی۔ لیکن بعض حضرات نے آپ کی شہادت ۱۲۱ھ میں بھی لکھی ہے، جیسا کہ طبری کا بیان ہے کہ "واقدی نے حضرت زید کی شہادت ۱۲۱ھ میں بتائی جبکہ ہشام بن محمد نے بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ ماہِ صفر ۱۲۲ھ میں پیش آیا"۔ ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ:

"حدثنا علی بن الحسین قال حدثنی احمدبن سعید قال حدثنا یحییٰ بن الحسن بن جعفر قال قتل زید بن علی علیه السلام یوم الجمعة فی صفر سنة احدی و عشرین و مائة". (مقاتل الطالبین ص ۹۸)

ترجمہ:۔۔۔۔یحیٰ بن حسن بن جعفر نے بیان کیا ہے کہ زید بن علی علیہ السلام صفر ۱۲۱ھ میں بروز جمعہ قتل کیے گئے۔

ہمارے خیال میں چونکہ آپ کی تحریکِ جہاد کا آغاز ۱۲۱ھ میں ہوا تھا لہٰذا عین ممکن ہے کہ اسی سبب یہ سن تحریر کیا گیا ہو۔

مندرجہ بالا بیانات اور پیش آمدہ حالات و واقعات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حضرت زید شہیدؒ کی ولادت کی بابت پہلی رائے جس بنیاد پر قائم کی گئی یعنی

ابوحمزہ ثمالی کی وہ روایت جس میں امام علی زین العابدینؑ نے جناب حوراء کی آمد اور جنابِ زید کی ولادتؑ کے بارے میں ارشادفرمایا تھا اس میں کسی بھی ماہ وسال کا ذکر نہیں ہے۔اس رائے کے حامیوں نے صرف اس بناء پر یہ سن تحریر کیئے کہ جناب مختار کو ٦٧ھ میں قتل کیا گیا تھا لہٰذا لکھنے والوں نے اپنے اپنے طور پر یہ سَن متعین کر لئے۔ جبکہ دوسری رائے زیادہ قوی ہے بہ نسبت پہلی رائے کے کیونکہ اس میں آپ کی عمر مبارک اور سن شہادت دونوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ پس ماننا پڑے گا کہ آپ کی ولادت ٨٠ھ مطابق ٦٩٩ء بروز جمعہ بوقتِ فجر مدینہ منورہ میں ہوئی اور آپ کی شہادت ٢/ صفر ١٢٢ھ مطابق ٧٤٠ء شبِ جمعہ کوفہ میں واقع ہوئی۔

نام لقب وکنیت: آپ کا نام زید تھا۔ یہ نام آپ کی ولادت سے بہت پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا تھا جو درجِ ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے:

ابنِ عساکر نے حضرت حذیفہ یمانیؓ سے روایت بیان کی ہے کہ:

" نظر النبیؐ الی زید بن حارثه فقال المظلوم من اهلبیتی سمع هٰذا والمقتول فی الله والمصلوب سمی هٰذا و اشار الی زید بن حارثه ثم قال اذن منیٰ یا زید زادکَ الله حباً عندی فانت سمی الحبیب من ولدی"(تہذیب تاریخ الشام ج:٢ ص:١٨، روض النضیر ج:١ص:٥٨)

ترجمہ: ایک مرتبہ حضور سرورِ کائنات نے زید بن حارثہ کی جانب نظر فرمائی اور کہا کہ میں اپنی امت کے درمیان اپنے اہلبیتؑ میں سے ایک مظلوم وستم رسیدہ کو راہِ خدا میں مقتول اور سولی پر لٹکا ہوا دیکھ رہا ہوں جو اس کا ہمنام ہے، آپ نے دستِ مبارک سے زید بن حارثہ کی جانب اشارہ کیا اور پھر آپ نے زید سے فرمایا کہ میرے قریب

آ، اے زید! مجھے تیرے نام کی وجہ سے تجھ سے زیادہ محبت ہے کہ تو میرے اہلبیت میں سے میرے محبوب شخص کے ہمنام ہے۔ (یعنی زید بن علیؑ بن الحسینؑ سے)۔ (بحارالانوار ج:٦ ص:٢٢٤)

دوسری حدیث جو بزرگ صحابیٔ رسول حضرت ابوذر غفاریؓ سے منقول ہے اور جسے ''الحدائق الوردیہ'' کے حوالے سے جناب عبدالرزاق الموسوی نے تحریر کیا ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ بیان فرماتے ہیں کہ:

''قد دخل علی النبیؐ فراه یبکی فرق له و ساله عما ابکاه فاخبرهٔ بان جبرئیلؑ هبط علیه و اخبرهٔ ان ولده الحسینؑ یولد له ابن یسمیٰ علیاً و یعرف فی السّماء زین العابدین و یولد لهٔ ابن یسمّی زید یقتل شهیداً ''

(زید شہید ص: ۹ مطبوعہ نجف اشرف)

ترجمہ: میں ایک مرتبہ خدمتِ اقدس نبی کریمؐ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضور گریہ فرما رہے ہیں۔ سبب دریافت کیا تو حضور نے فرمایا کہ جبرئیل امین نازل ہوئے اور مجھے یہ خبر دی ہے کہ آپ کے فرزند حسینؑ کے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا نام علی ہوگا اور اہل آسمان اس کو زین العابدین کے نام سے پہچانیں گے، ان کے ایک فرزند ہوگا جس کا نام زید ہوگا۔ اسے قتل کر کے شہید کیا جائیگا۔

(بطل رشید زید شہید ص:٦٤)

مندرجہ بالا دونوں احادیث سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ رسول اللہؐ نے ہدایتِ خداوندی کے مطابق آپ کا نام زید رکھا اور صرف یہی نہیں بلکہ حضرت زید کو مظلوم و مقتول و مصلوب قرار دے کر ان واقعات کی بھی پیشنگوئی فرمائی جو ۱۲۲ھ میں پیش آنے والے تھے۔ نیز آنحضرتؐ نے جناب زید شہیدؒ سے اپنی الفت و محبت کا اظہار بھی فرمایا۔

حضرت زید شہیدؒ کی ولادت کے وقت آپ کے پدر بزرگوار نے قولِ رسولِ مقبول اور قرآنِ حکیم کے فیصلے کے مطابق آپ کا نام زید ہی رکھا جس کی بابت اصحابِ امیر المؤمنین سے ایک روایت مختلف کتب میں اسطرح منقول ہے

"قال کنت علی ابن الحسینؑ و کان اذصلی الفجر لم یتکلم حتیٰ تطلع الشمس فجاۂ یوم ولد فیه زید فبشروہ بہٖ بعد صلاۃ الفجر فالتفت الی اصحابه فقال ای شی ترون ان اسمی ھٰذا المولود فقال کل رجل سمۂ کذا فقال یا غلام علی بالمصحف فجاؤا بالمصحف فوضعه فی حجرۃ ثم فتحةفنظر الیٰ اول حرف فی الورقة فاذا فیه "و فضل الله المجاھدین علی القائدین اجراً عظیما " ثم فتحة ثانیاً فنظر فاذا اول الورقه " و انّ الله اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و اموالھم بانّ لھم الجنة یقاتلون فی سبیل الله فیقتلون و یقتلون وعداً حقاً فی التوراۃ و الانجیل والقرآن و من اوفی بعدہ من اوفی بعدہ من الله فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہٖ و ذالک ھوالفوزالعظیم " ثم قال ھُوَ والله زید ھو و الله زید فسمّی زید ".

(ناسخ التواریخ جلد دوئم' ذکر تولد زید شہید)

ترجمہ: حضرت امام علی زین العابدینؑ نماز صبح کے بعد سورج طلوع ہونے تک (عبادت میں مشغول ہونے کے باعث) کسی سے گفتگو نہیں فرمایا کرتے تھے لیکن جس دن زید کی ولادت ہوئی اور آپ کو بعد نماز فجر جب خوشخبری دی گئی تو آپ اصحاب کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ بتاؤ اس مولود کا کیا نام رکھا جائے؟ ہر ایک نے

اپنی اپنی جانب سے نام تجویز کئے مگر آپ نے ایک غلام سے قرآنِ کریم منگوا کر کھولا تو پہلے ورق کی ابتدائی سطر پر یہ آیت مرقوم تھی "و فضل الله.........اجراً عظیما" [1] (یعنی خداوند عالم نے غازیوں کو خانہ نشینوں پر عظیم ثواب کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہے) آپ نے قرآن کریم کو بند کر کے دوبارہ کھولا تو پہلے ورق کی سطر اول پر یہ آیت تھی "ان اللہ اشتریٰ....... ھو الفوز العظیم" [2] (یعنی خداوند عالم نے ان مؤمنین کے جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ یہ مؤمنین راہِ خدا میں قتال کرتے ہوئے دشمنان خدا کو قتل کرتے ہیں یا خود قتل ہو جاتے ہیں اور یہ وعدہ ہے جو خدا نے حق کے ساتھ توریت میں، انجیل میں اور قرآن میں فرمایا ہے۔ وہ کون ہے جو اللہ سے بہتر اپنے عہد کو پورا کرے) پس امام زین العابدینؑ نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم یہ زید ہے میں نے اس مولود کا نام زید رکھ دیا۔ (یہی کچھ بحار الانوار ج:۶ ص:۲۲۳، بطل رشید زید شہید ص:۶۷ میں درج ہے)

مفاتیح الغیب میں علامہ باقر مجلسیؒ کے بیان کا ترجمہ قمر زیدی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

"چونکہ حضرت امام زین العابدینؑ جانتے تھے کہ آپ کے فرزندوں میں سے ایک فرزند کا نام زید ہوگا جو جہاد میں جام شہادت نوش کریگا۔ اوران آیاتِ شریفہ میں جو استخارہ ظاہری ان کی شہادت و جہاد کی جانب واضح تھا اس بنا پر آپ نے اس بچہ کا نام زید رکھا"۔
(بطل رشید زید شہید ص:۶۸)

---

[1] سورۂ النسآء آیت:۹۵، [2] سورۂ توبہ آیت : ۱۱۱

جملہ مورخین نے متفقہ طور پر بیان کیا ہے کہ حضرت زید شہیدؒ کی کنیت 'ابوالحسین' تھی جو آپ کے فرزند حسین ذوالدمعہ کی نسبت سے مشہور ہوئی۔ آپ کا مشہور ترین لقب 'حلیف القرآن' تھا جو آپ کی پیوستگی و مشغولیت تلاوت قرآن مجید اور غور و خوض کلامِ الٰہی کے سبب تھا۔ نیز کثرت عبادت کے باعث آپ کو 'ستونِ مسجد' بھی کہا جاتا تھا۔

آپ کی بابت شیخ محمد عباس قمی نے تحریر کیا ہے کہ

''سید اجل سید علی خاں در شرح صحیفہ فرمودہ کہ زید بن علی بن الحسینؑ را ابوالحسین کنیت بود و مادرش ام ولد مناقبش (اکثر مما تحصر ویعد) وآں سید والانسب موصوف تحلیف القرآن بودی چہ ہیچگاہ از قرات کلام مجید بر کنار نبودی''۔ (منتہی الامال ج: ۲ ص: ۵۷)

ترجمہ: سید اجل سید علی خاں نے شرح صحیفہ میں فرمایا ہے کہ زید بن علی بن حسینؑ کی کنیت ابوالحسین تھی، آپ کی مادر گرامی اُمِ ولد تھیں، چونکہ آپ قرات قرآنِ مجید میں ہمہ وقت منہمک رہتے تھے اس لئے 'حلیف القرآن' مشہور تھے۔

سلسلۂ نسب: حضرت زید شہیدؒ گلدستۂ امامت کے گل چہارم حضرت علی زین العابدین علیہ السلام کے فرزند تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب زید بن علی بن حسین بن علی بن ابیطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم علیہم السلام ہے۔ خانوادۂ بنی ہاشم کی بابت اللہ کے رسولؐ کا ارشاد گرامی ہی کہ:

''ان اللہ عزوجل خلق الخلق فاختار من الخلق بنی آدم و اختار من بنی آدم العرب و اختار من العرب مضر و اختار من مضر قریشا و اختار من قریش بنی ھاشم و اختار نی من بنی ھاشم'' (تاریخ ابوالفدا ج: ۱ ص: ۱۹۸)

ترجمہ: اللہ عزوجل نے خلق کو پیدا کیا تو بنی آدم کو سب مخلوقات پر فضیلت دی اور باقی بنی آدم پر عرب کو ترجیح دی اور عرب سے مضر کو

چن لیا اور مضر سے قریش کو چھانٹا اور قریش سے بنی ہاشم کو ممتاز کیا اور بنی ہاشم میں سے مجھے برگزیدہ کیا۔

مندرجہ بالا قولِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ظاہر ہوا کہ اللہ جلشانہٗ نے بنی آدم کی تقسیم کرتے ہوئے جملہ بنی نوانسان پر بنی ہاشم کو فضیلت دی اور افراد بنی ہاشم میں رسالتمآب کو برگزیدہ فرمایا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آلِ محمدؐ حسب ونسب کے اعتبار سے دنیا کی تمام اقوام وقبائل اور خاندانوں میں افضل ترین و معزز ترین ہیں۔ اس خاندان کے بزرگان اپنی شرافت ونجابت، علم وفضل، زہدو تقویٰ، شجاعت وجوانمردی اور تزکیہ نفس کے باعث ملتِ مسلمہ میں ممتاز ترین مقام پر فائز رہے ہیں۔

حضرت زید شہید علیہ رحمہ عرب کے اسی ممتاز ترین وبرگزیدہ خاندان یعنی قبیلہ بنی ہاشم کے چشم وچراغ تھے۔ آپ کے پردادا امام اول حضرت علی علیہ السلام، آپ کے دادا سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام، آپ کے پدر بزرگوار بیمارِ کربلا واسیرِ بلا حضرت علی زین العابدین علیہ السلام ہیں۔ آپ کے پردادا حضرت علیؑ کون؟ وہ علیؑ جن کے جد سید البطحا جناب عبدالمطلب، جن کے پدر محترم مومنِ قریش جناب ابوطالب جن کے عمِ محترم شہید بدر حضرت حمزہؑ، جن کے فرزندان سردار جوانانِ جنت حضرت حسن وحسین علیہم السلام۔ وہ علیؑ جنھوں نے آغوش رسول میں آنکھ کھولی اور درسگاہِ مصطفوی سے تعلیم وتربیت پائی۔ وہ علیؑ جن کی ولادت کعبہ میں اور شہادت مسجد میں ہوئی۔ وہ علیؑ جو اللہ کے ولی بھی ہیں اور محمد کے وصی بھی۔ وہ علیؑ جن کا ذکر بھی عبادت اور جن کے چہرہ پر نظر کرنا بھی عبادت۔ وہ علیؑ جو حیدر کرار بھی ہیں اور غیر فرار بھی۔ وہ علیؑ جو نفس رسول بھی ہیں اور زوج بتولؑ بھی۔ وہ علیؑ جن کی ایک ضربت ثقلین کی عبادت

سے بہتر۔ وہ علیؑ جن کی بابت اللہ کے رسولؐ کے بیشمار ارشادات کتب احادیث میں مرقوم وموجود ہیں اُن میں سے چند درج ذیل ہیں:

* "اے علی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں" (صحیح بخاری ص:۵۸۰ باب:۱۰ جامع ترمزی ص: ۴۶۱۔ سنن ابن ماجہ ص:۱۲۔ مستدرک ص:۱۰۷ ج:۳ وغیرہ)

* "علی کو میرے ساتھ وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی" (صحیح بخاری ص:۳۸۷ باب۱۴۔ صحیح مسلم ص: ۲۷۸ ج: ۲۔ سنن ابن ماجہ ص: ۱۲۔ اسد الغابہ ص: ۲۵ ج: ۴)

* "علی کو میرے ساتھ وہ رشتہ ہے جو سر کو جسم کے ساتھ ہے"
(جامع صغیر ص:۵۶، ریاض النضرہ ص:۱۶۲ ج: ۲)

* "علی مجھ سے وہ رشتہ رکھتا ہے جو روح کو جسم سے ہوتا ہے"
(انتخاب از کنز العمال ص: ۶۲)

* "علی اور میں ایک ہی شجر سے ہیں" (کنز الحقائق ص: ۷۱)

* "علی تم میرے سب سے مخلص دوست اور میرے امین ہو"۔
(ازالۃ الخفاء ص: ۲۶ مقصد دوم)

* "علی اور میں تمام انسانوں کیلئے حرف آخر ہیں" (کنزل الحقائق ص: ۷۱)

* "اے علی خوش ہو کہ تمہاری حیات وموت میرے ساتھ ہے"۔
(انتخاب از کنزل العمال ص: ۳۳)

* "اے اللہ حق کو ادھر پھیر دے جدھر علی جائیں"۔
(جامع ترمذی ص: ۴۶۰۔ مشکوۃ ص: ۱۲۹ ص: ۸)

* "علی میرے علم کا خزانہ ہے"۔ (کنزل الحقائق ص: ۲)

* "علی ایسے اچھے حاکم ہیں جیسا میں ہوں" (انتخاب از کنزل العمال ص: ۳۱)

* "میرے فرائض یا تو میں خود ادا کرسکتا ہوں یا صرف اکیلے علی میرے عیوض ادا کر سکتے ہیں"۔ (سنن ابن ماجہ ص: ۱۲۔ جامع ترمذی ص: ۴۶۱)

* "علی کی ضربت عمر ابن عبدود پر وزنی ہے تمام جن وانس کی عبادت سے"
(مستدرک ص: ۳۲ ج: ۳)

*''(علی) تم میرے دنیا اور آخرت میں معاون و مددگار ہو''۔
(مسند احمد حنبل ص: ۳۳۰ ج: ا۔ ازالۃ الخفا ص: ۱۵۲ مقصد دوم)

پس یہ امر مصدقہ و مسلمہ ہے کہ حضرت زید شہیدؒ کا پدری نسب اپنی نجابت و شرافت کے اعتبار سے بے مثل و بے نظیر ہے۔

مادری نسب: حضرت زید شہید کی مادر گرامی کا نام حوراء تھا مگر بعض مورخین نے اس کے علاوہ بھی نام لکھے ہیں مثلاً کسی نے غزالہ، کسی نے لطیفہ اور کسی نے ام ولد ہی کو نام قرار دیدیا ہے۔ یہ سب نام خیالی ہیں کیونکہ ابوحمزہ ثمالی کی روایت جو متعدد کتب میں منقول ہے اس سے بالکل واضح ہے کہ امام علی زین العابدینؑ نے جب ان معظمہ سے نام دریافت کیا تو انہوں نے اپنا نام حوراء ہی بتایا تھا لہٰذا اکثر مورخین نے اُن معظمہ کا نام حوراء یا حوریہ لکھا ہے۔

ان معظمہ کی بابت مشہور قول یہ ہے کہ انھیں مختار بن ابوعبیدہ ثقفی نے تیس ہزار درہم میں خرید کر اور اُن کے اوصافِ حمیدہ و افعالِ پسندیدہ کے پیشِ نظر حضرت علی زین العابدینؑ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ امامؑ نے ان معظمہ کو شرف زوجیت بخشا۔ ان کے بطن مبارک سے امامؑ کے فرزندان زید، عمر، علی اور ایک دختر خدیجہ تولد ہوئے۔ بحار الانوار اور ناسخ التواریخ کے مطابق زید اور عمر جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ جنابِ حوراء سے متعلق چند اقتباسات پیش ہیں:

ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ:

''و زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابیطالب و یکنی ابا الحسین و امه ام ولداھدھا المختار بن ابی عبیدة لعلی بن الحسین فولدت له زیداً و عمرو علیاً و خدیجة'' (مقاتل الطالبین ص: ۸۲)

ترجمہ: اور زید بن علی بن حسین بن علی بن ابیطالب جن کی کنیت ابوالحسین تھی اور ان کی والدہ کنیز تھیں جنہیں مختار بن ابوعبیدہ نے جناب علی بن حسینؑ کو ہدیہ کیا تھا۔ ان سے زید، عمر، علی اور خدیجہ پیدا ہوئے۔

ایک دوسری روایت ابوالفرج اصفہانی نے اسطرح بیان کی ہے کہ:

حدثنی محمد بن الحسین الخثعمی وعلی بن العباس قالا: حدثنا عباد بن یعقوب قال: حدثنا الحسین بن حماد اخوالحسن بن حماد قال: حدثنا زیاد بن منذر قال اشتری المختار بن ابی عبیدة جاریة بثلاثین الفاً فقال لها: ادبری. فأدبرت، ثم قال لها: اقبلی. فأقبلت ثم قال: ما ادری احداً احق بها من علی بن الحسینؑ فبعث بها الیه، وهی ام زید بن علیؑ۔" (مقاتل الطالبین ص: ۸۶)

ترجمہ:۔۔۔۔ زیاد بن منذر نے کہا کہ مختار بن ابوعبیدہ نے ایک کنیز کو تیس ہزار درہم میں خریدا اور اس سے کہا ذرا پیچھے کی طرف مڑ جاؤ تو وہ مڑ گئی۔ پھر کہا کہ ذرا آگے بڑھو، وہ آگے بڑھ گئی۔ پھر کہنے لگے کہ اس کے سب سے زیادہ حقدار امام علی بن الحسین علیہ السلام نظر آتے ہیں چنانچہ یہ کنیز جناب امام علیہ السلام کے پاس بھیج دی اور یہی جناب زید کی والدہ ہیں۔ (بحارالانوار ج: ۶ ص: ۲۳۹)

آغا محمد سلطان مرزا دہلوی لکھتے ہیں کہ:

"زید کی والدہ ام ولد تھیں جنہیں مختار بن ابوعبیدہ نے تیس ہزار درہم میں خرید کر جناب علی بن الحسین کو ہبہ کی تھیں۔ ان کے چار اولادیں ہوئیں۔ زید، عمر، علی اور خدیجہ۔ ان میں سب سے بڑے زید تھے"

(نور المشرقین من حیات الصادقین ص: ۲۷۷)

ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب نے لکھا ہے کہ:

''آپ (زید شہید) کی والدہ ہاشمیہ ہونے کے بجائے سندھ کے کسی خاندان کی فرد تھیں جنہیں مختار ثقفی نے خدمتِ امام زین العابدینؑ (علی بن حسینؑ) میں بطور تحفہ بھیجا تھا۔ وہ مشرف بہ اسلام ہو کر حضرت امام کی تیسری زوجہ قرار پائی تھیں۔''

(سادات بارہ تاریخ کے مدوجزر میں ص:۱۳۰)

ایک شبہ کا ازالہ: حضرت زید شہید کی مادر گرامی جناب حوراء کے اُمِ ولد یعنی کنیز ہونے کی بنا پر بعض کج فہم، کوتاہ نظر اور متعصب قلب کے مالک افراد اُن معظّمہ کے رتبۂ عالی کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں اور عمومی انداز میں غلامی و کنیزی کے پست تصور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حضرت زید شہیدؒ کے مادری نسب کو کمتر جانتے ہیں۔ حضرت زید شہیدؒ کو ایک مرتبہ حاکم وقت ہشام بن عبدالملک نے تحقیر آمیز انداز میں 'کنیز زادہ' کہا تھا تب آپ نے بھرے دربار میں اُس کا جواب دیتے ہوئے اپنی مادر گرامی جناب حوراء کو مادر حضرت اسمٰعیلؑ جناب ہاجرہؑ سے تشبیہ دی تھی جو ایک تاریخی مشابہت ہے۔ آپ کا جواب سنکر ہشام دم بخود رہ گیا۔ آج بھی کچھ لوگ جن میں اپنے بھی ہیں اور بیگانے بھی، دبی زبان سے ایسے ہی کلمات ادا کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا ہم یہاں اُن تنگ نظروں کی نظریں وا کرنے کیلئے غلامی و کنیزی کی بابت مختصراً تحریر کر رہے ہیں۔

غلامی کا رواج: تاریخ کی کتابوں میں جہاں کہیں بھی غلامی پر گفتگو کی گئی ہے وہاں اس لفظ سے مراد مرد اور عورت یعنی غلام اور کنیز دونوں لئے گئے ہیں۔ غلامی کا رواج زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی متعدد ممالک میں کسی نہ کسی شکل میں رائج ہے۔ زمانہ قدیم میں غلامی کو ایک منافع بخش کاروبار کے طور پر بیشتر اقوام نے اپنایا ہوا تھا۔ عہد جاہلیت میں عرب دنیا

میں اسکا رواج عروج پر تھا۔ حتیٰ کہ اسلام جیسے فطری مذہب کو بھی غلاموں اور کنیزوں کی خرید وفروخت کو جائز قرار دینا پڑا۔ گوکہ اسلام نے اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ترغیب دی، اُن کو آزاد کرنے کے مختلف طریقے بتائے اور اس عمل کو کارِ خیر اور کارِ ثواب قرار دیا۔ جبکہ دیگر اقوام و مذاہب میں غلامی کو معاشرتی ضرورت سمجھ کر اس کاروبار کی حوصلہ افزائی کی جاتی رہی۔ زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی غرض سے غلاموں اور کنیزوں کو ایک خطہ سے دوسرے خطے میں بطور مالِ تجارت لیجایا جاتا تھا۔ کنیزوں کی قیمت کا تعین ان کی شکل وصورت، خاندانی شرافت و عظمت اور حیاء وعصمت کی بنیاد پر ہوتا تھا۔

چونکہ اُس زمانہ میں مختلف اقوام و قبائل کے درمیان جنگوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری رہتا تھا اور فاتح قوم غلبہ حاصل کرنے کے بعد مفتوحہ قوم و قبیلے کے افراد پر ہر قسم کے ظلم وستم کو اپنا اخلاقی وقانونی حق جانتی تھی لہٰذا وہ عوام کے علاوہ خواص یعنی روساء وامراء اور حکمران خاندانوں کے افراد کو بھی اسیر کر کے غلام وکنیز بنالیتے تھے اور پھر انھیں فروخت کیلئے بازاروں میں پہنچادیتے تھے۔ اس لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ فروخت ہونیوالا ہر غلام یا ہر کنیز پست خاندان یا بے عصمت ہو۔

غلامی کی بابت جسٹس امیر علی نے ایک پورا باب (Chapter) لکھا ہے جس میں ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ:

> " The practice of slavery is co-evel with human existance. Historically its traces are vasibie in every age and an every nation. It germs were developed in a savage state of society and it continued to flourish even when the progress of materal civilisation had done away with its necessity.

The Jews, the Greeks, the Romans, and the ancient Germans -- people whose legal and social institutions have most effected modern manners and customs -- recognised and practised both kind of slavery, praedial servitude as well as household slavery."

(The Spirit of Islam P. 259)

ترجمہ: غلامی کا رواج انسانی وجود کے ساتھ ہی سے موجود ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس کے اثرات ہر دور اور ہر قوم میں نظر آتے ہیں۔ اس کے جراثیم معاشرے کی وحشی ریاست میں پروان چڑھے اور جاری رہے حتیٰ کہ تمدنی تہذیب کی ترقی نے اس کی ضرورت میں کمی کی۔ یہودی، یونانی، رومی اور قدیم جرمن عوام جن کے قانونی و معاشرتی ادارے جدید طریقوں اور رواجوں سے بہت زیادہ متاثر تھے ان میں بھی غلامی کی دونوں اقسام یعنی جنگی و خانگی غلامی کو تسلیم کیا گیا اور رائج رکھا گیا۔

یونان کے فلاسفہ نے نوع انسانی کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ ایک پیدائشی آزاد اور دوسرے پیدائشی غلام۔ اُن کے خیال میں دوسری قسم صرف پہلی جنس کی خدمت کیلئے پیدا کی گئی تھی۔ ریاست کے سخت جسمانی کام جنہیں سوسائٹی نہیں کر سکتی تھی یا کرنا نہیں چاہتی تھی، غلام انجام دیتے تھے۔ ارسطو نے غلامی کے رواج کو سوسائٹی کیلئے ضروری قرار دیا تھا۔

یہودیوں نے بھی غلاموں کی دو قسمیں بنا رکھی تھیں۔ ایک قسم تو اُن یہودیوں کی تھی جو کسی مذہبی جرم یا قرض کی عدم ادائیگی کی وجہ سے غلام بنائے جاتے تھے۔ دوسری قسم اُن غیر اقوام کی تھی جو جنگی قیدیوں کی شکل میں گرفتار کر کے غلام بنائے جاتے تھے۔ یہ دوسری قسم کے غلام اُن کے گھروں کا کام، محفلوں کے چھوٹے بڑے کام اور کاشتکاری وغیرہ کرتے تھے۔ یہ غلام سوسائٹی میں نہایت ذلت کی زندگی میں اپنے دن پورے کرتے تھے۔

دیگر اقوام کی طرح عربوں میں بھی غلامی کا رواج موجود تھا۔ عربوں میں غلاموں کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی۔ عہد جاہلیت میں غلاموں کی خرید و فروخت قریش کی غیر معمولی ثروت کا اہم ذریعہ تھی۔ اس دور میں غلاموں کا سب سے مشہور تاجر عبداللہ بن جدعان تھا۔ جس کی تجارت کا دائرہ بہت وسیع تھا اور بہت سے ملکوں میں پھیلا ہوا تھا۔ عربوں میں غلام کی اولاد بھی غلام تصور کی جاتی تھی۔ اس زمانہ میں غلام تمام تمدنی و معاشرتی حقوق سے محروم ہوتے تھے۔

اسلام نے صرف جہاد، جو خدا کے نام اور دین کی سر بلندی کے لئے کیا گیا ہو، کے جنگی قیدیوں کو غلام قرار دیا اور ان سے منصفانہ برتاؤ اور شفقت و مہربانی سے پیش آنے کی ہدایت کی۔ قرآنِ مجید میں بہت سی آیات اس ضمن میں موجود ہیں مثلاً وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط[1] ترجمہ: اور اپنے زر خرید لونڈی غلام کیساتھ احسان کرو۔ یا مثلاً وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا[2] ترجمہ: اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو مکاتب * ہونے کی خواہش کریں تو تم اگر ان میں کچھ صلاحیت دیکھو تو ان کو مکاتب کر دو۔

* مکاتبت کے معنی ہیں کہ غلام اور مالک میں باہم یہ اقرار ہو جائے کہ اتنی رقم ادا کر دینے پر لونڈی غلام آزاد ہو جائیگا۔ اس کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ جتنی رقم ادا کرتا جائے اتنا آزاد ہوتا جائے اس کو مکاتبت معلق کہتے ہیں۔ دوسری حالت یہ کہ جب تک کل رقم ادا نہ کرے کچھ بھی آزاد نہ ہوگا۔ اس کو مکاتبت مشروط کہتے ہیں۔ چونکہ غلامی ایک عذاب ہے لہٰذا مسلمانوں کو اس چھٹکارا دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

[1] سورۂ نساء آیت: ۳۶، [2] سورۂ نور آیت: ۳۳،

یا مثلاً فَانْكِحُوهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوهُنَّ اُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ [1] ترجمہ: پس (بے تامل) ان کے مالکوں کی اجازت سے لونڈیوں سے نکاح کرو اور ان کا مہر حسنِ سلوک سے دیدو مگر ان ہی لونڈیوں سے (نکاح کرو) جو عفت کیساتھ تماری پابند رہیں اسلام نے اسی طرح غلامی سے نجات کی بہت سی راہیں متعین کیں ہیں۔

اسلام میں غلامی کی سب سے اہم وجہ جنگ میں اسیری تھا۔ شریعتِ اسلامی میں کسی مسلمان مرد یا عورت کو کسی حالت میں بھی غلام یا کنیز بنانا جائز قرار نہیں دیا۔ گرفتاری کے بعد ان غیر مسلم قیدیوں کے انجام کی تین صورتیں تھیں یعنی قتل کیا جانا، فدیہ کی رقم دیکر رہائی حاصل کرانا یا بلا فدیہ آزاد کر دیا جانا۔

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے قبضہ میں اس کثرت سے غلام و کنیز تھے کہ بعض کے پاس سینکڑوں کی تعداد موجود تھی۔ اسلام نے غلاموں کا معیار بلند کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ آنحضرتؐ نے غلاموں کے ساتھ حُسنِ معاشرت کی تلقین فرمائی اور بد سلوکی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ اسلام نے غلامی کو عارضی قرار دیتے ہوئے لونڈی غلاموں کو حصول آزادی کے بہت سے مواقع فراہم کیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کی تحقیر و تذلیل اور ان کی اہانت کی ممانعت فرمائی اور آپ نے اسامہ بن زید کو جو آپ کے ایک نوعمر غلام تھے، مسلمانوں کے اس لشکر کا سپہ سالار بنایا جس میں ممتاز اور تجربہ کار صحابہ شامل تھے۔ اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے اپنی پھوپی زاد بہن جناب زینب بنت جحش کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کر دیا اور پھر انکو طلاق ہو جانے کے بعد آپ نے خود ان سے نکاح کر لیا حالانکہ وہ آپکے غلام کی بیوی رہ چکی تھیں۔

[1] سورۃ النساء آیت: ۲۵

علاوہ ازیں حضرت جویریہ بنت حارث جو بنی مصطلق کے اسیرانِ جنگ میں سے تھیں اور اپنی قوم کے سردار کی بیٹی تھیں، کنیز کی حیثیت سے ثابت بن قیس کے حصّہ میں آئیں۔ یہ صورت ان کی خودداری کے لئے بہت بڑا صدمہ تھی لہٰذا انہوں نے ثابت بن قیس سے مکاتبت کی درخواست کی اور رسول خداؐ کی خدمت میں مالی امداد کیلئے حاضر ہوئیں۔ اُس وقت ان کے دل میں اسلام سے جو بغض ونفرت موجود تھی اس کے پیش نظر آنحضرتؐ نے یہ موقع مناسب جانا اور انھیں مکاتبت کے مال کی معین رقم دیدی اور مزید تالیف قلب کے لئے ان سے نکاح کی درخواست کی جسے انہوں نے بصد عزت قبول کیا۔

عہد رسالتمآبؐ کے بعد زمانۂ خلافت راشدہ اور حکومتِ بنی امیہ و بنی عباس میں مذہب کے نام پر جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں ان میں جو عورتیں مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ لگیں وہ بلا لحاظ قوم، قبیلہ اور خاندان ام ولد، جاریہ، کنیز، لونڈی و باندی وغیرہ کے ناموں سے موسوم ہوئیں۔ ان کی نسلی و نسبی وابستگی کو ملحوظ رکھے بغیر انہیں بازاروں میں فروخت بھی کیا گیا اور بطور ہدیہ و نذرانہ دوسروں کو بخش بھی دیا گیا۔ ایسی صورت میں ہر کنیز کو پست قوم اور ادنیٰ خاندان کی حقیر عورت تصور کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

حضرت زید شہیدؒ کی مادر گرامی کا کنیز ہونا آپ کی شرافتِ نسلی اور مرتبۂ عالی میں کسی طور بھی حارج نہیں ہوتا ہے۔ آپ کے بلند مرتبہ ہونے کیلئے یہی امر کافی ہے کہ امام علی زین العابدین علیہ السلام نے آپ کو شرف زوجیت بخشا۔ تاریخ اسلام میں صرف حضرت زید شہیدؒ کی مادرِ گرامی ہی کنیز نہ تھیں بلکہ مسلم معاشرے میں بہت سے عالی مرتبہ افراد اور حکمران کنیزوں کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حتیٰ کہ چند آئمہ معصومین علیہم السلام کی مادرانِ گرامی بھی کنیز تھیں۔

جہاںتک قریش مکّہ کا تعلق ہے تو فتح مکّہ کے وقت جتنے بھی کفارانِ قریش تھے سب کے سب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آزاد کردہ لونڈی وغلام تھے کیونکہ فتح ہونے کے بعد جنگ کے مروجہ اصول کے مطابق فاتح قوم یعنی مسلمانوں کا یہ حق تھا کہ وہ مفتوحہ قبائل یعنی کفارانِ قریش کے مردوزن کو لونڈی غلام بنالیں مگر اللہ کے حبیبؐ نے خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد مجمع پر نظر ڈالی تو آپ کے سامنے بڑے بڑے جبارانِ قریش موجود تھے۔ انکی بدسلوکیاں، گستاخیاں اذیتیں بھی آپ کے پیشِ نظر تھیں لیکن سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے کرم وعنایت کا اظہاران الفاظ میں فرمایا "لاَیثریْبَ عَلیکم الیوم اذهَبُوا فانتم الطلقاء" یعنی تم پر آج کے دن کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ اس طرح اللہ کے رسولؐ نے قریش مکّہ کے ان تمام مردوزن کو آزاد کردیا جو فتح مکّہ کے دن شکست سے دوچار ہوئے تھے۔ انہی معافی یافتگان میں ابوسفیان اوران کا خاندان بھی تھا۔

بقول مسعودی بنوعباس کے حکمرانوں میں سے بہت سے حکمران کنیزوں کے بطن سے پیدا ہوئے۔ مثلاً مامون الرشید کی ماں ایک ایرانی لونڈی تھی، معتصم کی ماں ترکی باندی تھی، متوکل کی ماں رومی کنیز تھی، مقتدر اور مکتفی کی مائیں رومی یا خوارزمی لونڈیاں تھیں، مطیع کی ماں صقلی کنیز تھی۔[1]

اسی طرح آئمہ اہلبیت علیہم السلام میں سے بھی چند کی امہات کیلئے اسی قسم کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جیسے کہ حضرت امام علی زین العابدینؑ کی مادر گرامی جناب شہر بانو جو ایرانی شہنشاہ یزدجرد کی دختر تھیں، حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی والدہ ماجدہ حمیدہ خاتون جو بربر قوم سے تعلق رکھتی تھیں، حضرت امام علی رضاؑ کی والدہ محترمہ نجمہ خاتون عرف ام البنین اشراف عجم سے تھیں،

---

[1] التنبیہ والاشراف ص: ۳۹۸

حضرت امام محمد تقیؑ کی مادر گرامی خیزران خاتون عرف سکینہ ام المومنین ماریہ قبطیہ کے قبیلے سے تھیں حضرت امام علی نقیؑ کی والدۂ محترمہ سمانہ خاتون بھی کسی مغربی ملک سے لائی گئی تھیں، حضرت امام حسن عسکریؑ کی ام محترم حُدیثہ خاتون بھی کسی مغربی ملک سے تعلق رکھتی تھیں اور حضرت امام محمد مہدی عجل اللہ فرجہ کی مادر گرامی نرجس خاتون بنت یشوعا ابن قیصر روم تھیں جن کو حضرت امام علی نقیؑ نے بشیر ابن سلیمان بردہ فروش سے خرید فرمایا تھا۔[1]

مندرجہ بالا مثالیں پیش کرنے سے ہمارا مقصد کسی کی تذلیل کا پہلو اجاگر کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ مثالیں صرف اور صرف اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ وہ کوتاہ نظر جو حضرت زید شہیدؒ کی مادر گرامی قدر کے کنیز ہونے پر زبان کھولتے ہیں وہ اپنی اصلاح کریں۔ ان میں بیگانے بھی ہیں اور اپنے بھی۔ بیگانے اپنے بزرگوں کی ماؤں پر نظر ڈالیں اور اپنے ان برگزیدہ ہستیوں کی امہات کے کنیز ہونے کو مدِ نظر رکھیں۔ ہمارے نزدیک تو امہات آئمہ معصومین علیہم السلام کے کنیز ہونے سے ان کی عظمت و بزرگی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح حضرت زید شہیدؒ کی مادر گرامی کے کنیز ہونے سے ان کی شرافت وجلالت متاثر نہیں ہوتی۔

عظمت جنابِ حوراء: حضرت زید شہیدؒ کی والدۂ ماجدہ کے حُسنِ اخلاق و حیا، نجابت و شرافت، نسبی و خاندانی بلندی وغیرہ کا اندازہ چند درج ذیل واقعات و بیانات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

ا) بوقتِ خریداری جناب مختار نے ان معظّمہ میں جو اوصاف مشاہدہ کئے انکے پیشِ نظر بے ساختہ بول اٹھے کہ "ان کا مستحق علیؑ بن حسینؑ سے بہتر کوئی اور نہیں" یعنی یہ خاتون ہر اعتبار سے امام وقت کی زوجیت کی اہل ہیں۔

---

[1] ماخوذ از منتھی الآمال اور چودہ ستارے۔

۲) ابو حمزہ ثمالی سے حضرت امام علی بن الحسینؑ نے اپنا وہ خواب بیان فرمایا جس میں پنجتنِ پاکؑ نے خلد بریں میں جناب حوراء سے آپؑ کا نکاح کیا۔

۳) حضرت امام محمد الباقرؑ نے ان معظّمہ کی بابت ارشاد فرمایا "لقد انجبت امه ولدتک یا زید" یعنی کس قدر نجیب و شریف ہے وہ ماں جس سے اے زید تم جیسا بچہ پیدا ہو۔

۴) والدۂ محترمہ جناب عبداللہ بن حسن مثنیٰ جناب فاطمہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ "زید کی ماں غیر کف سے آنے والی بیبیوں میں بہترین بی بی ہیں" ابنِ اثیر نے اس بیان کو اسطرح لکھا ہے کہ "وہ بہترین عورت تھیں جو ہماری قوم میں داخل ہوئیں"۔

۵) ہشام بن عبدالملک کے بھرے دربار میں جب آپ کی مادرِ گرامی کو کنیزی کا طعنہ دیا تو خود حضرت زید شہیدؒ نے اپنی مادرِ گرامی کو حضرت اسمٰعیلؑ کی والدۂ محترمہ جناب ہاجرہؑ سے تشبیہ دی۔ جو ایک تاریخی حقیقت ہے۔

تعلیم و تربیت : یہ امر حقیقت ہے کہ خانوادۂ رسالت کے افراد کی پرورش کے ساتھ ساتھ ہی ان کے بزرگان دینی و دنیاوی تعلیم دیتے رہتے تھے اور ایام آغوش ہی سے مستقبل کے اسرار و رموز سکھاتے رہتے تھے۔ چونکہ آئمۂ معصومین علیہم السلام کا علم اکتسابی نہیں بلکہ وہبی ہوتا ہے یعنی وہ منجانب اللہ زیورِ علم سے آراستہ ہوتے ہیں لہٰذا انہیں کسی انسان سے اکتسابِ علم کی حاجت نہیں ہوتی جبکہ دیگر تمام افراد کا علم اکتسابی ہوتا ہے لہٰذا انہیں کسی نہ کسی سے علم حاصل کرنا پڑتا ہے۔ خانوادۂ رسالت کے بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت خاندانی روایات کے عین مطابق کی جاتی تھی۔

حضرت زید شہیدؒ کی ابتدائی تعلیم و تربیت نبی اکرمؐ کی قائم کردہ درسگاہ میں امام چہارم حضرت علی زین العابدینؑ کے زیرِ نگرانی ہوئی۔ امامؑ نے اپنے

فرزند کی تعلیم میں دینی علوم پر خصوصی توجہ فرمائی یعنی قرآن، حدیث، فقہ اور کلام کی تعلیم کو ایسی مستحکم بنیادوں پر استوار فرمایا کہ آنے والے وقت میں ان جیسا عالم شاید ہی کوئی ہو۔ پدر محترم کی شہادت ۲۵ رمحرم الحرام ۹۵ھ کے بعد حضرت زید شہیدؒ اپنے برادرِ بزرگ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے زیر تربیت فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت کی تعلیم سے فیضیاب ہوتے رہے۔ مشفق و مہربان بھائی کی شہادت ۷ رذی الحجہ ۱۱۴ھ کے بعد آپ اپنے بھتیجے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے معرف و اسرار کے رموز حاصل فرماتے رہے۔

اس طرح حضرت زید شہیدؒ تین آئمہ معصومین علیہم السلام کے چشمۂ فیضان سے فیضیاب ہوئے۔ آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ انہی آئمہ معصومینؑ کے زیر سایہ گذارا۔ ویسے بھی نبی کا گھرانہ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں اپنی مثل آپ تھا۔ ایسے ماحول میں تربیت پانے والا انسان بلا شبہ عظیم المرتبت ہی ہونا چاہیے۔ یہ آئمہٗ اہلبیت کی تعلیم و تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت زید شہیدؒ مرکزِ علم و عرفان، سرچشمۂ زہد و تقویٰ اور منبۂ جود و سخا تھے۔ فصاحت و بلاغت، ذہانت و ذکاوت، سیادت و شجاعت، سخاوت و دیانت اور حاضر جوابی و صاف گوئی آپ کو ورثہ میں ملی تھی۔

آپ کی ان تمام موروثی و صوری خصوصیات کے باوجود بعض مورخین یہ منفی تاثر پھیلانے کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ حضرت زید شہیدؒ نے دیگر افکار کے ماہرین سے علم حاصل کیا۔ مثلاً مولانا مناظر احسن گیلانی تحریر فرماتے ہیں کہ:

> "اس زمانہ میں جن جن چیزوں کو علم سمجھا جاتا تھا اور ان کے ماہرین جہاں کہیں پائے جاتے تھے حضرت زید شہید کی سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے آپ نے ان تمام علوم میں ان کے ماہرین سے دستگاہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ بیان کرنے والوں نے یہانتک

لکھا ہے کہ واصل بن عطا جو اپنے بعض اعتزالی عقائد کی وجہ سے
بدنام بھی تھا، آپ اس سے استفادہ کرنے میں نہ جھجکے"۔

(امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۴۱)

مولانا صاحب کا یہ ایک خاص اندازِ بیان ہے جو آپ کی کتاب میں جا بجا نظر آتا ہے۔ ایک طرف آپ نے اپنی اسی کتاب میں حقائق پر مبنی ایسے واقعات بھی تحریر کئے ہیں جن سے حضرت زید شہیدؒ کے حقیقی اوصاف واضح ہوتے ہیں اور جنہیں دیگر مورخین نے بھی لکھا ہے جبکہ دوسری طرف اس قسم کے تعریفی انداز میں تحقیر آمیز بیانات بھی رقم کئے ہیں جو مولانا موصوف کے خیال و قیاس پر مبنی ہیں جسکی مثال مندرجہ بالا اقتباس ہے۔ اگر قارئین اس اقتباس پر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ مولانا صاحب نے نہایت ہوشیاری سے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ آپ نے تمہید باندھنے کے بعد یہ باور کرانا چاہا کہ زید شہیدؒ نے واصل بن عطا سے موتزلی عقائد کے کلیات سیکھے۔ حضرت زید شہیدؒ کی وہ کونسی سوانح حیات ہے جس سے موصوف کو یہ معلومات حاصل ہوئیں؟ اور وہ کون سے بیان کنندگان ہیں جنہوں نے یہ بہتان باندھا؟ مولانا صاحب نے کوئی حوالہ تحریر نہیں فرمایا۔ بہرحال مولانا صاحب کے اس اندازِ بیان سے حضرت زید شہیدؒ کی تذلیل کا پہلو نکلتا ہے۔

درآنحالیکہ مولانا صاحب اپنا نسبی سلسلہ حضرت زید شہیدؒ تک پہنچاتے ہیں جسکی تفصیل جناب سید نجمل الحسن فضلی صاحب نے اپنی کتاب "اشرافِ عرب" میں تحریر کی ہے اور مولانا کا شجرۂ نسب بھی شامل کتاب کیا ہے اور بتایا ہے کہ آپ کا تعلق بہار میں آباد زیدی الواسطی سادات کی جاجنیری شاخ سے ہے۔ مولانا صاحب کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف نے اپنی نسبی قرابت کو بھی ملحوظ رکھا اور اپنے عقیدے کے احترام کو بھی برقرار رکھا ہے۔ بہرحال یہ مسلمہ

حقیقت ہے کہ عقیدہ بدلتا رہتا ہے جبکہ نسب نہیں بدلتا اگر کوئی اپنا نسب تبدیل کرلے تو وہ مجہول النسب کہلاتا ہے۔

جہانتک جناب ابو حنیفہؒ کے آئمہ اہلِ بیت سے علمی استفادہ کے حصول کا تعلق ہے تو یہ حقیقت مورخین کی تسلیم شدہ ہے کہ آپ نے اپنے ہم عصر آئمہ اہلِ بیت یعنی امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام سے فیض حاصل کیا مگر پھر بھی ابنِ تیمیہ جیسے لوگ اس کے منکر ہیں۔ جیسا کہ مولوی شبلی صاحب نے تحریر کیا ہے:

"ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے اُن (امام محمد باقرؑ) کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت نادر باتیں حاصل کیں، شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیضِ صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت امام جعفر کے معاصر اور ہمسر تھے اس لئے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے۔ لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادق سے کیا نسبت۔ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے اور صاحب البیت ادری بما فیہا" (سیرۃ النعمان ص ۳۸)

بہر حال یہ امر مصدقہ ہے کہ حضرت زید شہیدؒ کی تعلیم و تربیت درسگاہِ اہلبیت ہی میں ہوئی۔ آپ نے کسی غیر سے کبھی بھی حصول علم کیلئے رجوع نہیں کیا البتہ ہزاروں افراد اخذِ فیوض اور حصول علم کی خاطر آپ سے رجوع کرتے تھے۔

ایسے ہی افراد میں بہت سے وہ مشاہر بھی تھے جنکا قول ہے کہ ”امام ابوحنیفہ نے علم وطریقت کو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام و حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور انکے چچا زید بن علی بن الحسین علیہ السلام سے حاصل کیا“۔[۱] نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ”ابوحنیفہ نے شرف شاگردی زید بن علیؑ میں دو سال تک علم حاصل کیا اور یہ ظاہر بظاہر ان کی خدمت میں اسوقت تک آتے رہے جب تک کہ بنو امیہ کے سلطان نے منع نہ کر دیا“۔[۲]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ

> ”(زید بن علی) اپنے وقت کے بڑے جلیل القدر عالم، فقیہہ اور متقی و صالح بزرگ تھے۔ اور خود امام ابوحنیفہؒ نے بھی ان سے علمی استفادہ کیا تھا“۔ (خلافت وملوکیت ص:۲۶۶)

مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ حضرت زید شہیدؒ کی ابتدائی تعلیم و تربیت درسگاہِ مصطفوی میں ہی ہوئی۔ آپ نے کبھی کسی غیر سے رجوع نہیں کیا۔

شکل وشباہت: ویسے تو خاندانِ بنی ہاشم کے سب ہی بزرگ خوش شکل اور خوبرو گزرے ہیں مگر حضرت زید شہیدؒ کا حسن و جمال غیر معمولی تھا۔ جناب عبدالرزاق موسوی نے اپنی کتاب ”زید شہید“ مطبوعہ نجف اشرف میں معتبر کتب مثلاً الحدائق الوردیہ، مقاتل الطالبین، روض النضیر وغیرہ کے حوالوں سے حضرت زید شہیدؒ کی شکل وشباہت کی بابت تفصیل سے بیان کیا ہے جس کے اردو ترجمہ کا ایک اقتباس ہم یہاں پیش کر رہے ہیں:

> ”آپ مجسمۂ کمالِ خلق تھے۔ بلند قد، جمیل النظر، سفید رنگ، خوش شکل، بڑی بڑی آنکھیں، بھنوں کے کنارے ملے ہوئے، مختصر مگر گھنی داڑھی، چوڑا سینہ، کشادہ شانے، سینہ پر معمولی بال، بڑی

---

۱ روض النضیر ج: ۱ ص: ۶۶، ۲ بطل رشید زید شہید ص: ۷۵

پیشانی، بلند ناک، سر اور داڑھی سیاہ لیکن رخساروں کے اطراف میں چند بال سفید"۔ (بطل رشید زید شہید ص:۶۹)

اس ضمن میں ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ:

"حدثنی احمد بن سعید قال : حدثنا احمد بن یحییٰ قال: حدثنا الحسن بن الحسین الکندی عن خصیب الوابشی قال : کنت اذا رأت زید بن علیؑ رأیت اساریر النور فی وجهه" (مقاتل الطالبین ص: ۸۶)

ترجمہ: راویوں کے سلسلہ کے آخری راوی خصیب وابشی سے مروی ہے کہ جب بھی میں نے جناب زید بن علیؑ کے چہرہ پر نظر ڈالی تو ان کے چہرے پر نور نظر آیا۔

یہی کچھ علامہ باقر مجلسی نے تحریر کیا ہے[1] اور اسی بات کو قمر زیدی صاحب نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے "وابشی کہتا ہے کہ جب کوئی زید کو دیکھتا تھا تو ان کے چہرہ پر نورانی کرنیں کھیلتی رہتی تھیں" حضرت زید شہیدؒ کے حُسن و جمال کی بابت شیخ ابومحمد یحییٰ الشافعی کے حوالے سے شرف الدین حسین بن علی احمد حیمی نے آپ کا سراپا اسطرح بیان کیا ہے کہ:

"کان ابیض اللون اعین مقرون الحاجبین تام الخلق طویل القامه کث اللحیه عریض الصدر اقنی الانف اسود الراس و اللحیه الا انه خالطه الشیب فی عارضیه" (مقدمہ روض النضیر شرح مجموعۃ الفقہ الکبیر ص: ۴۹)

ترجمہ: حضرت زید شہید کا رنگ گورا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں، دونوں ابرو ملے ہوئے تھے، جسم کی بناوٹ مکمل تھی، دراز قد، داڑھی گھنی، سینہ فراخ و کشادہ، بلند بینی، داڑھی اور سر کے بال سیاہ، تھوڑی سی آمیزش سفید بالوں کی دونوں رخساروں کے اطراف میں ہوچکی تھی۔

---

[1] بحارالانوار ج: ۶ ص: ۳۳۹

مولانا مناظر احسن گیلانی نے آپ کی سوری خصوصیات کی بابت تحریر فرمایا ہے کہ:

''حضرت زید کی ان سوری خصوصیتوں میں ان تمام چیزوں کی جھلک پائی جاتی ہے جنہیں نسبتاً ان میں ہونا چاہئے تھا۔ اسی طرح ان کی باطنی صفات میں بیّن طور پر موروثی آثار کے جلوے نظر آتے ہیں۔ غیر معمولی ذہین وفطین، علم دوست، معارف پرور ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بہادر اور نڈر تھے''۔

(امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۳۶)

موروثی صفات: حضرت زید شہید علیہ الرحمہ کی ذاتِ والا صفات میں بدرجۂ کمال پائے جانے والے اوصاف اور آبائی ورثے کی بابت علمائے تاریخ نے اپنے اپنے انداز میں تحریر کیا ہے جن سے حضرت زید شہیدؒ کی علمیت و ذکاوت اور زہد وعبادت کا واضح اعتراف ہوتا ہے۔ ایسے ہی بیانات کے چند اقتباسات منقول ہیں:

''سفیان ثوری کا بیان ہے کہ زید اعلم ترین شخصیت تھے مخلوقِ خدا میں کتابِ خالق کے۔ اور انھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے نقشِ قدم پر خود کو قائم کیا''۔ (مقتلِ خوارزمی ج: ۲ ص: ۱۱۰)

مولانا مناظر احسن گیلانی نے حضرت زید شہیدؒ کی بابت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ارشاد اور اپنے خیالات تحریر کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا:

شاهدت زید بن علی کما شاهدت اهله فما رأیت فی زمانه افقه منه و لا اعلم و لا اسرع جواباً و لا بین قو لاً'' (الروض النضیر ص: ۵۰، الخطط المقریزیہ ج: ۴ ص: ۳۰۷)

ترجمہ: میں نے زید بن علی کو دیکھا تھا جیسے ان کے خاندان کے دوسرے حضرات کے مشاہدے کا موقع مجھے ملا۔ میں نے ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ فقیہہ اور کسی کو نہیں پایا اور ان جیسا حاضر جواب اور واضح وصاف گفتگو کرنے والا اس عہد میں مجھے کوئی نہیں

ملا۔ اپنے سلسلۂ کلام کے آخر میں امام صاحب نے فرمایا لقد کان منقطع القرین: یعنی درحقیقت ان کے جوڑ کا آدمی اس زمانہ میں نہ تھا۔

اس کے بعد مولانا صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار اسطرح فرمایا ہے کہ

''امام ہی کیا اس عہد کے بڑوں میں مشکل ہی سے کوئی آدمی نظر آتا ہے جس سے حضرت زید شہید کے متعلق اس قسم کے الفاظ منقول نہیں ہیں۔ الشعبی سے روایت کرنے والوں نے تو یہانتک روایت کیا ہے کہ زید بن علی سے بہتر بچہ شاید کسی عورت نے پیدا کیا ہو' ایسا فقیہہ، اتنا بہادر و قانع، عابد و زاہد مجھے کوئی دوسرا نظر نہ آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم اور دینی فہم و فراست کے ساتھ حضرت شہید کی دنیاوی سوجھ بوجھ غیر معمولی طور پر بہتر تھی''۔

(حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص۔ ۱۳۷)

ابوالفرج اصفہانی کی بیان کردہ روایت کے آخری راوی ابوالجارود کا بیان ہے کہ:

''.............. عن ابی الجارود قال : قدمت المدینة فجعلت کلما سألت عن زید بن علی قیل لی ذاک حلیف القرآن''۔ (مقاتل الطالبین ص۔۸۸)

ترجمہ:۔۔۔۔۔ میں مدینہ میں آیا اور جس سے بھی جناب زید شہید کے بارے میں پوچھا تو یہی جواب ملا کہ وہ تو قرآن مجید سے عہد و پیمان رکھنے والے حلیف و ساتھی ہیں۔ (بحارالانوار ج۔ ۶ ص:۲۳۹)

جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو حضرت زید شہیدؒ کی شہادت کی خبر ملی تو امامؑ نے ارشاد فرمایا:'' واللہ میرے چچا ہم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کے دین میں سمجھ رکھنے والے اور رشتہ کا خیال کرنے والے تھے'' اور آخر میں امامؑ نے فرمایا و لا ما ترک فینا لدنیا و لا للاخرة مثله یعنی خدا کی قسم دنیا و آخرت دونوں (کے متعلقہ مسائل) کے لئے انھوں نے ہمارے

خاندان میں اپنا جیسا نہیں چھوڑا۔ گویا حضرت امام جعفر صادقؑ کی جانب سے یہ حضرت زید شہیدؒ کی اس جامعیت کا اعتراف تھا جو آپکے موروثی صفات کا منتقی نتیجہ تھا۔

شہادت سے متعلق پیشنگوئیاں: تاریخ کی کتابوں میں حضرت زید شہیدؒ کی شہادت سے متعلق حضرت ختمی مرتبتؐ اور آئمہ معصومینؑ کے متعدد اقوال درج ہیں اُن میں سے چند اقتباسات ہم گذشتہ صفحات میں لکھ آئے ہیں اور چند اقتباسات ذیل میں مرقوم ہیں:

جناب ابوحمزہ الثمالی کی بیان کردہ روایت سے حضرت زید شہیدؒ کی مادرِ گرامی کا امام علی زین العابدینؑ سے عقد، حضرت زید شہیدؒ کی ولادت اور حضرت زید شہیدؒ کی بابت امامؑ کی پیشنگوئی کی وضاحت ہوتی ہے۔ یہ روایت متعدد کتب مثلاً جناب شیخ صدوقؒ کی مجلس الصدوق و مسند، جناب سید ابن طاؤس کی فرحتہ الغریٰ، جناب عمر الجعفیؒ کی تفسیر فرات، جناب باقر مجلسیؒ کی بحارالانوار، جناب عبدالرزاق الموسوی کی زید شہید اور ناسخ التواریخ وغیرہ میں تفصیلاً و اجمالاً منقول و مرقوم ہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم روایت بیان کریں مناسب ہوگا کہ ابوحمزہ الثمالی کا مختصر تعارف کرادیں تا کہ راوی اور روایت کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ جناب ابوحمزہ الثمالی کا نام ثابت بن دینار تھا اور آپ کے فرزند حمزہ کی نسبت سے ابوحمزہ کنیت مشہور تھی۔ آپ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے حلقۂ درس میں رہے اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے اصحابِ خاص میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ تفسیر کے علاوہ 'النواد' اور 'الزہد' آپ کی تصانیف تھیں۔ آغا محمد سلطان مرزا نے آپ کی بابت تحریر کیا ہے کہ "ان کا نام ثابت

ابن دینار ہے۔ ان کے تین پسر ان یعنی منصور، نوح اور حمزہ کو زید شہید کے ہمراہ شرف شہادت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ وکیع وابونعیم ان سے روایت کرتے تھے لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھا اور عثمان کو برا کہتا تھا"۔ ۱

ناسخ التواریخ میں شیخ صدوقؒ کے حوالہ سے ابوحمزہ ثمالی کی یہ روایت بیان کی ہے کہ "میں نے ایک مرتبہ سفر حج اختیار کیا بعد فریضہ حج امام علی زین العابدینؑ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ دورانِ گفتگو امامؑ نے فرمایا اے ابوحمزہ کیا میں تجھ سے اپنا خواب بیان کروں جو میں نے رات ہی دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا ارشاد فرمایئے۔ تب امام نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں بہشت میں ہوں اور وہاں مجھے ایک ایسی حور عطا کی گئی ہے جس سے زیادہ جمیل وزیبا، حسین وخوبصورت میں نے اب سے پیشتر نہ دیکھی تھی بس اس حال میں کہ میں وہیں موجود تھا میں نے ایک آواز سنی کہ گویا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اے ابوالحسین تمہیں زید مبارک ہو"۔ ۲

ابوحمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ جب میں دوبارہ فریضہ حج سے مشرف ہوا اور خدمت امام عالی مقام میں حاضر ہوا تو میں نے دستک دی، کچھ دیر بعد امام علیہ السلام اپنے دستِ مبارک پر ایک بچے کو لئے ہوئے تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ ابوحمزہ! هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۔ ۳ یعنی خداوند عالم نے مجھے حق سے پیوست کیا یہ ہے میرے خواب کی تعبیر۔ میرا یہ بچہ زید ہے۔

جناب عبدالرزاق الموسوی نے اپنی کتاب "زید شہید" میں ابنِ طاؤس کے حوالے سے ابوحمزہ ثمالی کی روایت بحذف اسناد اسطرح تحریر کی ہے:

---

۱ نورالمشرقین من حیات الصادقین ص: ۸۸ ۳ بحارالانوار ج: ۶ ص: ۱۹۱

عن ابی حمزہ الشمالی قال کنت ازدر علی بن الحسینؑ کل سنۃٍ مرۃ و قتالحج فا تیتہٗ سنہ منِ ذالکَ و اذ علیٰ فخذہٖ صبیٌ فوقع علی عبتۃ الباب فا نشج فوثب الیہ علی بن الحسین علیہ السلام مہر و لا و جعل ینشف دمہ و یقول اعیذک با اللہ ان تکون المصلوب با لکناسہ قلت بابی انت و امّی ای کناسۃ قال کناسۃ الکوفہ ، قلت جعلت فلاک و یکون قالای و الذی یبعث محمداً با لحق نبیاًانّ عشت بعدی لترین ھذا لغلام فی نا حیۃ من نواحی الکوفہ مقتولاًمنبوشاً مسلوباًمصا باً فی الکناسہ ثم ینزل و یحرق و یذری فی البرّقلت جعلت فد اکَ و ما اسم ھذا لعلام قال ھذا ابنی زیدٌثم دمعت عینا ہ و قال الا احد تک بحدیث ابنی ھذا بینا انا لیلۃ راکعا و ساجداً اذ ذھب لی النوم من بعض حالاتی فرئیت کانّی فی الجنۃ و کان رسول اللہ و علیاً و فاطمۃ و الحسن و الحسین علیھم السلام قد زوجونی جاریۃ من حورا لعین واقعتھا و اعنتسلت عند سدرۃ المنتھیٰ و دلیت و ھاتف بھتیف لی لیھنک زید لیھنک زید فاستقظت فا صبت جنا بۃ فقمت و تطھرت للصلاۃ و صلیت صلاۃ الفجر و فدق الباب و قبل علی الباب رجل یطلبک فخرجت فا ذا الرجل معہٗ جاریۃ ملفوف کمھا علیٰ بدیھہ محمرۃ نجما ر فقلتحا حتک قال اردت علی بن الحسین قلت انا علی بن الحسین انا رسول مختاربن ابی عبید الثقفی بقرؤک السلام و یقول وقعت ھذہ الجاریہ فی ناجتنا

فاشتریتها السمائة دینار اخرىٰ استعن بها علی دهرک ودفع الیٰ لتاباً فادخلت الرجل والجاية ماسمک قالت حورا فهؤ هالی دبت بها عروسا فعلقت بهذالغلام فسمية زيداً وهو هذاو اشترى ما قلت لک.

(زید شہید، مطبوعہ نجف اشرف بحوالہ بطل رشید زید شہید ص:۴۱)

سید ابن طاؤس کی مندرجہ بالا عربی عبارت کے ہم معنی یہی روایت بحار الانوار میں منقول ہے جسے ہم یہاں ترجمہ کے طور پر تحریر کر رہے ہیں:

ابو حمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ: "زمانہ حج میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی زیارت کیلئے حاضر خدمت ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں زانوں پر دو بچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ پس جب میں آپکے قریب پہنچا تو ان میں سے ایک بچہ اٹھا اور دروازے کے قریب گر پڑا، چوٹ لگی اور پیشانی سے خون جاری ہو گیا۔ امام عالی مقام فوراً اٹھے اور نہایت پیار سے اس بچے کو اٹھا کر اپنے کپڑے سے خون صاف کرنے لگے اور بچے سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "میں تیرے لئے خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس لئے کہ تو کناسہ کوفہ میں سولی پر لٹکایا جائیگا" "میں نے کہا" "میں آپ پر قربان ایسا ہر گز نہ ہوگا"۔ تب آپ نے ارشاد فرمایا" کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد کو نبوت کیلئے منتخب فرمایا۔ اگر تو میرے بعد زندہ رہا تو دیکھے گا کہ یقیناً میرا یہ بچہ نواح کوفہ کے ایک گوشہ میں قتل کیا جائیگا، اس کو دفن کیا جائیگا مگر بعد از دفن اس کی قبر کو شگافتہ کر کے اس کے جسم کو نکالا جائیگا۔ برہنہ لاش کو زمین پر کھینچا جائیگا اور پھر کناسہ کوفہ میں اس کو سولی پر لٹکایا جائے گا۔ کچھ عرصہ بعد اس کے جسم کو سولی سے اتار کر جلایا جائیگا، جلے ہوئے جسم کو کوٹا جائے گا اور پھر اس کے جسم کی راکھ کو بیابان میں ہوا کی نذر کر دیا جائے گا"۔

ابو حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ مولیٰ! اس بچے کا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ میرا بیٹا زید ہے۔ اس کے بعد امام کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ کچھ دیر گریہ فرمانے کے بعد آپ نے فرمایا اے ابو حمزہ! کیا میں تجھ سے اپنے بیٹے زید کی داستان بیان کروں؟ میں نے عرض کیا ارشاد فرمائیے۔ تب امامؑ نے بیان فرمایا کہ بیشک رات کے وقت جبکہ میں مشغول رکوع و سجود تھا مجھ پر یکا یک ایسی حالت طاری ہوئی کہ مجھے نیند آ گئی اور میں نے اس حالت میں اپنے آپ کو بہشت میں پایا جہاں حضرت رسولِ خداؐ، حضرت علیؑ اور جنابِ فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ موجود ہیں۔ پس ان بزرگوں نے ایک کنیز حور العین سے میری تزویج کر دی اور بعد کو میں نے صدرۃ المنتہیٰ کے قریب غسل کیا۔ جب میں وہاں سے واپس آیا تو میں نے ایک ہاتف غیبی کی آواز سنی جس نے دو مرتبہ مجھے میرے فرزند زید کے متعلق تہنیت مبارکباد پیش کی۔ میں خواب سے بیدار ہوا اور میں نے فوراً نماز کیلئے طہارت کی نماز صبح پڑھی۔ ابھی کچھ دیر بھی نہ گزری تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے دیکھا کہ دروازے پر ایک مرد ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے جس نے اپنی آستینوں سے اپنے ہاتھوں کو لپیٹ رکھا تھا۔ اور چہرہ پر پردہ پڑا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ تیری کیا حاجت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ "میں علی بن الحسین سے ملنا چاہتا ہوں"۔ میں نے کہا "میں ہی علی بن الحسین ہوں" اس نے کہا "میں مختار بن ابو عبیدہ ثقفی کا ایلچی ہوں۔ اس نے آپکو سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ کنیز ہمارے اطراف میں اتفاق سے مل گئی۔ میں نے اس کو چھ ہزار دینار میں خریدا ہے اور مزید چھ ہزار دینار ارسالِ خدمت پیش ہیں ان کو مصارف میں صرف فرمائیے"۔ اس کے بعد قاصد نے ایک خط دیا۔ پس اے ابو حمزہ ثمالی! میں کنیز کو معہ اس مرد کے گھر میں

لے آیا اور خط پڑھ کر اس کا جواب لکھا۔ اس کے بعد میں نے اس کنیز سے نام دریافت کیا۔ اس نے اپنا نام حوراء بتایا۔ میں نے اسے اپنی زوجیت میں لیا۔ جب بچہ تولد ہوا تو میں نے اس کا نام زید رکھا اور یہ وہی بچہ ہے۔ اے ابوحمزہ! بہت جلد ایسا ہوگا جیسا کہ میں نے اس کے بارے میں تجھ سے بیان کیا ہے۔ ابوحمزہ کا بیان ہے کہ خدا کی قسم مجھے امام کے قول میں قطعاً شبہ پیدا نہیں ہوا بلکہ تھوڑا سا زمانہ گذرا تھا کہ زید کا بعینہٖ وہی انجام ہوا جیسا کہ امام سے سنا تھا''۔[1]

جناب معمر سے روایت منقول ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

''اے عم محترم! میں آپ کو خدا کی پناہ میں دیتا ہوں کہ آپ کناسہ میں سولی پر چڑھائے جائیں گے''

(امالی ص:۳۰، بحارالانوار ج:۶ ص:۱۸۹)

علامہ باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا:

''مجھ سے تو میرے پدر بزرگوار نے میرے جد نامدار سے یہ سن کر فرمایا کہ ان کی اولاد میں ایک فرزند ہوں گے جن کا نام زید ہوگا جو کوفہ میں قتل کئے جائیں گے اور کناسہ میں سولی پر لٹکائے جائیں گے اور وہ اپنی قبر سے برآمد ہوں گے تو ان کی روح کیلئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اہل آسمان ان سے خوش و مسرور ہوں گے اور انکی روح ہرے پرندے کے پوٹے میں رکھ دیجائے گی جو آزادی کے ساتھ جہاں چاہے گا جنت میں چلے پھرے گا''۔ (بحارالانوار ج: ۶ ص:۱۸۹)

یہی روایت دقاق نے حضرت امام زین العابدینؑ سے نقل کی ہے جو عیون اخبار الرضا ج:۱ ص:۲۵۰ میں درج ہے۔

جناب جابر جعفی نے امام محمد باقرؑ سے روایت بیان کی ہے کہ امام نے فرمایا:

[1] تفسیر فرات ص:۱۷ مطبوعہ نجف، بحارالانوار ج:۶ ص:۲۱۱، بطل رشید زید شہید ص:۳۹

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسینؑ سے یوں مخاطب ہوئے کہ اے حسین! تمہاری نسل سے ایک فرزند پیدا ہونگے جنہیں زید کہا جائیگا وہ اور انکے ساتھی قیامت کے دن لوگوں سے آگے قدم بڑھاتے ہوئے گذریں گے کہ انکے چہرے روشن اور نورانی ہوں گے اور بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے''۔

(نفس المصدر ج:۱ص:۳۳۰، بحار الانوار ج:۶ص:۱۹۲)

عون بن عبداللہ جن تک چھ راویوں کا سلسلہ پہنچتا ہے بیان کرتے ہیں کہ:

''میں جناب محمد بن حنفیہ کے پاس ان کے مکان کے صحن میں بیٹھا تھا کہ جناب زید بن امام حسن علیہ السلام ادھر سے گذرے۔ جن پر آپ نے ایک نظر ڈالی اور اس کے بعد کہا کہ امام حسینؑ کی اولاد میں ایک فرزند ہونگے جن کا نام بھی زید ہوگا وہ عراق میں سولی پر چڑھائے جائینگے۔ ایسی حالت میں جو بھی ان کی شرمگاہ کو دیکھے اور ان کی مدد نہ کرے تو خداوند عالم اس کے چہرہ کو آتش جہنم میں اوندھا کر دیگا''۔

(امالی، شیخ صدوقؒ ص:۳۳۵، بحار الانوار ج:۶ ص:۱۹۱)

مندرجہ بالا بیانات کی روشنی میں یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت زید شہیدؒ کی شہادت اور آپ کے ساتھ پیش آنے والے دیگر واقعات کی بابت بہت پہلے پوری تفصیل سے مطلع کر دیا گیا تھا اور آپ کے ساتھ ہو بہو ویسا ہی ہوا جیسا کہ معصومین علیہم السلام نے ارشاد فرمایا تھا۔ آپ کا جہاد کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا بلکہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے بعد حضرت زید شہیدؒ نے عملی قدم اٹھایا تھا۔ لہٰذا آپ کے جہاد پر اعتراض کرنے والوں اور جہاد نہ کرنے کا مشورہ دینے والوں کی کیفیت بالکل ویسی ہی تھی جیسی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو مشورہ دینے والوں کی تھی۔

زید شہیدؒ اور دربارِ ہشام

اوقاف سے متعلق تنازعہ: اولادِ امام حسنؑ اور اولادِ امام حسینؑ کے مابین اوقاف سے متعلق ایک تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس تنازعہ کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے اوقاف کی تولیت کے فرائض حضرت امام محمد باقرؑ کے سپرد تھے۔ اولاد امام حسنؑ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ چونکہ وہ حضرت علیؑ کے بڑے فرزند حضرت امام حسنؑ کی اولاد میں سے ہیں لہٰذا اوقاف کی تولیت اُن کا حق بنتا ہے۔ اسی گمان کے پیشِ نظر جعفر بن حسن بن امام حسنؑ (حسن مثنیٰ) نے والئ مدینہ ابراہیم بن ہشام مخزومی کے روبرو اپنا مقدمہ پیش کیا۔ حضرت امام محمد باقرؑ نے اس مقدمہ کی پیروی کیلئے اپنے چھوٹے بھائی حضرت زید شہیدؒ کو مقرر فرمایا۔ لہٰذا اس مقدمہ کی پیروی اولادِ امام حسنؑ کی جانب سے جناب جعفر بن حسن بن امام حسنؑ (حسن مثنیٰ) اور اولادِ امام حسینؑ کی طرف سے حضرت زید شہیدؒ کر رہے تھے۔

طبری کا بیان ہے کہ جویریہ بن اسماء کہتے ہیں کہ میں نے زید بن علی اور جعفر بن حسن بن حسنؑ کی وہ مقدمہ بازی جو حضرت علیؑ کے اوقاف کے متعلق تھی دیکھی ہے۔ زید بن الحسین کی جانب سے اور جعفر بن الحسن کی طرف سے مقدمہ لڑتے تھے۔ جعفر اور زید والی (گورنر) کے سامنے ایک دوسرے کے مقابلہ میں

حد سے آگے بڑھ جاتے تھے اور پھر اٹھ جاتے تھے اور جو گفتگو اُن میں ہو چکی ہوتی تھی اُس کا ایک حرف واپس نہیں لیتے تھے۔

جعفر بن حسن مثنیٰ کے انتقال کے بعد انکے بھائی عبداللہ بن حسن مثنیٰ مقدمے کی پیروی کرنے لگے۔ اسی دوران ہشام بن عبدالملک نے ۱۱۴ھ میں ابراہیم کو مدینہ کی گورنری سے ہٹا کر خالد بن عبدالملک بن حارث بن حکم کو مدینہ کا والی مقرر کیا جو ۱۱۸ھ تک اس عہدے پر فائز رہا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ والیٔ مدینہ ابراہیم کے آخری عہد میں شروع ہوا۔ بعد میں خالد کے روبرو پیش ہونے لگا۔ خالد بنی ہاشم کی دشمنی میں شدید تھا۔ وہ اولاد حسنؑ اور اولاد حسینؑ کو آپس میں لڑوا کر تماشہ دیکھا کرتا۔

ایک روز دورانِ بحث جناب عبداللہ نے حضرت زید شہیدؒ سے کہا "تم ان اوقاف کو لینا چاہتے ہو حالانکہ تم ایک سندھی لونڈی کے بطن سے ہو" مدائنی کا بیان ہے کہ جب عبداللہ نے زید کے متعلق یہ لفظ کہا تو زید نے جواب دیا: جی ہاں یہ صحیح ہے مگر میری ماں نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد کسی اور سے شادی نہیں کی اور چپ بیٹھی رہی، برخلاف دوسروں کے کہ ان سے صبر نہ ہو سکا۔ مگر پھر زید کو اپنے کہنے پر ندامت ہوئی اور اس بناء پر وہ اپنی پھوپی سے شرمانے لگے اور ایک زمانہ تک ان کے سامنے نہیں گئے۔ مگر پھر خود انکی پھوپی نے زید سے کہلا بھیجا کہ: اے میرے بھتیجے! میں اس بات کو جانتی ہوں کہ تم اپنی ماں کو ایسا ہی سمجھتے ہو جیسا کہ عبداللہ اپنی ماں کو سمجھتے ہیں۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ فاطمہ (مادر عبداللہ) نے زید سے کہلا بھیجا کہ اگر عبداللہ نے تمہاری ماں کو بُرا کہا ہے تو تم بھی انکی ماں کو بُرا کہو۔ انہوں نے عبداللہ سے پوچھا کہ تم نے زید کی ماں کو برے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ عبداللہ نے کہا جی ہاں۔ تب فاطمہ نے کہا "بخدا تم نے بہت بُرا کیا۔ زید کی ماں غیر کفو سے آنے والی بیویوں میں بہترین بیوی تھیں"۔[1]

---

[1] تاریخ طبری ج:۶ ص:۲۶۸

بعض روایتوں میں ہے کہ عبداللہ نے کہا کہ **اقطع ان تنا لها و انت لامة سندیه** (تم اس کی خواہش کیسے کر سکتے ہو جبکہ تم ایک سندھی عورت کے بطن سے ہو)۔ اس عار دلانے پر بجائے خفا ہونے کے **تضاحک زید** (حضرت زید ہنس پڑے) اور اپنی سندھی ماں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ **فوا لله لقد صبرت بعد وفات سید ها فما تعبت بابها اذا لم یصبر غیرها** یعنی میری ماں نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد صبر کیا اور کسی دوسرے آدمی سے شادی نہیں کی حالانکہ اس کے مقابلہ میں دوسری عورت نے تو صبر سے کام نہیں لیا۔[1]

ابن اثیر نے زید شہیدؒ کے جہاد کے اسباب میں سے ایک سبب اس مقدمہ اوقاف میں خالد کے برتاؤ کو قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "ان کا مقدمہ حاکم مدینہ خالد بن عبدالملک کے روبرو تھا۔ وہ ان کو آپس میں لڑوا کر تماشہ دیکھتا تھا۔ ایک دن خالد نے منادی کرادی کہ یہ دونوں فریقین اس کے سامنے حاضر ہوں۔ اور اگر میں ان دونوں کے مقدمہ کا فیصلہ نہ کردوں تو میں اپنے باپ کا بیٹا نہیں۔ اور تمام لوگوں کو حاضر ہونے کی دعوت دی۔ صبح ہوتے ہی مسجد میں لوگ جمع ہو گئے۔ خالد نے ان دونوں کو بلایا اور کوشش کی کہ دونوں میں گالی گلوج ہو جائے۔ لیکن زید اس کے ارادہ کو سمجھ گئے۔ عبداللہ نے بحث شروع کی۔ زید نے ان کو تو روک دیا اور خالد سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو نے ہماری تذلیل و تحقیر کیلئے ہمیں اور لوگوں کو جمع کیا ہے۔ قسم بخدا یہ وہ امر ہے جسکی ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھی جرات نہ ہوئی۔ خالد نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔ کیا ہے تم میں کوئی بہادر جو اس شخص کو ٹھیک کر دے۔ ایک انصاری اٹھ کھڑا ہوا اور جناب زید کو برا بھلا کہنے لگا۔ لیکن لوگوں نے بیچ بچاؤ کرادیا"۔[2]

---

[1] امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۳۵، [2] اردو ترجمہ: تاریخ کامل حصہ دوم ص: ۴۴۰

اسی واقعہ کو طبری نے قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پھر خالد بن عبدالملک نے ان دونوں سے کہا کل صبح آپ تشریف لائیں اگر میں آپ کے درمیان تصفیہ نہ کردوں تو میں عبدالملک کا بیٹا نہیں۔ اس خبر سے مدینہ میں کھلبلی مچ گئی۔ جتنے منہ اتنی باتیں، کوئی کہتا تھا زید نے ایسا کہا کوئی کہتا تھا عبداللہ نے ایسا کہا۔ دوسرے دن خالد نے دربار منعقد کیا، تمام لوگ جمع ہوئے، ان میں سے بعض خوش ہونے والے تھے اور بعض غمگین، خالد نے دونوں صاحبوں کو سامنے بلایا، وہ چاہتا تھا کہ اس طرح ان کی جگ ہنسائی ہو، عبداللہ گفتگو کرنا چاہتے تھے کہ زید نے ان سے کہا "اے ابومحمد! آپ جلدی نہ کیجئے، اگر زید اب کبھی خالد کے سامنے آپ سے مخاصمت کرے تو اس کے تمام لونڈی غلام آزاد ہیں"۔ پھر زید نے خالد کو مخاطب کر کے کہا "تو نے رسول اللہ کی اولاد کو ایسی بات کیلئے اپنے سامنے بلایا ہے جس کے لئے ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی انہیں اپنے پاس نہیں بلاتے تھے"۔ خالد نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا "کیا کوئی شخص یہاں ایسا نہیں جو اس بیوقوف کو جواب دے"۔

انصار میں سے ایک شخص نے جو عمرو بن حزم کی اولاد میں سے تھا کہا کہ "اے ابی ترابؓ اور حسینؓ احمق (معاذاللہ) کے بیٹے کیا تو والی کا اپنے اوپر کوئی حق نہیں سمجھتا اور کیا انکی اطاعت تیرے لئے ضروری نہیں ہے" زید نے کہا "اے قحطانی تو خاموش رہ، میں تجھ ایسے کو جواب نہیں دینا چاہتا" اُس نے کہا آپ مجھ سے کیوں الگ ہٹتے ہیں۔ بخدا میں تم سے اچھا ہوں، میرا باپ تمہارے باپ سے اور میری ماں تمہاری ماں سے بہتر ہے۔ زید ہنسے اور کہنے لگے: اے گروہِ قریش دین تو جا ہی چکا، کیا حسب بھی رخصت ہو گیا؟ یہ تو ہوا ہے کہ کسی قوم کا دین جا چکا ہے مگر ان کے حسب نہیں جاتے۔ تب عبداللہ بن واقد بن عبداللہ

بن عمرؓ بن الخطاب نے کہا ''اے قحطانی تو جھوٹا ہے، زید تجھ سے اپنی ذات، اپنے والدین اور اصل ونسل کے اعتبار سے افضل ہیں'' اسی طرح کی اور بھی بہت سی باتیں انہوں نے کہیں۔ اس قحطانی نے ان سے کہا ''ابن واقد تم اس معاملہ سے الگ رہو'' ابن واقد نے مٹھی بھر کنکریاں اٹھا کر زمین پر دے ماریں اور پھر کہنے لگے: افسوس بخدا ہم ایسی باتوں پر صبر نہیں کر سکتے، پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے[1]

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ کیا کسی عدالت یا کسی منصف کے روبرو فریقین کو اس امر کی اجازت ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی ذاتیات پر رکیک حملے کریں؟ اور انصاف کرنے والا با اختیار شخص اُن کے ایسے اقدامات سے محظوظ ہوتا رہے؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ والیٔ مدینہ مقدمے کا فیصلہ کرنے میں مخلص نہ تھا بلکہ وہ اپنے اقدام سے فریقین کو مشتعل کر کے اُن کے جذبات کو برانگیختہ کیا کرتا تھا۔

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ حکمران طبقہ کس کس طرح سے اولادِ امام حسنؑ اور اولادِ امام حسینؑ کی باہمی چپقلش ظاہر کر کے ان کی تحقیر وتذلیل کا اہتمام کرتا تھا اور خاندانِ رسول کے معززین کو خلقِ خدا کے روبرو ذلیل ورسوا کرنے کے بہانے ڈھونڈتا تھا۔ حضرت زید شہیدؒ اور عبداللہ بن حسن مثنیٰ ہی کا یہ ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی تاریخ میں اس سے پہلے اور بعد بھی اسی نوعیت کے بہت سے واقعات کتابوں میں درج ہیں جن میں بنو امیہ اور بنو عباس کے حکمرانوں اور ان کے عمال نے بنی ہاشم کے معززین کو بدنام کرنے کی ہر دور میں ہر ممکن کوششیں کیں۔

زید شہیدؒ ہشام کے دربار میں: مقدمۂ اوقاف کے ضمن میں والیٔ مدینہ خالد بن عبدالملک کے ناروا سلوک کی شکایت کرنے کی غرض سے حضرت

[1] تاریخ طبری ج: ۶ ص: ۲۶۹،

زید شہیدؒ کو بادشاہِ وقت ہشام بن عبدالملک کے پاس دمشق جانا پڑا۔ اُس نے آپ کے ساتھ انتہائی حقارت آمیز برتاؤ کیا اور بھرے دربار میں آپ کی تذلیل وتوہین کی۔ آپ کی والدۂ ماجدہ کے کنیز ہونے کا طعنہ دیا اور حضرت زید شہیدؒ کا جواب سننے کے بعد آپ کو دربار سے نکال دیئے جانے کا حکم دیا اور آپ نکالدئے گئے۔ اس ضمن میں مورخین کے چند اقتباسات پیش ہیں:

طبری نے حضرت زید شہیدؒ سے ملاقات کرنے میں ہشام کے رویہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''زید، ہشام بن عبدالملک کے پاس آئے، ہشام کسی طرح ملاقات کا موقع نہیں دیتا تھا۔ زید مختلف قصص کے پیرایہ میں اجازت طلب کرتے، وہ ہر قصہ کے نیچے لکھ دیتا کہ جو تمہارے حاکم ہیں اُن کے پاس جاؤ، اس پر زید کہتے بخدا اب میں خالد کے سامنے تو کبھی نہیں جاؤں گا، میں کچھ مانگنے نہیں آیا۔ بلکہ میں اپنے حق کیلئے مقدمہ پیش کرنے آیا ہوں۔ آخر کار بہت عرصہ کے انتظار کے بعد ہشام نے ان کو باریابی کا موقع دیا''۔[۱]

ابو الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی نے تحریر کیا ہے کہ: ''زید رصافہ میں ہشام سے ملنے آئے یہ اس کے سامنے پہنچے، دربار میں اپنے بیٹھنے کیلئے کوئی جگہ نظر نہ آئی مجبوراً پائیں میں بیٹھ گئے اور ہشام کو مخاطب کر کے کہا ''اے امیر المومنین صرف خدا کے خوف سے انسان عظمت پاتا ہے اور جو متقی نہیں ہے وہ بڑا بھی نہیں ہے'' ہشام نے کہا ''خاموش رہ تو اپنے دل میں خلافت کے حصول کی تدبیریں سوچ رہا ہے حالانکہ تو لونڈی بچہ ہے'' زید نے کہا ''امیر المومنین اس کا جواب میرے پاس ہے، اگر آپ چاہیں تو دوں اور پسند نہ کریں تو خاموش رہوں'' ہشام نے کہا بیان کرو۔ زید نے کہا ''اعلیٰ مراتب کے حصول سے ماؤں نے کبھی کسی کو نہیں روکا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ماں

[۱] تاریخ طبری ج: ۶ ص: ۲۶۹

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ماں کی لونڈی تھیں، مگر یہ بات انکی نبوت میں حارج نہیں ہوئی۔ اللہ نے انھیں نبوت عطا فرمائی اور انھیں عرب کا مورثِ اعلیٰ بنایا اور انہی کی صلب سے خیر البشر حضور محمد رسول اللہ صلعم کو پیدا کیا۔ آپ مجھ سے جو فاطمہؓ اور علیؓ کا بیٹا ہے یہ بات کہتے ہیں!" زید یہ شعر پڑھتے ہوئے دربار سے چلے گئے:

شرّد الخوف فازری بہ کذاک من یکرہ حرّ الجلاد

ترجمہ: خوف کی وجہ سے اس پر یہ عیب لگایا گیا اور اس شخص کا جو سخت
اور پتھریلی زمین کی تپش سے گھبرائے یہی حال ہوتا ہے۔

منخرق الخفّین یشکوی الجویٰ تنکبہ اطراف مروحداد

ترجمہ: ان کی حالت اُس اونٹ کی ہے جسکے دونوں سم پھٹ گئے ہیں
اور وہ زخم کی تکلیف سے کراہ رہا ہے، اور نکیلے تیز سنگریزے اس میں
چبھ رہے ہیں۔

قد کان فی الموت لہ راحۃ والموت ختمٌ فی رقاب العباد

ترجمہ: اس کی یہ حالت ہو چکی ہے کہ اب موت ہی میں اسے راحت
مل سکتی ہے اور موت تو سب کو آئے گی۔

ان یحدث اللہ لہ دول یترک اثار العدی کالرماد

ترجمہ: اگر اللہ نے اسے حکومت دیدی تو وہ دشمنوں کے آثار تک مٹا
کر رکھ دیگا۔

یہ رصافہ سے سیدھے کوفہ آئے اور قرأ و عمائدِ کوفہ کو لیکر خروج کیا۔ یوسف بن عمر الثقفی نے ان کا مقابلہ کیا۔ جنگ ہوئی زیدیوں کو ہزیمت ہوئی مگر خود زید ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ میدانِ وغا میں ثابت قدم رہے اور

نہایت بہادری اور بے جگری سے اپنے دشمنوں سے لڑے۔ اُس وقت وہ یہ شعر اپنے حسب حال پڑھ رہے تھے:

فذل الحیات وعز الوفاۃ و کِلاً اراہ طعاماً وبیلا
فَان کان لاُبدّ من واحد فیری الی الموت سیرا جمیلا

ترجمہ: ذلت حیات اور عزت موت، میں دونوں کو غیر خوش آئند کھانا سمجھتا ہوں اور جب دونوں میں سے ایک لازمی ہے تو پھر اب موت ہی کی طرف خوشی سے چلنا چاہیے[1]

چونکہ حضرت زید شہیدؒ فرزندِ امام اور جلیل المرتبت عالم دین تھے لہٰذا آپ نے دلیل بھی نہایت معقول دی یعنی جس طرح عرف عام میں بی بی حاجرہ کو کنیز کہا گیا بالکل اسی طرح سے جنابِ حوراء کو بھی کنیز کی حیثیت سے شہرت دی گئی اور اس سے متعلق ایک کہانی گھڑ کر روایت کی صورت میں بیان کی گئی۔ حالانکہ ان معظمہ کی عظمت سے متعلق اقوالِ آئمہ موجود ہیں۔

طبری نے ہشام کے دربار میں زید شہیدؒ کی تذلیل اور اس موقع پر ہونے والی گفتگو کی بابت خود حضرت زید شہیدؒ کی روایت کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ: "میں نے ہشام کے روبرو کسی معاملہ پر قسم کھائی۔ ہشام نے کہا میں تمہیں سچا نہیں سمجھتا۔ میں نے کہا امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے کسی کا رتبہ اتنا نہیں بڑھایا کہ اسے یہ جرات ہو کہ وہ کوئی غلط بات اللہ کی نسبت سے بیان کرے اور نہ اس نے کسی کے درجہ کو اسقدر گھٹایا ہے کہ اگر وہ کوئی بات خدا کی نسبت سے بیان کرے تو اسے سچ نہ مانا جائے۔ ہشام نے مجھ سے کہا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم خلافت کے متمنی ہو، تم ایک لونڈی کے بطن سے ہو کر ایسی توقع کیونکر کر سکتے ہو؟ میں نے کہا امیر المومنین آپ کی بات کا ایک جواب بھی ہے، ہشام نے کہا، کہو۔

[1] اردو ترجمہ مروج الذہب ص: ۱۵۳

میں نے کہا "نبی مبعوث سے زیادہ اللہ کے نزدیک کسی کا مرتبہ ارفع و اعلیٰ نہیں، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ایک برگزیدہ نبی تھے اور ان کے پوتے محمد رسول اللہ صلعم جو بہترین نبی ہیں، حالانکہ حضرت اسمٰعیلؑ لونڈی کے بیٹے تھے اور ان کے بھائی، بیوی کے بطن سے تھے مگر اللہ نے حضرت اسمٰعیل کو ان کے بھائی پر ترجیح دی اور ان کی اولاد میں حضرت محمد رسول اللہ کو پیدا کیا جو خیر البشر ہیں اور رسول اللہ صلعم کے دادا کے متعلق کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ پوچھے کہ ان کی ماں کون تھیں"۔ ہشام نے انہیں نکل جانے کا حکم دیا۔ زید نے کہا میں جاتا ہوں مگر یاد رکھو اب تم صرف ایسی صورت میں مجھے دیکھو گے جو تمہیں ناگوار ہوگی۔[1]

حضرت زید شہیدؒ والیٔ مدینہ خالد بن عبدالملک کے غیر مناسب رویہ کی شکایت کرنے کی غرض سے ہشام کے پاس دمشق گئے، مگر وہاں بجائے دادرسی کے ہشام نے خالد سے بھی زیادہ تحقیر آمیز رویہ اختیار کیا جسے بیشتر علماء و مورخین نے بیان کیا ہے جن میں سے چند اقتباسات ہم گذشتہ صفحات میں نقل کر آئے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر زید شہیدؒ کا دربارِ ہشام میں جانا ۱۱۴ھ کا واقعہ ہے۔ کیونکہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے ماموں ابراہیم بن ہشام بن اسمٰعیل کو ۱۱۴ھ میں مدینہ کی گورنری سے معزول کر کے اس کی جگہ خالد بن عبدالملک بن حارث بن حکم کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا تھا، عبداللہ بن حسن مثنیٰؑ اور زید شہیدؒ کا تنازعہ ابراہیم بن ہشام کے دورِ ولایت میں شروع ہوا جو بعد میں خالد بن عبدالملک کے روبرو پیش ہوا تھا ہشام نے نہ صرف بھرے دربار میں آپ کی توہین و تذلیل کی بلکہ اپنے کارندوں کے ذریعہ آپ کو شام کی سرحد تک چھڑوا دیا۔ حضرت زید شہیدؒ وہاں سے مدینہ آ گئے اور وہیں رہے حتیٰ کہ خالد القسری کے قضیہ میں طلبی پر آپ کو مدینہ ہی سے دمشق اور پھر کوفہ بھیجا گیا۔

---

[1] اردو ترجمہ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۷۰

کوفہ کے دو گورنر: حضرت زید شہیدؒ کے جہاد اور شہادت کے واقعات میں کوفہ کے دو گورنروں خالد بن عبداللہ القسری اور یوسف بن عمر الثقفی کا اہم کردار تھا لہٰذا ہم ان دونوں کا مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں، ویسے ابن اثیر اور طبری وغیرہ نے انکی تضادات میں ڈوبی ہوئی زندگی کی بابت بہت کچھ لکھا ہے۔

۱) **خالد بن عبداللہ القسری:** یہ ۱۰۵ھ سے ۱۲۰ھ تک کوفہ کا گورنر رہا۔ اسکا تعلق ایک قلیل تعداد قبیلے بنی بجیلہ سے تھا۔ اس کی ماں روم کی نصرانی عورت تھی، اُس نے مرتے دم تک اپنے آبائی مذہب کو ترک نہیں کیا تھا، ماں کی نسبت سے خالد کو لوگ 'ابن النصرانیہ' کہتے تھے۔ ہشام نے مسندِ اقتدار پر بیٹھنے کے بعد ہی اسے کوفہ کا والی مقرر کیا تھا اور یہ مسلسل بیس سال اس عہدہ پر فائز رہا۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ اس کے زیر ولایت علاقہ پر غیر مسلموں کی حکمرانی تھی بقول ابن اثیر:

کان الاسلام ذلیلا والحکم فیه لاهل الذمة [1]

یعنی اس کے زمانہ میں اہل اسلام ذلیل تھے اور حکومت اہل ذمہ (غیر مسلموں) کے ہاتھ میں تھی۔ خالد کی بابت یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کسی شاعر نے یہ شعر کہے تھے کہ:

لیتنی فی المؤذنین حیاتی　　انهم یبصرون من فی السطح
نیشیرون او تشیر الیهم　　بالهوی کل ذل ملیح

یعنی: کاش مؤذنوں کے ساتھ میری بھی زندگی گذرتی یہ لوگ چھتوں پر رہنے والیوں کو دیکھتے ہیں پھر خود یہ مؤذن اشارے کرتے ہیں یا پھر ناز و غمزہ والی ملیح عورت محبت کا پیغام مؤذنوں کو دیتی ہے۔

---

[1] الکامل، ابن اثیر ج: ۵ ص: ۸۲

کہتے ہیں کہ ان ہی اشعار کی بنیاد پر خالد نے ہر مؤذن پر الزام عائد کیا کہ وہ لوگوں کی بہو بیٹیوں کو جھانکتے ہیں لہٰذا اس نے مسجدوں کے مینارے منہدم کرا دیئے۔ خالد کی بابت طبری نے لکھا ہے کہ "یہ وہ شخص ہے جو مساجد کو منہدم کراتا ہے، گرجاؤں اور آتشکدوں کی تعمیر کراتا ہے، مجوسیوں کو مسلمانوں پر والی مقرر کرتا ہے، مسلمان عورتوں کا ذمیوں سے بیاہ کراتا ہے"۔[۱]

خالد کی تضاد خیالی کی واقعات کو ابن اثیر نے تفصیلاً لکھا ہے۔ ہم یہاں اُن میں سے چند کو مختصراً بیان کر رہے ہیں تاکہ اُس کے عقائد و نظریات کا اندازہ ہو سکے:

خاندانِ بنی امیہ کے ایک معزز شخص نے خالد سے کچھ امداد چاہی، جس کے نہ ملنے پر اُس نے یہ افواہ پھیلائی کہ "لین دین کا تعلق تو خالد ہاشمیوں سے رکھتا ہے اور ہمارے لئے اُس کے پاس صرف علی کی صلواتیں رہ گئی ہیں"۔[۲] جب اس اموی کی شکایت خالد تک پہنچی تو اُس نے بے ساختہ کہا "**لئن احب فلنا عثمان بشیئ**۔"[۳] یعنی اگر اُس کا جی چاہے تو کچھ عثمان کو بھی سنا دوں۔ ابن اثیر کا یہ بھی بیان ہے کہ وہ اپنے آقا ہشام بن عبدالملک سے عقیدت کے اظہار میں اس حد تک غلو کرتا تھا کہ **العیاذ باللہ** رسولؐ سے افضل بتا دیتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ "**ان الخلیفة هشاماً افضل من الرسول**". خالد اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کی خاطر بر سرِ منبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر سب و شتم کی بوچھاڑ کیا کرتا تھا۔[۱] اس کی بابت جسٹس امیر علی کے بیان کا ترجمہ جناب سلطان مرزا دہلوی نے اس طرح کیا ہے کہ:

> ترجمہ: ہشام کی ابتدائی خلافت سے حکومتِ عراق پر خالد متعین تھا
> اُس نے صوبے میں انصاف و طاقت کی صحیح حکومت چلائی۔ لیکن

---

[۱] تاریخ طبری ج:۶ ص:۲۲۷، [۲] الکامل ج:۵ ص:۵۲ [۳] الکامل ج:۵ ص:۸۲،

چونکہ وہ بنو ہاشم پر اتنی سختی نہیں کرتا تھا جتنا کہ بنو امیہ چاہتے تھے۔ اسکے متعدد دشمن ہو گئے جنہوں نے اس کے خلاف ہشام کے کان بھرے۔ ایک تو یہ وجہ ہوئی دوسری وجہ یہ تھی کہ اس کی دولت پر ہشام کی للچائی ہوئی نظریں پڑنے لگیں۔ ۱۲۰ھ میں جناب امام جعفر کی امامت کے چھ سال بعد ہشام نے خالد کو عراق کی حکومت سے معزول کر کے اس کی جگہ یوسف بن عمر کو مقرر کر دیا۔ جس کی فطرت میں ظلم و مکر بھرے ہوئے تھے۔ خالد کی ساری جائیداد ضبط کر لی گئی اور اس کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ اسکے صرف دو اسباب تھے اول، خالد کا دولتمند ہونا۔ دوم، بنو ہاشم سے نرمی کرنا۔ اسکی حکومت میں کوئی قصور نہ تھا۔

(نور المشرقین من حیات الصادقین ص۔۲۶۵)

الغرض خالد کی تضادات سے بھری زندگی کے بہت سے واقعات تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ اس کے زوال کا باعث اسکی دولت کی کثرت تھی۔ اس نے اپنی جاگیر میں نہروں کا جال بچھا رکھا تھا جس کے سبب اس کی آمدنی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اور اس نے اپنے پندرہ سالہ دورِ اقتدار میں دونوں ہاتھوں سے دولت بٹوری۔ یہی دولت اسکی جان کا عذاب بن گئی۔ یعنی خالد نے اپنی دولت کو بے تحاشہ بڑھا کر اپنی قبر خود کھود لی۔ ہشام بن عبدالملک جیسا دولت کا عاشق، حریص ولالچی بادشاہ کیونکر برداشت کر سکتا تھا کہ اس کے مقرر کردہ کسی گورنر کے پاس اتنی کثیر دولت ہو۔ ہشام کی اس فطرت کی بابت مسعودی کا بیان ہے کہ "ہشام کے عہد میں لوگ اسکے روش پر چلنے لگے۔ جس کے پاس جو کچھ تھا اس کو دبانے کی فکر میں ڈوب گیا حُسنِ سلوک کے راستے مسدود ہو گئے اور مہمان نوازی کا سلسلہ ٹوٹ گیا" ہشام کی طمعِ دولت کا عالم یہ تھا

۱۔ الکامل، ابن اثیر ج:۵ ص:۱۰۳

کہ رعایہ اپنا غلہ اس وقت تک فروخت نہیں کر سکتی تھی جب تک کہ بادشاہِ وقت ہشام بن عبدالملک کا تمام غلہ اچھے داموں نہ بک جائے۔

۲) **یوسف بن عمر ثقفی:** یوسف کی بابت مورخین نے لکھا ہے کہ وہ بہت پستہ قد تھا لیکن ڈاڑھی لمبی تھی۔ اس کیلئے مشہور تھا کہ وہ نماز روزے کا بڑا پابند تھا۔ بقول مسعودی وہ دیر تک نمازیں پڑھتا مسجد میں زیادہ وقت گذارتا تھا۔ ہشام نے جب اسے عراق کا گورنر بنا کر بھیجا تو اہل کوفہ کو بہت خوشی ہوئی تھی کیونکہ ان کو ابن نصرانیہ سے نجات ملی۔ اسی لئے کوفہ کے شاعر یحییٰ بن نوفل نے یہ شعر کہا:

فلما اتانا یوسف الخیر اشرقت   لہ الارض حتیٰ کل واد منور

یعنی: جب بھلائی والا یوسف آیا تو زمین چمک اٹھی گویا ہر وادی جگمگا رہی ہے۔

لیکن بنی امیہ کا گورنر بہرحال بنی امیہ کا گورنر ہی تھا۔ وہ بھی سگِ زرد کا بھائی شغال ہی نکلا۔ چند دنوں کے بعد ہی معلوم ہو گیا کہ یوسف کو جنون ہے۔ اس کے نماز روزے کا سارا قصہ بھی جنون کے ظہور کی ایک شکل ہے۔ صدق ابن الخنا اس کا تکیہ کلام تھا۔ سچ بھی اس کے نزدیک جھوٹ تھا اور جھوٹ بھی جھوٹ تھا۔ اس کے جنون کے بہت سے واقعات جو لوگوں میں مشہور تھے ان کی فہرست طویل ہے۔ نمونے کے لئے یہ چند مثالیں پیش ہیں جنہیں مولانا مناظر احسن گیلانی نے تحریر کیا ہے۔

"چار خانے بنے ہوئے کپڑے جلاہوں سے بنواتا۔ بیچارہ جلاہا بنا کر لاتا۔ اپنے سیکریٹری سے پوچھتا کیوں بے کیسا ہے؟ سیکریٹری کہتا کہ خانے کچھ چھوٹے ہیں تب جولاہے سے کہتا 'صدق ابن الخنا' سچ تو کہتا ہے اے الخناء کے بچے، جولاہا کہتا حضور اس فن سے میں زیادہ واقف ہوں، تب سیکریٹری

سے کہتا سچ تو کہتا ہے اے بے الخناء کے بچے، سیکریٹری جواب میں کہتا اس جلاہے کو سال میں ایک دو تھان بنانے کی نوبت آتی ہوگی اور میرے ہاتھ سے سیکڑوں تھان سالانہ گذرتے ہیں یہ بیچارہ اس کی خوبیوں کو کیا جانے، تب جولاہے سے یوسف کہتا سچ تو کہتا ہے اے بے الخناء کے بچے۔ الغرض یون ہی اِس کی بھی تصدیق کرتا اور اُس کی بھی، پھر اسے بھی جھٹلاتا اور اُسے بھی۔ اسی طرح مزاج میں سختی اتنی تھی کہ فرمائش سے ذرہ برابر بھی کسی چیز میں نقص رہ جاتا تو بنانیوالوں پر سیکڑوں کوڑے پڑ جاتے۔

ایک دفعہ اپنی لونڈیوں کو بلا کر، اس وقت جب سفر میں جا رہا تھا، پوچھا کہ کون کون میرے ساتھ چلے گی، ایک بولی کہ سرکار میں جاؤں گی۔ بس بگڑ بیٹھتا اور فحش باتیں کہتا، حکم غلام کو دیتا کہ لگا اس کے سر پر کوڑے، دوسری یہ دیکھ کر کہتی کہ سرکار میں گھر ہی پر رہوں گی تب کہتا کہ مجھ سے چڑتی ہے غلام! لگا اسے کوڑے، اب تیسری سے پوچھتا کہ بتا تو کیا چاہتی ہے۔ دونوں کا حشر دیکھ کر کہتی کہ میں کیا بتاؤں، جو بات بھی کہوں گی اس کی سزا دیکھ چکی ہوں تب کہتا کہ کیوں ری میری بات میں بیخ نکالتی ہے اور باتیں بناتی ہے، غلام! لگا اسے بھی کوڑے"۔ ظاہر ہے کہ جنون کے سوا ان حرکات کی اور کیا توجیہ ہو سکتی ہے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یوسف کپڑے سلوانے کیلئے درزی کو بلاتا۔ اگر درزی یوسف کے قد کی مناسبت سے کہدیتا کہ جو کپڑ دیا گیا ہے اس میں فاضل بچے گا، تو بگڑ جاتا اور فوراً کوڑے مارنے کا حکم دیتا۔ لیکن اگر جاننے والا درزی ہوتا تو کہتا کہ کپڑا سرکار کے بھاری بھرکم بدن کے لئے کافی نہیں ہو سکتا، تو خوشی سے پھول جاتا۔ اس ذریعہ سے درزی خوب کپڑا وصول کرتے تھے۔

یوسف کی ایسی ہی ظالمانہ حرکات کو دیکھ کر اہلِ کوفہ کو بڑی مایوسی ہوئی اور انہی حالات کے پیشِ نظر یحییٰ بن نوفل شاعر کو پھر لکھنا پڑا کہ:

اذا ناوا لخلیفة اذ ر مانا مع الاخلاص بالرجل الجدید
کاهل النار حین دعوا اغیثوا جمیعا بالحمیم و بالصدید

یعنی خلیفہ نے گوا خلاص سے نئے آدمی سے ہم لوگوں کو مشرف فرمایا، لیکن واقعہ یہ ہوا کہ جہنمی جب جہنم میں فریاد کریں گے اور مانگیں گے تو ان کی فریادرسی گرم پانی اور پیپ سے کی جائے گی۔ یہی ہمارا حال ہوا کہ فریاد تو سنی گئی لیکن یوسف کو بھیج کر گویا گرم پانی اور ریم کے ذریعہ فریادرسی کی گئی ہے۔[۱]

جسٹس امیر علی نے تحریر کیا ہے کہ:

In 120 A.H. Khalid was removed from the viceroyalty of Iraqk, and his place was taken by Yusuf (bin Omar), described as a hy pocrite and a man of changeable temprament and cruel propensities. He was a Modharite and hated Khalid.

(A Short History of Saracens P: 155)

ترجمہ: خالد کو ۱۲۰ھ میں عراق کی ولایت سے معزول کر کے اس کی جگہ یوسف بن عمر ثقفی کو مقرر کیا گیا، جو دینی ریاکاری و مکاری اور متغیر رجحانات و بے رحم ذہنیت کا مالک مشہور تھا۔ وہ مضری تھا اور خالد سے نفرت کرتا تھا۔

خالد کی معزولی و گرفتاری: طبری کا بیان ہے کہ ہشام نے خالد کو معزول کر دینے کے ارادہ کو کسی شخص سے بیان نہیں کیا، بلکہ خود اپنے قلم سے یوسف عامل یمن کو لکھا کہ تم تیس آدمیوں کے ساتھ عراق جاؤ اور خالد کو معزول کر کے گرفتار کر لو۔ لہٰذا یوسف نے اپنے بیٹے صلت کو یمن کا قائم مقام گورنر بنایا اور خود کوفہ کو طرف روانہ ہوا۔ کوفہ کے بالکل قریب پہنچ کر اُس نے رات بسر کی۔ جب رات کے پہرہ دار سپاہی یوسف اور اُس کے ساتھیوں کے پاس سے

[۱] امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۲۹

گزرے اس وقت یوسف نماز پڑھ رہا تھا اس کے لباس سے عطر کی خوشبو مہک رہی تھی۔ گشت والے سپاہیوں نے پوچھا تم کون ہو؟ اُنہوں نے کہا ہم راہ گیر ہیں۔ گشت والے خالد کے مالگذاری افسر طارق کے پاس آئے جسکے گھر پر محفلِ نشاط گرم تھی۔ اور واقعہ کی تفصیل بیان کی اور کہا کہ ہم ان لوگوں کو اچھا نہیں سمجھتے، ہمارا خیال ہے کہ ہم انھیں قتل کر ڈالیں، طارق نے انھیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ صبح ہوتے ہی وہ لوگ بنی ثقیف کے مکانوں میں چلے گئے۔ گشت والے سپاہیوں نے پھر طارق کو اطلاع دی۔ ادھر یوسف نے ایک ثقفی سے کہا کہ یہاں جتنے بھی مضری ہیں ان سب کو میرے پاس بلالاؤ۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ جب فجر کی نماز کا وقت ہوا یوسف مسجد میں آیا اور مؤذن کو اقامت کا حکم دیا، مؤذن نے کہا امام کو آجانے دیجیے۔ یوسف نے اسے ڈانٹ بتائی۔ نماز کے بعد اپنے آدمی بھیج کر خالد، طارق اور ان کے مصاحبین کو گرفتار کر لیا۔ یہ جمادی الآخر ۱۲۰ھ کا واقعہ ہے۔

خالد کو گرفتار کرنے کے بعد یوسف نے اہلِ کوفہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ”امیر المومنین نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ابن النصرانیہ کے تمام عمال کو گرفتار کر کے امیر المومنین کو ان کی جانب سے مطمعن کر دوں۔ میں اس حکم کی پوری تعمیل کروں گا بلکہ اس سے بھی زیادہ کروں گا۔ اے عراقیو! جو تم میں منافق ہیں انھیں تلوار سے قتل کروں گا اور تمہارے فاسقوں بدمعاشوں کو عذاب دے کر ہلاک کروں گا“ اتنا کہکر یوسف منبر سے اتر آیا اور واسط چلا گیا جہاں اس کے سامنے خالد کو پیش کیا گیا۔

خالد القسری کا بہتان: جب ہشام کو والیٔ کوفہ خالد بن عبداللہ القسری کی اس دولت کا پتہ چلا جو اُس نے اپنے پندرہ سالہ دورِ اقتدار میں جمع کی تھی تو

ہشام کو طمع دامن گیر ہوئی لہٰذا اس نے فوراً اپنے والئی یمن یوسف بن عمر ثقفی کو خفیہ خط کے ذریعہ مطلع کیا کہ وہ کوفہ جائے، خالد القسری کو معذول کر کے قید کر لے اور اُس کی دولت کا سراغ لگائے۔ ہشام نے یہ حکم جمادی الاول ۱۲۰ھ کے آخری ایام میں دیا تھا اور جمادی الآخر میں یوسف نے خالد کو اسکے عہدے سے معذول کر کے گرفتار کیا تھا۔ جس کے بعد ہشام کی ہدایت کے مطابق خالد کی دولت کا سراغ لگانا شروع کر دیا۔

خالد کی پوشیدہ دولت کا پتہ لگانے کیلئے یوسف نے خالد کو شدید تشدد کا نشانہ بنایا اور اسے شکنجہ میں جکڑ کر اس پر بے انتہا مظالم کیئے ۔ تب ایک روز خالد نے بتایا کہ اسکی کثیر دولت مدینہ میں زید بن علیؑ بن حسینؑ، محمد بن عمرو بن علیؑ بن ابیطالب، داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، ابراہیم بن سعد بن عبدالرحمٰن بن عوف الزہری اور ایوب بن سلمہ بن عبداللہ بن الولید بن مغیرہ مخزومی کے پاس بطور امانت جمع ہے۔ یوسف نے پوری تفصیل سے ہشام کو مطلع کیا۔ طبری نے اس بہتان کو خالد کے بیٹے یزید سے منسوب کر کے سارا واقعہ بیان کیا ہے۔

زید شہیدؒ کی طلبی: مورخین نے بیان کیا ہے کہ یہ خبر ملتے ہی ہشام نے فوراً والئی مدینہ کو اس کی بابت مطلع کیا اور لکھا کہ جن افراد کے نام خالد نے لئے ہیں ان سب کو میرے پاس بھیج دو۔ لہٰذا حاکم مدینہ محمد بن ہشام بن اسمٰعیل نے ان حضرات کو طلب کیا اور ہشام کے خط کی بابت بتایا۔ حضرت زید شہیدؒ نے حیرت زدہ ہو کر کہا کہ ”کہاں خالد اور کہاں اس کا مال“ والئی مدینہ نے یہ سن کر کہا کہ ”آپ سچ کہتے ہیں مگر میں مجبور ہوں، بادشاہ کا حکم ہے لہٰذا آپ سب کو دمشق جانا ہوگا“۔ پھر حاکم مدینہ نے اپنے آدمیوں کے ہمراہ ان سب کو ہشام کے پاس

بھیج دیا۔ دمشق پہنچے تو ہشام نے پہلے خود پوچھ گچھ کی طبری نے لکھا ہے کہ "بیان سننے اور کافی جرح وسوال کے بعد، ہشام کو حالانکہ اطمنان بھی ہوگیا۔ خود اس نے اعتراف کیا کہ انتما عندی اصدق من ابن ا لنصرانیه یعنی نصرانیہ کے بیٹے (خالد) سے آپ لوگ میرے نزدیک زیادہ سچے ہیں"[1] لیکن پھر بھی ان لوگوں کو یوسف کے پاس کوفہ بھیجنے کا حکم دیدیا۔

طبری نے ابوعبیدہ کا بیان اس طرح لکھا ہے کہ "مگر ابوعبیدہ یہ کہتے ہیں کہ یوسف نے جو الزام زید پر لگایا اس کے متعلق زید کے بیان انکاری کو ہشام نے تو صحیح تسلیم کرلیا۔ پھر بھی سب لوگوں کو یوسف کے پاس بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ ان سب ہی لوگوں نے میرے پاس حلف اٹھ لیا ہے جسے میں نے صحیح تسلیم کرلیا ہے اور میں نے انھیں ادائی رقم سے بری کردیا مگر پھر بھی میں صرف اس غرض سے انھیں تمہارے پاس بھیجتا ہوں کہ تم خالد کا ان سے مواجہہ کردو تا کہ یہ اُسے جھٹلا دیں۔ ہشام نے ان صاحبوں کو کچھ رقم بھی عطا کی۔"

چونکہ ہشام خود بادشاہِ وقت تھا لہٰذا اسکے مطمئن ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ان لوگوں کو بری الذمہ قرار دیکر واپس مدینہ بھیج دیا جاتا لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ بقول ابن اثیر "اس کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ ان حضرات کو مدینہ واپس کردیتا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مال کی محبت میں اسے وسوسہ ہوا کہ شاید برسرِ زمین خالد کے روبرو ہونے کے بعد کوئی ایسی بات معلوم ہو جس سے مال کا پتہ چلے، اس نے ان دونوں کو حکم دیا کہ آپ دونوں یوسف (گورنر کوفہ) کے پاس جایئے، تاکہ وہ خالد سے آپ کے سامنے معاملہ دریافت کرے اور منہ پر اس کے دعوے کو جھٹلایئے"[2]۔

---

[1] تاریخ طبری ج:۶ ص:۲۷۲، [2] تاریخ کامل ج: ۵ ص: ۲۶۱

ابن اثیر کے اس مندرجہ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ہشام نے خالد کے نامزد کردہ پانچ افراد میں سے صرف دو کو دمشق سے کوفہ بھیجا۔ اور بعد کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو افراد حضرت زید شہیدؒ اور داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس تھے۔ بہر حال واقعات و حالات اس امر کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ حضرت زید شہیدؒ دو بار ہشام کے دربار میں گئے۔ پہلی بار والئی مدینہ کی شکایت کی غرض سے خود اپنی مرضی سے گئے جبکہ دوسری بار ہشام کی طلبی پر جبراً جانا پڑا۔ مورخین نے ان دونوں واقعات کو اس طرح گڈ مڈ کر کے بیان کیا ہے کہ حقیقت حال واضح نہیں ہوتی اور یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یہ دو نہیں بلکہ ایک ہی واقعہ ہے۔

پہلے واقعہ کی بابت عام طور پر مورخین نے بیان کیا ہے کہ ہشام نے آپ کی تذلیل کی اور دربار سے نکل جانے کا حکم دیا اور اپنے اہلکاروں کے ذریعے شام کی سرحد پر چھڑوا دیا۔ تب آپ مدینہ جانے کے بجائے کوفہ چلے گئے اور وہاں پہنچ کر آپ نے خروج کیا۔ یہ صورتحال حقیقت کے قطعی منافی ہے کیونکہ اس واقعہ اور خروج کے درمیان تقریباً آٹھ سال کا عرصہ حائل ہے۔ اور کسی تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے آٹھ سال کوفہ میں قیام فرمایا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ شام کی سرحد سے مدینہ تشریف لے گئے اور وہیں قیام فرمایا اور جب ۱۲۰ھ میں ہشام نے طلب کیا تو آپ مدینہ ہی سے بھیجے گئے۔ جسکے بعد ہشام نے آپ کو اپنے سپاہیوں کے ہمراہ کوفہ بھجوا دیا۔

شاہانِ بنی امیہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اہل بیتِ رسول کا کوئی فرد کوفہ نہ پہنچ پائے اور اگر کوئی وہاں پہنچتا بھی تو اس کی باضابطہ طور پر سخت نگرانی کی جاتی

تھی کتنی عجیب بات ہے کہ بنی امیہ ہی کا ایک بادشاہ مال و دولت کے عشق میں ایسا اندھا ہوا کہ اس نے خود ہی باصرار حضرت زید شہیدؒ اور ان کے ساتھ عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے، داؤد بن علی کو ان کی مرضی کے خلاف جبراً کوفہ پہنچا دیا۔

خالد کی دعوے سے دستبرداری: طبری کا بیان ہے کہ جب زید بن علیؑ حاکمِ کوفہ کے پاس آئے تو یوسف نے اُن سے کہا کہ خالد اس بات کا مدعی ہے کہ اُس نے کوئی رقم آپ کے پاس امانت رکھوائی تھی۔ زید نے کہا بھلا وہ کیونکر میرے پاس کوئی امانت رکھواتا، وہ تو برسرِ منبر میرے آباؤ اجداد کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ یوسف نے خالد کو طلب کیا۔ خالد ایک ٹاٹ کا لبادہ پہنے حاضر کیا گیا۔ یوسف نے اُس سے کہا دیکھ یہ زید ہیں جنکے متعلق تو نے دعویٰ کیا تھا کہ تو نے اپنی کوئی رقم ان کے پاس امانت رکھوائی تھی، یہ اس بات کا انکار کرتے ہیں۔ خالد نے دونوں کے چہروں کو غور سے دیکھا اور یوسف کو مخاطب کر کے کہا" کیا تو چاہتا ہے کہ تو نے میرے معاملہ میں جو گناہ اپنے سر لیا ہے اُس کے ساتھ اس مابہ البحث واقعہ کا گناہ بھی جمع کرے۔ میں انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو برسرِ منبر سب وشتم کرتا رہا ہوں۔ میں کیونکر کوئی رقم ان کے پاس امانت رکھواتا"۔ یوسف نے یہ جواب سنکر خالد کو گالیاں دیں اور حکم دیا کہ اسے واپس لیجاؤ۔

اسی ضمن میں طبری نے ایک اور روایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جب خالد اپنے دعوے کی کوئی دلیل پیش نہ کر سکا تو تمام لوگوں نے دریافت کیا کہ بتاؤ تم نے کیوں یہ جھوٹا دعویٰ کیا۔ خالد نے کہا چونکہ مجھ پر شدید سختیاں کی جارہی تھیں اس بنا پر میں نے ایسا دعویٰ اس امید میں کیا کہ آپ لوگوں کے یہاں آنے سے پہلے شاید اللہ تعالیٰ میرے مصائب میں کچھ کمی کر دے"۔

اس ضمن میں ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ "جب خالد اور حضرت زید کی دوبدو گفتگو ہوئی تو خالد نے اعلان کیا کہ میں نے ان حضرات کے پاس

کوئی مال نہیں رکھوایا۔ حضرت زید نے اس سے دریافت کیا کہ تو نے ہمارا نام کیوں لیا؟ خالد نے جواب دیا کہ آپ کے آنے سے مجھے توقع ہے کہ شاید نجات کی کوئی راہ نکل آئے۔"

اس واقعہ کی بابت ابن اثیر نے لکھا ہے کہ: خالد کو دیکھ کر حضرت زید نے فرمایا کہ "بھلا یہ ہمارے پاس مال کیوں جمع کرانے لگا، صبح و شام برسرِ ممبر میرے جدامجد حضرت علی کو گالیاں سناتا ہے" پھر خالد سے پوچھا کہ آخر تجھے یہ کیا سوجھی، اس نے جواب دیا: **شدد علی العذاب فادعیت ذلک و املت ان یاتی اللہ بفرج قبل قدومکم** ۔ یعنی میری سزا کی سختیاں بہت شدید ہوگئی، اس لئے میں نے یہ دعویٰ کردیا کہ آپ لوگوں کے پاس مال میں نے جمع کرایا ہے، غرض میری یہ تھی کہ شائد خدا اسی کو میری مصیبت کے ازالہ کا سبب بنادے یعنی آپ لوگوں کی تشریف آوری سے میری مشکل حل ہوجائے۔[1]

زید شہیدؒ زیرِ حراست: خالد کا اپنے دعوے سے دستبردار ہوجانے کے بعد قانونی و اخلاقی طور پر ان حضرات کو مدینہ واپس بھیجدینا چاہئے تھا لیکن یوسف بن عمر نے حضرت زید شہیدؒ اور داؤد بن علی کو تقریباً پانچ ماہ کوفہ میں زیرِ حراست و زیرِ نگرانی رکھا۔ چونکہ ہشام بن عبدالملک خود خاندانِ بنی ہاشم سے کینہ رکھتا تھا جس کا اظہار وہ معززینِ بنی ہاشم کی تزلیل و تحقیر کر کے کیا کرتا تھا۔ اس لئے اس کے گورنروں اور اعلیٰ حکام کا اپنے عہدوں پر فائز رہنے کیلئے ضروری تھا کہ وہ بادشاہِ وقت کے نقشِ قدم پر چلیں ۔ لہٰذا صوبوں کے والی اور اعلیٰ عہدیداران بھی اشرافِ بنی ہاشم کی توہین و تذلیل میں کمی نہیں چھوڑتے تھے اور سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود بادشاہِ وقت اُن سے کوئی باز پرس نہیں کرتا تھا۔ جیسا کہ جسٹس امیر علی کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے:

---

[1] الکامل، ابن اثیر ج:۵ ص:۸۴

Hisham did not, however, interfere withYusuf's persecution of the Hashimides, who were subjected to cruel ill-treatmint. Zaid, the grandson of Hussain, who went to Hisham for redress, was driven from his prsence with ignominy.

(A Short History of Saracens P :155)

ترجمہ: بنی ہاشم کے ساتھ یوسف کے ظالمانہ سلوک کے معاملہ میں ہشام کوئی مداخلت نہیں کرتا تھا۔ اس نے خود بھی حضرت امام حسینؑ کے پوتے زید کی تذلیل کی جب وہ والی مدینہ کی شکایت لیکر اس کے پاس گئے تھے۔ اور انھیں بے عزت کر کے دربار سے نکال دیا۔

مگر جب ہشام کو اہلِ کوفہ کی سرگرمیوں اور حضرت زید شہیدؒ سے اُنکی ملاقاتوں کا علم ہوا تو اس نے یوسف کو لکھا کہ زید کو کوفہ سے نکال دو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اہل کوفہ انکے گرویدہ ہو کر خروج پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ تب یوسف نے آپ کو مدینہ جانے کا حکم دیا۔

جیسا کہ علامہ سبط ابن جوی نے لکھا ہے کہ:

"واقدی کہتا ہے ہشام بن عبدالملک کو یہ خبر پہنچی کہ زید کوفہ میں مقیم ہیں تو اس نے یوسف بن عمر کو لکھا کہ زید کو مدینہ کی طرف بھیج دو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اہل کوفہ اسے خروج پر آمادہ نہ کردیں کیونکہ زید کی زبان میں مٹھاس ہے اور ساتھ ساتھ وہ رسول اللہؐ سے اپنا قرب بھی بتاتے رہتے ہیں۔ پس یوسف بن عمر نے کسی شخص کو زید کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ آپ مدینہ کی طرف چلے جائیں"۔ (تذکرۃ الخواص ص: ۳۹۴)

زید شہیدؒ کی کوفہ سے مراجعت: یوسف بن عمر کی پانچ ماہ حراست و نگرانی سے رہائی کے بعد جب حضرت زید شہیدؒ کوفہ سے مدینہ کیلئے روانہ ہوئے

اور مقامِ قادسیہ پہنچے تو عمائدینِ کوفہ کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ ''آپ ہمیں چھوڑ کر کہاں جاتے ہیں، آپ کے ساتھ کوفہ کے ایک لاکھ جوانمرد تلوار سے موجود ہیں جو آپ کے لئے صبح جنگ میں اپنی جانیں قربان کردیں گے اور آپ کے مقابل شامیوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی ہے بلکہ ہمارے قبائل مدحج، ہمدان، تمیم یا بکر میں سے تنہا ایک بھی ان کا مقابلہ کرے تو اللہ کے حکم سے وہ اُن کیلئے بالکل کافی ہے۔ اس لئے ہم آپ کو اللہ کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ واپس نہ جائیں''۔

داؤد بن علی جو آپ کے ہمسفر تھے انہوں نے زید شہیدؒ سے کہا ''اے ابن عم! یہ آپ کو دھوکہ دے کر آپ کی جان کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں۔ کیا انہوں نے ان حضرات کا ساتھ نہیں چھوڑا جو آپ کے مقابلہ میں ان کے نزدیک زیادہ معتبر تھے۔ آپ کے دادا حضرت علیؑ کا واقعہ موجود ہے کہ وہ شہید کردیئے گئے۔ ان کے بعد امام حسنؑ ہیں جنکے ہاتھ پر ان لوگوں نے بیعت کی مگر پھر انہی پر یہ لوگ چڑھ دوڑے، اُن کی ردا اُن کے دوش سے اتار لی، اُن کے خیمہ و خرگاہ کو لوٹ لیا، اُنہیں مجروح کردیا۔ کیا

یہ وہی لوگ نہیں ہیں جنہوں نے آپ کے دادا حضرت امام حسینؑ کو مدینہ سے بلوایا اور اُن کا ساتھ دینے اور حمایت کرنے کیلئے سخت سے سخت قسمیں کھائیں مگر پھر بھی ان لوگوں نے اُن کا ساتھ چھوڑ کر اُنہیں دشمن کے حوالے کردیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اُنہیں شہید ہی کر کے چھوڑا۔ آپ ہرگز ہرگز ان کی درخواست کو قبول نہ کریں اور ان کے ہمراہ کوفہ واپس نہ جائیں''۔

داؤد کے جواب میں عمائدین کوفہ نے کہا کہ یہ رشک وحسد میں ایسا کہتے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ آپ غالب نہ ہوں کیونکہ داؤد سمجھتے کہ وہ اور اُن کا

خاندان خلافت کے لئے آپ سے زیادہ مستحق ہے۔ اسی بناء پر یہ مشورہ دے رہے ہیں۔ مگر داؤد نے پھر بھی یہی کہا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ اگر آپ ان کے ہمراہ واپس چلے گئے تو ان سے زیادہ آپ کے حق میں کوئی سخت دل و ظالم نہ ہوگا، اور آپ ہی اپنے معاملات کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔ داؤد تو مدینہ کی طرف چلے گئے اور حضرت زید شہیدؒ واپس کوفہ آگئے۔[1]

[1] یہ مضمون تاریخ طبری، اردو ترجمہ ج:۶، الکامل، ابن اثیر ج:۵، بحار الانوار ص:۲۳۵ ج:۶ سے ماخوذ ہے۔

کوفہ اور اہلِ کوفہ

کوفہ میں زید شہیدؒ کا مدتِ قیام: حضرت زید شہیدؒ کے کوفہ میں قیام کی مدت کے بابت مورخین کی دو رائے پائی جاتی ہیں۔ ایک رائے یہ کہ آپ نے کوفہ میں پانچ ماہ قیام کیا۔ دوسری رائے کی مطابق آپ نے سترہ ماہ کوفہ میں گذارے۔ پہلی رائے کے حامی مورخین کے پیشِ نظر وہ مدت رہی جس میں یوسف بن عمر نے آپ کو زیرِ حراست رکھا تھا اور جس کے بعد ہشام کی ہدایت پر آپ کو کوفہ سے نکل جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اور آپ نے کوفہ سے مدینہ کے لئے مراجعت فرمائی تھی مگر عمائدین کوفہ کے اصرار پر آپ قادسیہ سے واپس کوفہ آ گئے تھے۔ مورخین کی دوسری رائے کے مطابق سترہ ماہ آپ نے کوفہ میں قیام فرمایا۔ یہ سترہ ماہ وہ کل مدت ہے جو آپ کو ہشام کے کوفہ بھیجے جانے اور آپ کی شہادت کے درمیان تھی۔ جس میں پانچ ماہ آپ کی حراست کی مدت بھی شامل ہے۔ اور یہی رائے درست معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ ہشام نے جمادی الاول ۱۲۰ھ میں خالد کو معزول کرنے کا حکمنامہ یوسف کو بھیجا۔ یوسف بن عمر نے اس کی تعمیل کی۔ بقول طبری یوسف جمادی الآخر میں کوفہ پہنچا اور خالد کو گرفتار کر کے اس کی دولت کی تحقیقات شروع کر دی۔ اسی دوران خالد نے حضرت زید شہیدؒ پر امانت رکھوانے کا الزام عائد کیا تھا جبکہ آپ کی شہادت ۲ صفر ۱۲۲ھ کو ہوئی۔ اس اعتبار سے خالد کی معزولی اور زید شہیدؒ کی شہادت کی درمیانی مدت انیس ماہ بنتی ہے۔

اب اگر یوسف کا ہشام کو مطلع کرنا، ہشام کا ان حضرات کو طلب کرنا، ان کا مدینہ سے شام پہنچنا، اور پھر شام سے کوفہ آنا، اس تمام کارروائی کے لئے دو ماہ کی مدت تسلیم کر لی جائے تو مورخین کی دوسری رائے درست قرار پاتی ہے۔ یعنی کوفہ میں حضرت زید شہیدؒ کی کل مدتِ قیام سترہ ماہ تھی۔ اور اگر اس حساب کو درست مان لیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ ماہِ شعبان ۱۲۰ھ میں کوفہ پہنچے تھے۔ اس قیام کے دوران اپنی تحریک کے سلسلہ میں آپ نے دو ماہ بصرہ میں گزارے تھے جسکا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے کوفہ میں کل پندرہ ماہ قیام فرمایا۔

کوفہ و اہلِ کوفہ: کوفہ قدیم ترین آبادیوں میں سے ایک ہے۔ قبل از اسلام کوفہ شہر نعمان بن منذر کے خاندان کا پایہ تخت تھا۔ عہدِ اسلامی میں اس شہر کو از سرِ نو تعمیر و آباد کرایا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ فتح مدائن کے بعد جب عربوں نے سرزمینِ عراق میں قدم جمائے تو انہیں ایک مستقل فوجی چھاؤنی کی ضرورت پیش آئی۔ لہٰذا سعد بن ابی وقاص نے خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ بن خطاب سے اجازت حاصل کر کے حزیفہ نامی ایک شخص کو جو ایسے ہی کاموں کے لئے مخصوص تھا، مقرر کیا۔ اس نے ایک قطع زمین منتخب کیا چونکہ وہ زمین ریتیلی اور کنکریلی تھی اس لئے اُس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اُس وقت وہ مقام دریائے فراط سے تقریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر تھا۔ سرسبز و شاداب علاقہ ہونے کے باعث اہلِ عرب اس کو "حد العذرا" یعنی عارض محبوب کہتے تھے۔ اس شہر کی بنیاد ۱۷ھ میں رکھی گئی اور حضرت عمرؓ کی تصریح کے مطابق چالیس ہزار افراد کی رہائش کے لئے مکانات تعمیر کیے گئے۔ آبادکاری کا انتظام ھیاج بن مالک کے سپرد کیا گیا۔ اس شہر میں ہر قبیلے کی جدا جدا آبادیاں تھیں۔ درمیان میں ایک نہایت وسیع و کشادہ جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ اس شہر میں جن قبائل کو آباد کیا گیا ان میں بنو سلیم، بنو ثقیف،

بنو ہمدان، بنو بجیلہ، بنو اسد، بنو تغلب، بنو کندہ، بنو تمیم، بنو عامر، بنو محارب، بنو جدیلہ، بنو اخلاط، بنو مذحج، بنو ہوازن اور بنو بجالہ قابلِ ذکر ہیں۔ ۶۴ھ کی مردم شماری کے مطابق پچاس ہزار گھر صرف قبیلہ ربیع و مضر کے تھے اور چونسٹھ ہزار گھر دیگر قبائل کے آباد تھے۔ نیز اہلِ یمن کے چھ ہزار گھر ان کے علاوہ تھے۔ جامع مسجد کے علاوہ ہر ہر قبیلے کیلئے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ شہرِ کوفہ حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت ہی میں اس عظمت وشان کو پہنچا کہ آپ اس کو "راس الاسلام" کہا کرتے تھے۔[1] عام طور پر علماء و مورخین نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ اہلِ کوفہ شیعانِ علیؑ تھے حالانکہ خود حضرت عمرؓ کوفہ والوں کو ان الفاظ سے یاد فرمایا کرتے تھے کہ یَا اہل الکُوفہ انتم راسُ العرب و جمجمتہاو سہمی الذی ارمی بہ۔ یعنی اے اہلِ کوفہ! تم عرب کے راس و رئیس ہو اور میرا وہ تیر ہو جس سے میں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرتا ہوں۔[2]

ان تاریخی بیانات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کوفہ کی بنیاد ڈالنے والے حضرت عمرؓ تھے۔ آپ نے اس شہر کو فوجی ضرورتوں کے تحت تعمیر و آباد کرایا تھا۔ اور آپ نے وہاں انھیں قبائل کو آباد کیا تھا جن پر آپ کو پورا اعتماد تھا۔

کیا اہلِ کوفہ شیعیانِ علیؑ تھے؟ چونکہ علماء و مورخین کا اصرار ہے کہ اہلِ کوفہ شیعیانِ علی تھے اور یہ باور کرانے کی ہر دور میں کوششیں کی جاتی رہی ہیں کہ یہی وہ شیعیانِ علی ہیں جنہوں نے ہمیشہ اہلِ بیتِ رسول کے ساتھ بدعہدی کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کوفہ میں شیعیانِ علیؑ اور محبانِ اہلِ بیت کی اچھی خاصی تعداد آباد تھی۔ لیکن بنی امیہ کے مظالم کے باعث اُن کی تعداد کم ہوتی گئی حتیٰ کہ واقعہ کربلا کے وقت کوفہ کے وہ باشندے جنہیں شیعیانِ علی کہا جاسکتا تھا ان کی حالت اور تعداد کے بارے میں مورخ ابوالحسن مدائنی نے کتاب الاحداث میں

[1] الفاروق ص : ۱۹۱، [2] طبقات ابن سعد ج ۶ ص : ۲۰۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو طبری، بلاذری اور معجم البلدان۔

لکھا ہے کہ ''معاویہ کے زمانۂ حکومت میں اہلِ کوفہ کو بڑی بڑی مصیبتوں سے دو چار ہونا پڑا کیونکہ وہاں کا گورنر زیاد بن سمیّہ تھا اس نے شیعیانِ علی کو پوری جستجو کے ساتھ گرفتار کیا، ان کو قتل کیا، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے، ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں اور ان کو جلا وطن کر دیا یہانتک کہ ان میں کا کوئی مشہور شخص کوفہ میں باقی نہیں رہا'' اس کے باوجود جو بچ گئے تھے انہوں نے نصرت امام کے لئے پوری کوشش کی، یہانتک کہ یزیدی فوج کی نگاہوں سے بچتے بچاتے امام عالی مقام تک پہنچ گئے اور فرزند رسول پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔

دوسری بات یہ کہ حضرت زید شہیدؒ کے حامیوں اور بیعت کرنے والوں میں صرف کوفہ کے شیعانِ علی ہی نہ تھے بلکہ دیگر مقامات کے لوگ بھی تھے جن میں شیعہ، سنی، معتزلی وغیرہ کی کوئی تمیز نہ تھی، سب ہی شامل تھے۔

شیعہ و شیعت: لغت میں شیعہ کے معنی تابعدار، مددگار، گروہ اور دوست کے ہیں لیکن اصطلاح میں اس شخص یا جماعت کو شیعہ کہتے ہیں جو جنابِ امیر علیہ السلام کو دوست رکھے اور آپ کو صحابہ سے مقدم سمجھے۔ (فتح الباری)۔ علامہ ابن اثیر تحریر فرماتے ہیں کہ غلب ھذا الاسم علےٰ من یزعم انہ یتولیٰ علیا و اھلبیتہ علیہ و علیہ السلام حتی صار لھم اسما خاصا[1] یعنی شیعہ اُنھیں لوگوں کو کہتے ہیں جو حضرت علیؑ اور اُن کے اہلِ بیتؑ کو رسولؐ کے نامزد کردہ اوصیا کے قائل ہوں اور یہ اسی طبقہ کا مخصوص نام ہے۔ صاحب کشاف اصطلاحات الفنون میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''یہ ایک بڑا فرقہ ہے جو شیعہٗ علی کے نام سے مشہور ہے ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد جناب امیر علیہ السلام بہ نصِ جلی و خفی خلیفہ ہیں اور ان کے بعد یہ منصب انھیں کی (معصوم) اولاد میں تا قیامت رہے گا''۔

---

[1] مجمع البحرین فی ادلۃ الفریقین ص: ۵۴۰

لغت کی وسعت کے اعتبار سے لفظ شیعہ اپنے متعلق کی نسبت سے ممدوح و مذموم ہوا کرتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی قوم حزب اللہ ہے تو وہ شیعۃ الرحمٰن کہلائے گی، جوکہ ممدوح ہے اور اگر کوئی قوم ابلیس رجیم کی تابعدار ہے تو وہ شیعۃ الشیطان کہلائے گی، جوکہ مذموم ہے۔

شیعت کے آغاز کے سلسلہ میں دو ادوار ہیں، ایک امم سابقہ کا دور، دوسرا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دور۔ قرآن کریم جو بہترین تاریخ بھی ہے اُس میں لفظِ شیعہ کا اشارہ ممدوحیت کے عنوان سے پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ القصص آیت؛ ۱۵ میں حضرت موسیٰ کے واقعات میں ارشاد ہوا'' (ایک تو) ان کا شیعہ اور دوسرا ان کا دشمن تھا، جو ان کا شیعہ تھا اُس نے اُسی شخص پر جو موسیٰ کے دشمنوں میں سے تھا (غلبہ حاصل کرنے کیلئے) موسیٰ سے مدد مانگی۔ قرآنِ کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں یہ بھی ارشاد ہے کہ و ان من شیعته لا براهیم قال علےٰ دینیه مجاہد اور قتادہ کا بیان ہے کہ جناب ابراہیمؑ جنابِ نوحؑ کے دین پر تھے اس لئے ان کو شیعۂ نوحؑ کہا گیا ہے۔[۱] اس طرح آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے اہلِ حق کے لئے لفظِ شیعہ کا رواج قرآنِ حکیم سے ثابت ہے۔ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شیعوں کے وجود اور آنحضرتؐ کے شیعوں کے فضائل و مناقب کتب احادیث میں مرقوم ہیں۔ ان میں چند احادیث درج ذیل ہیں:

عن جابر بن عبدالله انصاری قال کنا عند النبیؐ فا قبل علیؑ فقال النبیؐ والذی نفسی بیده ان هذا و شیعته لهم الفائزون یوم القیامة۔

یعنی جابر بن عبداللہ انصاری سے منقول ہے کہ میں نبی کریم کے پاس موجود تھا کہ ناگاہ حضرت علی ابن ابی طالب تشریف لائے تو

---

[۱] تفسیر درمنثور ج: ۶ ص: ۲۷۹

سرکار ہادیٔ عالمؐ نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یقیناً علی اور اُس کے شیعہ ہی بروز قیامت کامیاب و کامران ہیں۔

دوسری حدیث میں اللہ کے حبیب نے ارشاد فرمایا کہ:

عن ابن عباس قال لما نزلت ان الذین آمنو او عملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریہ .قال رسول اللہؐ لعلی ھوا نت و شیعتک یوم القیامۃ راضین مرضین۔

یعنی: ابن عباس سے منقول ہے کہ جب آیت ان الزین الآ نازل ہوئی تو جنابِ سردرِ کائناتؐ نے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ تم اور تمہارے شیعہ قیامت میں خدا سے راضی ہونگے اور خدا اُن سے راضی ہوگا۔

تیسری حدیث میں رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ:

عن علی قال قال رسول اللہؐ الم تسمع قول اللہ ان الذین آمنو و عملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریہ . انت و شیعتک و موعدی و موعدکم الحوض ، اذا جئت الامم للحساب تدعون عن المحجلین۔

یعنی: حضرت علی ابن ابیطالبؑ سے منقول ہے کہ رسولخداؐ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے آیۃ ان الذین آمنوا الآیہ نہیں سُنی؟ اس سے مراد تم اور تمہارے شیعہ ہیں جن کی وعدہ گاہ حوض کوثر ہے جبکہ تمام امتیں حساب کے لئے لائی جائیں گی۔ اُس وقت تم غرالمحجلین کے نام سے بلائے جاؤ گے۔[1]

مورخین کے متعدد بیانات میں سے صرف ایک بیان بطور نمونہ پیش ہے۔ جناب ابوحاتم رازی اپنی کتاب ''کتاب الزینۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

[1] یہ تینوں احادیث تفسیر درمنثور ج: ۶ ص: ۳۷۹ سے منقول ہیں۔

ان اول اسم ظھر فی الاسلام علیٰ عھد رسول اللہ ھو الشیعۃ و کان ھذا لقب اربعۃ من الصحابۃ و ھم ابو ذر و سلمان الفارسی و المقداد بن الاسود و عمار بن یاسر الیٰ آن ، آن ، ادان . الصفین واشتھر بین موالی علیؑ و اشھر من کان من اتباع معاویۃ با لسنی

یعنی پہلا نام جو اسلام میں بعہد رسالتمآب ظاہر ہوا وہ شیعہ ہے اور یہ نام صحابہ میں چار اشخاص ابوذرؓ، سلمان فارسیؓ، مقداد اسودؓ و عمار یاسرؓ کا لقب تھا یہاں تک کہ جنگ صفین کا موقع آیا اُس وقت یہ نام دوستداران علیؑ میں شہرت پکڑ گیا اور پیروان معاویہ سُنی کے نام سے مشہور ہوئے''۔

پس ثابت ہوا کہ شیعہ اُن لوگوں کو کہا جاتا ہے جو نصبِ خلیفۂ نبی کو مثل نبی منجانب اللہ واجب جانتے ہیں۔ اور آیاتِ قرآنی کی روشنی سے روز روشن کی طرح یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت نوحؑ کے عہد تک شیعوں کی تاریخ کا سلسلہ ملتا ہے۔ نیز صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم مثل ابوذر غفاری، سلمانِ فارسی، مقداد اسود، عمار یاسر اور ابوایوب انصاری وغیرہ ہم شیعہ مسلمان تھے۔

کوفہ میں زید شہیدؒ کے معتقدین: باشندگانِ کوفہ کے عوام کا تو ذکر ہی کیا عمائدین، معززین اور اہلِ علم وتقویٰ، جن کی کوفہ میں اچھی خاصی تعداد موجود تھی، فکری ونظریاتی اعتبار سے مختلف طبقات میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں ایک طبقہ جو نہایت جوشیلہ تھا اور جس کے سرگروہ منصور بن المعتمر تھے انھوں نے تو حضرت زید شہیدؒ کی طرف سے اعلانیہ لوگوں سے بیعت لینی شروع کر دی۔ لکھا ہے کہ: کان منصور بن المعتمر یدور علی الناس یاخذ البیعۃ لزید بن علی [۱] یعنی منصور بن معتمر گشت کر کر کے لوگوں سے حضرت زید بن علی کے لئے بیعت لیتے تھے۔

---

[۱] الروض النضیر ص: ۵۵

دوسرا طبقہ ان دور اندیش افراد کا تھا جنکے پیش نظر اہلِ کوفہ کی گذشتہ تاریخ تھی یعنی حضرت علی، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کے ساتھ ان کی بدعہدی و بے وفائی۔ اس طبقہ کے سربراہ مشہور محدث سلمہ بن کہیل تھے۔ انہوں نے حضرت زید شہیدؒ سے تفصیلی گفتگو کی اور تاریخی واقعات کو یاد دلا کر آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ آپ اپنے ارادے سے باز آجائیں۔ چونکہ جناب سلمہ بن کہیل جہاد کی کامیابی وناکامی کے نتائج کو سامنے رکھکر بات کررہے تھے جبکہ حضرت زید شہیدؒ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے بعد اپنے دادا حضرت امام حسینؑ کے نقش قدم پر گامزن تھے۔ اس موقعہ پر آپ کی زبانِ مبارک پر جو اشعار تھے ان کا ایک مصرع یہ تھا: انی امرءٌ ساموت ان لم اقتل یعنی میں ایک شخص ہوں بہر حال مروں گا اگر قتل نہ ہوسکا۔

مورخین کا بیان ہے کہ سلمہ بن کہیل کو جب یہ اندازہ ہوگیا کہ آپ اپنے ارادہ پر مستقل ہیں تو عرض کی کہ مجھے کوفہ سے چلے جانے کی اجازت دیجئے، شاید کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے جو مجھ سے دیکھا نہ جاسکے[1] اس کے بعد جناب سلمہ کوفہ سے نکل کر یمامہ چلے گئے۔ لیکن جیسا کہ ابن سعد نے لکھا ہے: "سلمہ بن کہیل کا ۱۲۲ھ میں انتقال اسی زمانہ میں ہوا جس زمانہ میں حضرت زید بن علی کوفہ میں شہید ہوئے"[2] اور اس طرح حضرت زید شہیدؒ کی وہ بات پوری ہوئی کہ "میں ایک شخص ہوں، بہر حال مروں گا اگر قتل نہ ہوسکا"۔

تیسرا طبقہ ان مخلصین کا تھا جو ایک طرف تو کوفہ والوں کی تاریخی بے وفائیوں کو دیکھتے ہوئے کھل کر جہاد میں شرکت سے گریز کررہے تھے لیکن دوسری طرف بنی امیہ کے بے انتہا مظالم کے پیشِ نظر اس موقعۂ غنیمت کے ضائع ہوجانے پر آمادہ دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اس طبقہ کے سرخیل محدث جلیل امام نبیل

---

[1] الکامل ج: ۷ ص: ۸۷، [2] طبقات ابن سعد ج: ۶ ص: ۲۲

الاعمش تھے۔ تاریخوں میں ان کا قول نقل ہے کہ ایک طرف وہ کہتے تھے کہ: والله لیخذلنه و الله لسلمنه کما فعلوا بجده وعمه یعنی خدا کی قسم یہ لوگ زید کو چھوڑ دیں گے،

دشمنوں کے سپرد کردیں گے جیسے ان کے دادا کے ساتھ کیا۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی فرماتے تھے کہ: والله لو لا ضرارة لی لخرجت معه' یعنی خدا کی قسم اگر (آنکھ میں) میرے ہرج نہ ہوتا تو ان کے ساتھ میں بھی نکل کھڑا ہوتا۔ کچھ یہی حال کوفہ کے دوسرے امام جناب سفیان ثوری کا تھا یعنی وہ حضرت زید کیساتھ جنگ میں شریک بھی نہیں تھے لیکن یہ بھی فرماتے ہیں جیسا کہ ابوعوانہ کی روایت سے ظاہر ہے کہ: اذا ذکر زید بن علی یقول بذل مهجته لربه و قام بالحق لخالقه دالحق بالشهداء المرزوقین من آبائه [۱] یعنی جب سفیان ثوری حضرت زید کا ذکر کرتے تو کہتے اپنی جان اللہ کی راہ میں نثار کردی اور اپنے خالق کی مرضی کی پابندی میں حق کو لے کر کھڑے ہوئے اور اپنے اُن گذشتہ آباؤاجداد میں شریک ہوگئے جنھیں خدا نے شہادت روزی کی تھی۔ مخلصین کے اسی طبقہ میں حضرت امام ابوحنیفہ بھی نظر آتے ہیں جو حضرت زید شہیدؒ کے جہاد میں شریک تو نہیں ہوئے لیکن پوشیدہ طور پر آپ کی مالی معاونت کرتے اور لوگوں کو زید شہیدؒ کی مدد کرنے پر راغب کرتے تھے۔ گو کہ جناب زید شہیدؒ نے اپنے دیرینہ تعلقات کی بنیاد پر اپنے نمائندے کے ذریعہ آپ کو باقائدہ دعوت بھی دی تھی۔

امام ابوحنیفہؒ کو عوتِ جہاد: حضرت زید شہیدؒ نے اپنے کوفہ میں قیام کے دوران جہاد کی جو تحریک شروع کی تھی اسکی دعوت باقائدہ طور پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کو بھی دی۔ آپ نے فضیل بن زبیر کو اپنا ایلچی بنا کر امام ابوحنیفہؒ کے پاس

---

[۱] مقدمہ الروض ص: ۵۵۔

بھیجا اور بیعت کی دعوت دی جیسا کہ موفق میں لکھا ہے کہ **ارسل اعلی ابی حنیفة یدعوه الی نفسه** یعنی: حضرت زید نے فضیل کو ابوحنیفہ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ اپنی ذات کی طرف امام ابوحنیفہ کو دعوت دینا چاہتے تھے (یعنی میرے ہاتھ پر بیعت کرو)۔

خود فضیل بن زبیر کا بھی بیان ہے کہ **کنت رسول زید بن علی الی ابی حنیفة** یعنی: میں امام ابوحنیفہ کے پاس حضرت زید کا قاصد بن کر گیا۔ فضیل نے مزید کہا کہ امام نے مجھ سے سوال کیا کہ فقہا (مراد طبقۂ اہلِ علم) میں سے حضرت زید کے پاس کن کن لوگوں کی آمد و رفت ہے، فضیل نے چند ممتاز ہستیوں کے نام بتائے۔ نہیں معلوم امام نے فضیل سے یہ سوال کیوں کیا، غالباً وہ حضرت زیدؒ کے حامیوں کی طاقت کا اندازہ کرنا چاہتے ہوں گے۔ بہر حال یہ امر مصدقہ ہے کہ شہیدؒ کی جانب سے امامؒ کو دعوت دی گئی۔

اس کے باوجود امام ابوحنیفہؒ نے زید شہیدؒ کے جہاد میں شرکت نہیں کی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ نے کچھ عذر پیش کیا اور کہا **لبسط عذری عنده** یعنی حضرت زید کے سامنے میرے عذر کو بیان کرنا۔ لیکن وہ عذر کیا تھا موفق نے ایک دوسری روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ "**اعتذر بمرض یعتریه فی الایام**" **حتی تخلف عنه** یعنی آپ نے اپنی ایک بیماری کا عذر کیا، جس کا دورہ وقتاً فوقتاً پڑ جاتا تھا اسی وجہ سے حضرت زید کا ساتھ نہ دے سکے[1] اس کے علاوہ بھی لکھنے والوں نے دیگر متعدد وجوہات بیان کی ہیں گو کہ آپ نے جہاد میں شرکت نہیں کی مگر جہاد کیلئے حضرت زیدؒ کی مال سے مدد فرمائی بقول مولانا مناظر احسن گیلانی آپ نے دس دس ہزار کی دس تھیلیاں گھر سے لا کر فضیل بن زبیر کے حوالے کیں اور فرمایا **اعینه بما لی فتیقوی به**

---

[1] موفق ج: ۱ ص: ۲۶۰۔

علی من خالفہ یعنی میں حضرت کی خدمت اس مال سے کرتا ہوں، حضرت سے عرض کرنا کہ اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں اس سے بھی فائدہ حاصل کریں۔
بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کان ابو حنیفہ یفتی سرًّا الوجوب نصرۃ زید وحمل المال الیہ [1] یعنی امام ابوحنیفہ پوشیدہ طور پر حضرت زید کی امداد کے فرض ہونے کا فتویٰ دیتے تھے اور ان کے پاس پوشیدہ طور پر مالی امداد بھی بھیجتے تھے۔ گویا حجِ بدل کی طرز پر امامؒ صاحب نے ''جہادِ بدل'' کا طریقہ اختیار فرمایا۔

لکھنے والوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے زید شہیدؒ کے ایلچی سے کہا کہ: لو علمت ان الناس لا یخذلونہ و یقومون معہ قیام صدق لکنت اتبعہ و اجاھد معہ من خالفہ یعنی اگر میں جانتا کہ لوگ آپ کو وقت پر چھوڑ نہ دیں گے اور واقعی راست بازی اور سچے عزم کے ساتھ ان کی رفاقت میں کھڑے ہوں گے تو میں ضرور ان کی پیروی کرتا اور ان کے مخالفوں سے جہاد کرتا۔

امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ: اس دعوت کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ نے یہ فتویٰ صادر فرمایا: خروجہ یضاھی خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یوم بدر یعنی حضرت زید کا اس وقت اُٹھ کھڑے ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بدر میں تشریف بری کے مشابہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح آنحضرتؐ کا قریش کے مقابلہ میں صف آرا ہو جانا ایک غیر مشتبہ فیصلہ تھا بالکل اسی طرح اس وقت حکومتِ بنی امیہ کے خلاف حضرت زیدؒ کا اٹھ کھڑے ہونا اور حکومت کو اُلٹ دینے کی کوشش کرنا ایمان و اسلام کے لئے ضروری ہے، گو کہ اس وقت کفار کے بجائے وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ گویا

[1] مقدمہ روض النضیر ص: ۳۶،

امامؒ نے حضرت زیدؒ کے جہاد کی شرعی حیثیت واضح فرمائی۔ اور اپنے مسلک کا اظہار ایک خاص قسم کی تعبیر کے ذریعہ فرمایا ہے۔[۱]

تقریباً یہی کچھ جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تحریر فرمایا ہے، آپ تحریر فرمایا ہے کہ:

''اس خروج میں امام ابوحنیفہ کی پوری ہمدردی ان کے ساتھ تھی۔ اُنہوں نے زید کو مالی مدد بھی دی اور لوگوں کو ان کا ساتھ دینے کی تلقین بھی کی (الجصاص ج:۱ ص:۸۱) انہوں نے ان کے خروج کو جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خروج سے تشبیہ دی (المکی ج:۱ ص:۲۶۰) جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک جس طرح اُس وقت آنحضرت کا حق پر ہونا غیر مشتبہ تھا اسی طرح اس خروج میں زید بن علی کا بھی حق پر ہونا غیر مشتبہ تھا لیکن جب زید کا پیغام ان کے نام آیا کہ آپ میرا ساتھ دیں تو انہوں نے قاصد سے کہا کہ ''اگر میں یہ جانتا کہ لوگ ان کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور سچے دل سے ان کی حمایت میں کھڑے ہونگے تو میں ضرور ان کے ساتھ ہوتا اور جہاد کرتا کیونکہ وہ امام برحق ہیں۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ اسی طرح ان سے بے وفائی کریں گے جس طرح ان کے دادا (سیدنا حسینؓ) سے کر چکے ہیں۔ البتہ میں روپے سے ان کی مدد ضرور کروں گا''۔ (خلافت و ملوکیت ص:۲۶۷)

مختصر یہ کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت زید شہیدؒ کی نہ صرف مالی مدد کی بلکہ آپ نے اپنے اقوال اور فتوں کے ذریعہ لوگوں کو زید شہیدؒ کے جہاد میں شرکت کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے تحریک بھی چلائی۔ مگر آپ نے بذاتِ خود اس جہاد بالسیف میں شرکت نہیں فرمائی۔ آپ کی اس عدم شرکت کی بابت علماء و مورخین نے بہت سے دلائل و تاویلات پیش کی ہیں۔

---

[۱] ماخوذ از امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۵۰ تا ۱۵۲۔

جہاد اور شہادت

جہادِ زید شہیدؒ کے اسباب : حضرت زید شہید علیہ الرحمہ کے جہاد کی بابت متعدد مورخین و مؤلفینِ قدیم وجدید نے تفصیلاً و اجمالاً اپنے اپنے نقطہائے نظر پیش کئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے جہاد بالسیف کا سب سے اہم اور بنیادی سبب امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہی تھا۔ تغیراتِ زمانہ کے باعث مملکتِ اسلامیہ کے مسلمان حکمرانوں نے اسلامی اقدار کو پامال کر کے عجمی و رومی شہنشاہیت کے ظالمانہ وجابرانہ طریقوں کو اپنالیا تھا۔ وہ اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کی خاطر مسلمانوں پر بدترین مظالم ڈھانے کو اپنا جائز حق تصور کرنے لگے تھے۔ اور اسلامی معاشرے میں سیاسی وجوہ کی بناء پر اس قسم کے ظلم و ستم ڈھانے والے حکمرانوں کو تقویت اس لئے پہنچی کہ عوام وخواص نے یہ کہہ کر کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ مِن جانب اللہ ہوتا ہے اپنے طور پر اعتقادِ جبر کو قبول کرلیا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ہدایت کو پسِ پشت ڈال دیا۔ جیسا کہ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے تحریر فرمایا ہے کہ:

> ''اس دور کے تغیرات میں سے ایک اور اہم تغیر یہ تھا کہ مسلمانوں سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی آزادی سلب کرلی گئی۔ حالانکہ اسلام نے اسے مسلمانوں کا صرف حق ہی نہیں بلکہ فرض قرار دیا تھا''
>
> (خلافت وملوکیت ص: ۱۶۳)

حکمرانوں کی ان سفاکانہ کارروائیوں کو مولوی شبلی صاحب نے اختلافِ امت کا سبب بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اختلاف عقائد کے اگر چہ یہ سبب اسباب فراہم تھے، لیکن ابتداء پالیٹکس یعنی ملکی ضرورت سے ہوئی۔ بنی امیہ کے زمانہ میں چونکہ سفا کی کا بازار گرم رہتا تھا، طبیعتوں میں شورش پیدا ہوئی لیکن جب بھی شکایت کا لفظ کسی کی زبان پر آتا تو طرفدارانِ حکومت یہ کہکر اس کو چپ کر دیتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے ہم کو دم نہیں مارنا چاہئے آمنّا با لقدر خیرہ و شرہ "

(علم الکلام ج ۱ ص: ۱۷)

اگر ہم مورخین کے بیانات کا بغور جائزہ لیں تو تقریباً سب ہی نے چند اہم واقعات کو جہاد کا سبب قرار دیا ہے۔ ذیل میں ہم ایسے ہی چند بیانات نذرِ قارئین کر رہے ہیں اس کے بعد ان بیانات کی روشنی میں تجزیہ پیش کریں گے۔

علامہ سبط ابن جوزی کا بیان ہے کہ:

"مورخین نے آپ کے خروج کی وجہ وسبب میں اختلاف کیا ہے۔ پہلے ابن سعد نے واقدی سے ذکر کیا ہے کہ زید بن علی، ہشام کے پاس تشریف لے گئے۔ پس اس کے سامنے اپنے قرض کثیر اور حوائج کا ذکر کیا تو اس نے ان میں سے کسی چیز کو پورا نہیں کیا۔ اور ہشام نے ان سے سخت کلامی کی۔ راوی کہتا ہے آپ ہشام کے دربار سے نکلے اور کہا کہ کوئی شخص زندگی کو نہیں چاہتا مگر یہ کہ وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ پھر زید کوفہ کی طرف گئے اور وہاں کا عامل ہشام کی طرف سے یوسف بن عمر تھا" (تذکرۃ الخواص ص: ۳۹۴)

جناب آغا محمد سلطان مرزا دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"حکمران طبقے کے وکیل مولوی شبلی نے اولادِ علیؑ پر یہ الزام لگایا ہے کہ "انہوں نے بار بار حکومت پر قبضہ کرنے کیلئے خلفاء کے خلاف

خروج کیا لہٰذا خلفاء ان کو قتل وقید کرنے پر مجبور تھے" درآں حالیکہ صورتِ حال بالکل برعکس تھی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جب حکمران طبقے کا علویین کو قتل کرنے کا جی چاہتا تھا تو بہانے کی تلاش ہوتی تھی اور وہ بہانہ اسطرح پیدا کیا جاتا تھا کہ علوئینز پر بے انتہا ظلم اور سختیاں شروع کردی جاتی تھیں۔ انکی تذلیل وتوہین کی جاتی تھی۔ یہانتک کہ وہ ظالم سے مقابلہ پر تل جاتے تھے۔ یہ جانتے ہوئے کہ ہم قتل ہونگے اور پھر قتل ہو جاتے تھے۔ وہ تنگ آمد بجنگ آمد کے اصول پر عمل کرتے تھے۔ ظالم حکمران اُن کے قتل کا بہانہ ڈھونڈتے تھے اور ظلم کر کے اس کو پاتے تھے۔ اور اولادِ علی عزت کی موت کا بہانہ تلاش کرتی تھی اور اسے میدانِ جنگ میں پاتی تھی"۔

(نور المشرقین من حیات الصادقین ص: ۲۷۶)

روضۃ السالکین میں مرقوم ہے کہ:

"سبب خروج زید روئے سرتافتن از اطاعت بنی مروان این بود کہ برائے شکایت از خالد بن عبد الملک بن حرث بن الحکم امیر مدینہ بسوئے ہشام بن عبد الملک را گرفت و ہشام اورا رخصت حضور یمند ادو زید مطالب خویش بر دبرا نگاشت وہشام دراسفل مکتوب او می نوشت بزمین خویش باز گرد و زید فرمود سوگند بخدا ہرگز سوئے ابن الحرث باز نہ شوم"

ترجمہ: جناب زید کے خروج کا اور بنی مروان کی اطاعت سے رخ پھرانے کا سبب یہ تھا کہ جناب زید، خالد بن عبداللہ بن عبدالملک بن حرث بن الحکم امیر مدینہ کی شکایت کیلئے ہشام بن عبدالملک کے پاس تشریف لے گئے۔ لیکن ہشام نے آپ کو حاضر ہونے کی اجازت نہ دی۔ تب جناب شہید نے اپنے مقاصد تحریر کئے لیکن ہشام نے اسی مکتوب کے آخر میں یہ تحریر کردیا کہ اپنی زمین یعنی

مدینہ کو واپس چلے جاؤ۔ جناب زید فرمارہے تھے کہ خدا کی قسم میں ہرگز ابن الحرث کی جانب واپس نہ جاؤں گا۔

(بطل رشید زید شہید ص:۱۲۴)

جسٹس امیر علی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

The decendents of Ali II, the son of Hussain, led a still more retired life, devoting thimselves to literary and philosophical pursuits sanding wholly aloof from the agitation in which thir kinsmen of the family of Abbas were engaged. Zaid and his son had been driven by cruelty to take up arms against Hisham and Walid II, and had lost their lives. The Banu Hasan and the Banu Hussain lived in Medina, where they maintained themselves with the income of the little property that was left to them, supple-mented by the proceeds of commerce or the more uncertain profits of the lecture-room. But in spite of their comparative lack of means, they were held in the highest esteem by their fellow citizens.

(History of Saracens P. 219)

ترجمہ: حضرت امام حسینؑ کی فرزند علی ثانی (زین العابدینؑ) کی اولاد گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہی تھی اور انہوں نے اپنے آپ کو ترویج علم و فلسفہ کیلئے وقف کر رکھا تھا۔ اور ان تمام احتجاجی سرگرمیوں سے علیحدگی اختیار کی ہوئی تھی جن میں ان کے قریبی عزیز بنو عباس کے لوگ مصروف تھے۔ جناب زید اور ان کے فرزند یحییٰ ظالمانہ برتاؤ کے باعث ہشام اور ولید ثانی کے مقابل شمشیر بکف میدان میں نکل آئے اور اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اولادِ حسنؑ اور

اولادِ حسینؑ مدینہ میں اس نہایت قلیل آمدنی پر گزر بسر کر رہے تھے جو موروثی جائیداد، ضمنی تجارت یا درس و تدریس کے عیوض غیر یقینی طور پر حاصل ہوتی تھی۔ لیکن مقابلتاً ان محدود ذرائع آمدنی کے باوجود اُن کو معاشرے میں اعلیٰ ترین مقام حاصل تھا۔

شیخ محمد عباس قمی نے مسعودی کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ:

''سبب خروج زید آن شد کہ در رصافہ (کہ از اراضی قنسرین است) بر ہشام داخل شد و چون وارد مجلس اوشد جائی از برای خود نیافت کہ بنشیند و ہم از برای او جائی نگشو دند لاجرم در پائیں مجلس بنشست و روی بہشام کرد و فرمود: لیس احد ی کبر عن تقوی الله و لا یصغر دون تقوی الله وانا اوصیک بتقوی الله فاتقہ ہشام گفت ساکت باش، لاام لک توئی آنکس کہ بخیال خلافت افتادہ ای و حال آنکہ تو فرزند کنیزی میباشی۔ زید گفت از برای حرف تو جوابی است اگر بخواہی بگویم واگرنہ ساکت باشم، گفت بگو، فرمود: ان الا مہات لا یقعدن بالرجال عن الغایات پستی رتبہ مادران موجب پستی قدر فرزندان نمیشودوایں باز نمیدارد ایشان را از ترقی و رسیدن بپایان، آنگاہ فرمود مادر اسمعیل کنیزی بود از برای مادر اسحاق و با آنکہ مادرش کنیز بود حق تعالیٰ اورا مبعوث بنبوت فرمود و قرار داداو را پدر عرب و بیرون آورد از صلب او پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اینک تو مرا بمادر طعنہ میزنی و حال آنکہ من فرزند علی و فاطمہ صلوات اللہ علیہا میباشم پس بپا خاست و خواند'' (منتھی الامال ج:۲ ص:۵۷)

ترجمہ: زید شہید کے خروج کا سبب یہ تھا کہ آپ رصافہ (سرزمینِ قنسرین) میں ہشام کے پاس گئے۔ جب آپ دربار میں پہنچے تو بیٹھنے کیلئے مناسب جگہ نظر نہ آئی، چاروناچار ایک جگہ بیٹھ گئے اور ہشام کو مخاطب کر کے فرمایا ''خدا کے بندوں کے درمیان نہ تو کوئی

اتنا بڑا ہے کہ جس کو تقویٰ کی وصیت نہ کی جا سکے اور نہ کوئی اتنا چھوٹا ہے جو تقویٰ کی وصیت نہ کر سکے"۔ ہشام نے کہا "خاموش رہ، تُو وہی تو ہے جو اپنے دل میں خلافت کی خواہش رکھتا ہے، حالانکہ تُو کنیز کے بطن سے ہے"۔ زید نے جواب دیا "تیرے ان الفاظ کا جواب میرے پاس ہے، اگر تُو کہے تو بیان کروں ورنہ خاموش رہوں" ہشام نے کہا بیان کر۔ تب آپ نے فرمایا "مائیں کبھی اولاد کی ترقی میں رکاوٹ نہیں بنتیں" یعنی ماؤں کے رتبہ کی پستی فرزندان کی پستی قدر کا موجب نہیں ہوتی، اور نہ ہی وہ اُن کی ترقی میں رکاوٹ بنتیں ہیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ "حضرت اسحٰقؑ کی ماں کے مقابلہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کی ماں کنیز تھیں اس کے باوجود حق تعالیٰ نے جنابِ اسمٰعیلؑ کو نبوت عطا فرمائی اور اُن کو عربوں کا باپ قرار دیا اور اُن کے صلب سے نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تولد فرمایا، اس کے باوجود تُو مجھے ماں کا طعنہ دیتا ہے حالانکہ میں علیؑ و فاطمہؑ کا فرزند ہوں" پس آپ نے کھڑے ہو کر چند اشعار کہے۔

اس واقعہ سے متعلق مسعودی کا تفصیلی بیان ہم گذشتہ صفحات میں تحریر کر آئے ہیں۔ علامہ باقر مجلسی نے بھی اس واقعہ کو مسعودی سے ہی لیا ہے۔

قاضی نور اللہ سوشتری علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ:

"زید ابن علی مدعی خلافت نہیں تھے بلکہ یقین کامل رکھتے تھے کہ ان کے زمانہ میں خلافت کے حقیقی وارث و مستحق امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ آپ کے خروج کا مقصد صرف یہ تھا کہ دشمنانِ اہلبیت و قاتلانِ امام حسین علیہ السلام سے خون کا بدلہ لیا جائے۔ آپ ہر طور سے اپنے حصولِ مقصد کیلئے افراد کو جمع کرنا چاہتے تھے تا کہ اپنے دشمنوں کو دفع کر سکیں، چنانچہ ہر اس شخص نے جو بنی امیہ کے

فسق و جور سے تنگ آچکا تھا جس میں ''سنی و معتزلی'' کی قید نہ تھی۔
اس سلسلہ میں آپ کا ساتھ دینے کی کوشش کی۔''

(مجالس المومنین ص: ۳۴۷)

ابوالفرج الاصفہانی کا بیان ہے کہ:

''حضرت زید شہید سے جب سبب خروج دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ الامر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے خروج کیا ہے'' (مقاتل الطالبین ص:)

ناسخ التواریخ میں درج ہے کہ:

''زید ابن علی برائے امر بالمعروف ونہی عن المنکر خروج نمود نہ بر سبیل مخالفت با برادرزادہ اش جعفر ابن محمد''۔

ترجمہ: زید بن علی نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیلئے خروج کیا نہ کہ اپنے بھتیجے جعفر ابن محمد کی مخالفت کے طور پر۔

طبری نے حضرت زید شہیدؒ کے سبب جہاد اور واقعہ شہادت سے متعلق درج ذیل چند روایتیں بیان کی ہیں، طبری کا پہلا بیان ہے کہ:

''زید بن علی، محمد بن عمر بن علیؑ بن ابی طالب اور داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس، خالد بن عبداللہ کے پاس جو اس وقت عراق کا والی تھا آئے۔ خالد نے ان کو بہت سارو پیہ ہدیتاً دیا۔ یہ لوگ مدینہ واپس آگئے۔ جب یوسف بن عمر خالد کا جانشین ہوا تو اُس نے ہشام کو ان اصحاب کے نام اور وہ رقم لکھدی جو خالد نے انھیں دی تھی۔ نیز اپنے خط میں اسکا بھی تذکرہ کیا کہ خالد نے زید بن علی سے مدینہ میں ایک زمین دس ہزار دینار میں خریدی تھی، مگر پھر انھیں واپس دیدی۔ ہشام نے اپنے عامل مدینہ کو حکم بھیجا کہ ان لوگوں کو میرے پاس بھیجدو۔ جب یہ ہشام کے پاس آئے تو ہشام نے ان سے دریافت کیا، ان لوگوں نے اُس روپیہ کا تو اقرار کیا جو بطور صلہ

کے خالد نے انھیں دیا تھا، باقی اور تمام باتوں سے انکار کر دیا۔
ہشام نے زید سے زمین کے متعلق دریافت کیا، زید نے انکار کیا
اور حلف اٹھایا۔ ہشام نے اُن کے بیان کو صحیح تسلیم کیا"۔
(تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۶۴)

طبری کا دوسرا بیان اس طرح ہے:

"یزید بن خالد القسری نے دعویٰ کیا کہ ہمارا روپیہ زید بن علی، محمد بن عمرو بن علیؑ بن ابی طالب، داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، ابراہیم بن سعد بن عبدالرحمٰن بن عوف الزہری اور ایوب بن سلمہ بن عبداللہ بن الولید بن المغیرہ المخزومی کے پاس جمع ہے۔ یوسف بن عمر نے ان لوگوں کے بارے میں ہشام کو لکھا"۔
(ایضاً)

طبری کا تیسرا بیان عطاء بن مسلم الخفا کی روایت کے حوالے سے اس طرح ہے کہ:

"زید بن علی نے خواب دیکھا تھا کہ عراق میں اُنھوں نے آگ مشتعل کی ہے پھر اسے بجھا دیا اور پھر وہ مر گئے۔ اس خواب نے اُنھیں خوف زدہ کر دیا۔ انھوں نے اپنے بیٹے یحیٰی سے بیان کیا کہ مین نے ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے خوف زدہ کر دیا ہے۔ پھر وہ خواب بیان کیا اس کے بعد ہشام کا خط ان کی طلبی کیلئے آیا۔ جب یہ ہشام کے پاس آئے تو ہشام نے اُنھیں حکم دیا کہ آپ اپنے حاکم یوسف کے پاس جائیں۔ اُنھوں نے ہشام سے کہا کہ میں آپکو اللہ کا واسطہ دلاتا ہوں کہ آپ مجھے اُس کے پاس نہ بھیجیں کیونکہ مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر آپ نے مجھے اُس کے پاس بھیجدیا تو میں اور آپ پھر کبھی زندہ اس دنیا میں ایک جا جمع نہ ہوں گے۔ مگر ہشام نے کہا آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے اُس کی تعمیل کیجئے، چنانچہ زید یوسف کے پاس آئے"۔ (طبری ج ۶ ص ۲۶۶)

طبری کا چوتھا بیان اس مضمون کا ہے:

"جب یوسف بن عمر نے خالد بن عبداللہ پر سختی کی تو اُس نے دعویٰ پیش کیا کہ میں نے زید بن علی، داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس اور قریش کے دو اور شخصوں کے پاس جن میں ایک مخزومی اور دوسرا جمحی تھا ایک بڑی رقم بطور امانت رکھائی ہے۔ اسکے متعلق یوسف نے ہشام کو لکھا اور ہشام نے اپنے ماموں ابراہیم بن ہشام کو جو مدینہ کے عامل تھے لکھا اور حکم دیا کہ ان لوگوں کو میرے پاس بھیجدو۔ ابراہیم بن ہشام نے زید اور داؤد سے بُلا کر اس معاملہ میں دریافت کیا اور کہا کہ خالد نے ایسا بیان کیا ہے۔ اُنھوں نے قسم کھا کر کہا کہ اُس نے کوئی رقم ہمارے پاس امانت نہیں رکھوائی۔ ابراہیم نے کہا میں تو آپ کو بالکل سچا سمجھتا ہوں مگر آپ کو معلوم ہے کہ امیر المومنین کا حکم آیا ہے اور اس کی تعمیل ضروری ہے۔ ابراہیم نے ان دونوں کو شام بھیجدیا۔ وہاں جا کر اُنھوں نے نہایت سخت قسم کھا کر کہا کہ خالد نے ہمارے پاس کوئی امانت نہیں رکھوائی۔ داؤد نے یہ بھی کہا کہ میں عراق میں اسکے پاس گیا تھا اور اس نے ہدیۃً مجھے ایک لاکھ درہم دلائے تھے۔ ہشام نے کہا میں ابن ا لنصرانیہ کے مقابلہ میں آپ دونوں کو بالکل سچا سمجھتا ہوں آپ یوسف کے پاس جایئے تا کہ وہ آپ کا اس سے مواجہہ کرادے اور آپ اس کے منہ پر اسے جھٹلا دیں"۔ (تاریخ طبری ج:۶ ص: ۲۶۶)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ:

"۱۲۰ھ ۷۳۸ء میں جب ہشام بن عبدالملک نے خالد بن عبداللہ القسری کو عراق کی گورنری سے معزول کر کے اس کے خلاف تحقیقات کروائی تو اس سلسلہ میں گواہی کے لئے حضرت زید کو بھی مدینہ سے کوفہ بلایا گیا" (خلافت وملوکیت ص: ۲۶۶)

ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

"جب برسرِ اقتدار طبقے کی طرف سے آپ کی دل آزاری اور ذہنی اذیت کے متعدد حادثات رونما ہوئے تو آپ کو نہ صرف یہ کہ آواز بلند کرنی پڑی بلکہ بذات خود معرکہ شمشیر و سنا تک آنا پڑا۔ آپ آخری بار یہ کہکر دربار دمشق سے نکلے مَا اَحَبَّ الحَیَاۃَ اَحَدٌ اِلّاذَلِ یعنی جس شخص نے بھی دنیا کی زندگی دوست رکھی وہ ضرور ذلیل ہوا اور عراق کا رخ کیا، جہاں پہلے کبھی درس دیا کرتے تھے اور اب محافظ اقدارِ دین بن کر رونما ہوئے تھے۔ اس موقع پر عراق میں چالیس ہزار تابعین نے آپ کی حمایت کا وعدہ کیا لیکن مجاہدوں کی شیرانہ فطرت کے طریقہ کار اور استبدادیوں کے روباہی حیلوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ دربار کی فتنہ پردازیوں، وعدہ و وعید کی اُمید و بیم اور دولت کی ہوا و ہوس نے آپ کے تابعین کی جمیعت کو توڑنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ روزِ کارزار آپ کے اعوان و انصار کی تعداد چالیس ہزار سے گھٹ کر محض تین سو رہ گئی۔ پھر بھی آپ کے استقلالِ مزاج میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مقصد جلیل لیکر اٹھے تھے اور اسی پر آخری دم تک قائم رہے۔ آپ نے حق کی حمایت میں باطل کے خلاف جہاد کیا اور نہایت پامردی کے ساتھ تین شب و روز حکومت کے لشکرِ جرار کا مقابلہ کیا۔ (موصوف نے قاضی نوراللہ شوشتری کے اشعار لکھے)

فَلَمَّا تَرَدّٰی بِالحَمَائِلِ وانتَھٰی　　یَصُولُ بِاَطرَافِ الفَتٰی الذَّوائِلِ

جس وقت تلوار لیکر صفِ اعدا میں گھس جاتے تھے تو بہادروں کے اوسان خطا ہو جاتے تھے

تَبَیَّتَ الاَعدَاءَ اِنَّ سِنَانَہٗ　　یُطِیلُ حُنَینًا لِاُمَّھَاتِ الثَّوَاکِلِ

اور جب نیزہ لے کر حملہ آور ہوتے تھے تو مائیں اسطرح روتیں جیسے انکا جوان لڑکا مر گیا ہو

(مجالس المومنین ص: ۳۴۷)

مختصر یہ کہ تین شب و روز کے مجادلے کے بعد ایسے وقت پر آپ کی پیشانی پر ایک تیر لگا کہ جب تاریکیٔ شب کے باعث جنگ بند ہو رہی تھی فوراً ہی آپ کے رُفقاء آپ کو میدانِ جنگ سے اُٹھا کر لے گئے اور معالج کی فکر کی۔ عین اُس وقت جب کہ جراح آپ کی پیشانی سے تیر نکال رہا تھا آپ نے اپنی جان، جاں آفریں کو سپرد کی۔ شہادت کے بعد آپ کے احباب نے آپ کو دفن کر دیا تھا لیکن سفاک حاکموں کے جذباتِ انتقام محض آپ کی شہادت کی خبر سے مطمعن نہیں ہو سکے۔ آخر قبر کھود کر میت کو باہر نکالا اور اُس کا سر قلم کر کے بادشاہِ وقت یعنی ہشام بن عبدالملک کے پاس بطورِ تحفہ بھیج دیا۔ نعش کا جو حصہ باقی رہ گیا تھا اُسے کناسہ کے مقام پر سولی پر چڑھا دیا۔ (سادات باہرہ تاریخ کے مدوجزر میں ص:۱۷)

علامہ باقر مجلسیؒ نے "الخرائج والجرائح" کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ:

"حسن بن راشد سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور میں جناب زید کا ذکر برائی سے کیا، تو امام علیہ السلام نے فرمایا، ایسا نہ کرو۔ خدا میرے چچا پر رحم فرمائے وہ ایک بار میرے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں ظلم اور خدا کی نافرمانی کے خلاف خروج کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کام میں تمہارے قتل کئے جانے اور کوفہ کے باہر صولی پر لٹکا دیئے جانے کا خوف ہے۔ کیا تم اس کو پسند کرو گے؟ انھوں نے کہا کہ بیشک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، اللہ کے لئے کروں گا، اس لئے مجھے جو کچھ تکالیف پہونچیں گی برداشت کروں گا"۔

(الخرائج والجرائح ص:۱۹۲ بحوالہ بحارالانوار ج:۷ ص:۲۱۵)

جناب محمد عباس قمر زیدی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

"مگر خاندان پر مظالم کی داستان سننے والے کان اور بزرگوں کی غمگین زندگی دیکھنے والی آنکھیں اور خود اپنے دور میں جاری وساری مظالم و بندشیں حضرت زید کی زندگی میں گھٹن اور ظلم کے خلاف جذبۂ جہاد پیدا کرنے کا سبب بنتی چلی گئیں، مگران بزرگوں کا وجود اس جذبہ کے آزادانہ اظہار میں سدراہ بنتا رہا۔ اور انتہائی مجبوری و بے چارگی کے عالم میں حضرت زید اپنی زندگی کے ایام بسر کرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔ اپنے جد امام حسین علیہ السلام کے خون کے انتقام کا جذبہ قلب میں موجزن رہا لیکن نامساعد حالات نے اس کا موقع نہ دیا کہ اس جذبہ کی تسکین ہو سکے۔ ادھر اس زمانہ میں بنی امیہ کا آفتاب جبر وتشدد نصف النہار پر پہنچا، اسلامی رسوم مٹا دیئے گئے، احکام قرآنی وتعلیمات رسولؐ سلاطین وقت کی خواہشوں اور بدعتوں کا شکار ہو گئے۔ خون آشام شمشیروں کی ہیبت سے دنیائے اسلام لرزہ براندام ہو گئی،۔۔۔۔۔۔ مگر اہلبیت کی انتہائی خاموشی و احتیاط آمیز زندگی کے باوجود سلاطین وقت ان کے علم و زہد وتقویٰ اور کمالات روحانیت کی بنا پر ڈرتے رہے گھبراتے رہے طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے رہے۔۔۔ حضرت زید شہید بنی امیہ کے رویہ سے تنگ آ چکے تھے اور مناسب سمجھتے تھے کہ ایسے زمانہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بقا کے لئے جدوجہد کرنا امر عظیم ہے"

(بطل رشید زید شہید ص ۱۱۰)

مورخین کے مندرجہ بالا بیانات سے جو بات واضح طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اولاد علیؑ وفاطمہؑ خصوصاً امام علی زین العابدینؑ اور آپ کی اولاد انتہائی قلیل آمدنی پر گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ سیاسی ہنگامہ آرائیوں اور ملکی سیاست سے کنارہ کش رہتے تھے اور دین کی تبلیغ علم کی ترویج اور معاشرے کی اصلاح پر بھرپور توجہ دیتے تھے جس کے باعث عوام وخواص میں عزت و

احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ اہلِ بیتِ رسول کے ساتھ مسلم اُمہ کے انہی جذباتِ عقیدت و احترام کے سبب حکمرانوں کی آتش حسد اور بھڑکتی رہتی تھی۔ لہٰذا حکمران طبقہ ہمیشہ اُن سے خائف رہتا تھا اور ہر ہر موقع پر اُن کی تذلیل و تحقیر کر کے اپنی آتش حسد میں کمی اور اہلِ بیت رسولؐ کی عزتِ نفس کو مجروح کرتا رہتا تھا۔ حاکم وقت اور اسکے صوبائی والیوں کا تحقیر آمیز رویہ اور ظلم و جبر میں گھرے ہوئے افراد کی پکار ہی حضرت زید شہیدؒ کے جہاد بالسیف کا سبب بنی اور یہ جانتے ہوئے کہ آپ قتل کر دئے جائیں گے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیلئے میدانِ جدال و قتال کی راہ پر گامزن ہوئے۔

مندرجہ بالا بیانات میں سے دو بیان قابلِ توجہ ہیں۔ اول واقدی کا بیان جسے سبطِ ابن جوزی نے تحریر کیا کہ حضرت زید شہیدؒ قرض کثیر اور حوائج کیلئے امداد حاصل کرنے کی غرض سے ہشام کے پاس گئے۔ دوئم طبری کا بیان کہ جب ہشام آپ کو یوسف بن عمر کے پاس کوفہ بھیج رہا تھا تو آپ نے اسے اللہ کا واسطہ دیکر کہا کہ آپ کو وہاں نہ بھیجے۔ پہلے بیان کی بابت غور طلب بات یہ کہ کیا حضرت زید شہیدؒ اور اموی حکمرانوں کے تعلقات کبھی بھی ایسے رہے کہ آپ اُن سے مدد طلب کرتے۔ حضرت زید شہیدؒ ہی کیا بنی ہاشم اور بنی امیہ کے تعلقات کی تفصیل تاریخ کی جملہ کتب میں مرقوم ہیں ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کیا واقدی کا بیان حقیقت پر مبنی ہے؟ دوسرے طبری کے بیان میں حضرت زید شہیدؒ نے یوسف کے پاس کوفہ جانے میں جو تعامل برتا اس کی وجہ اسی بیان میں موجود ہے۔ چونکہ یوسف دشمنانِ اہلِ بیت رسول میں سے تھا اسلئے آپ نے جو خدشہ ظاہر کیا وہ درست ثابت ہوا یعنی ''میں اور آپ پھر کبھی زندہ اس دنیا میں ایک جگہ جمع نہ ہونگے''۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر : علماء ومورخین کے مندرجہ بالا بیانات اور حالات وواقعات کی روشنی میں جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ حضرت زید شہیدؒ کے جہاد کا اہم ترین سبب امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ترویج تھا تو اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس امر کی اسلام میں کیا اہمیت ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''تم لوگوں میں ایک جماعت تو لازماً ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، اچھائی کا حکم دے، برائی سے روکے۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں'' (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۴) امر بالمعروف ونہی عن المنکر وہ مقدس ترین فریضہ ہے جس کیلئے اللہ جلِ شانہٗ نے ہر قوم میں اپنے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے جو لوگوں کو اچھائی کا حکم دیتے اور اس کے اجر کی خوشخبری سناتے، برائی سے روکتے اور برے کاموں کے انجام سے ڈراتے تھے۔ سلسلۂ انبیاء کے آخر میں اللہ جلِ شانہٗ نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی فریضہ کی ادائیگی کیلئے دنیا میں بھیجا۔ یہی وہ سب سے اہم کام تھا جسکو اللہ کے رسولؐ اپنی پوری زندگی میں ہر پل اور ہر لمحے انجام دیتے رہے۔

نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا انسانی معاشرے کی فلاح کیلئے اتنا ضروری اور اہم عمل ہے کہ اگر مسلمان اس کی ادائیگی سے روگردانی کریں گے تو اللہ کے عذاب کے مستحق قرار پائیں گے جیسا کہ اللہ کے حبیبؐ کا ارشاد ہے ''اگر تم امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل کریگا اور تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوں گی''۔ لہٰذا مسلم امہ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکمیت قائم کرے اور اللہ کے قوانین نافذ کرے، اگر وہ اپنا یہ فرض ادا نہیں کرتے تو اللہ کے باغی ونافرمان اس کی زمین پر قابض ہو جائیں گے ظلم وناانصافی کا بازار گرم کریں گے، اس کے بندوں کو اپنا غلام بنائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کریں گے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے مسلمانوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، بیشک اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے''۔ (سورۃ التوبہ آیت: ۷۱)

زید شہیدؒ کی تحریک: حضرت زید شہید علیہ الرحمہ تاریخِ آلِ محمدؐ کی وہ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے واقعہ کربلا کے بعد اعلائے کلمہ حق اور تردید حکومتِ ظلم و جور میں اپنی جان کی پروا کئے بغیر سر کی بازی لگادی۔ اُس نازک وقت میں کون مقابلہ کی جراٴت کرسکتا تھا جب کہ ہر طرف جان و مال، عزت و آبرہ کو بچانے اور حکمرانوں کے ظلم و جور سے خوفزدہ مسلمان سب کچھ جانتے اور سمجھنے کے باوجود حاکمانِ وقت کے سامنے مجبور ہو گئے تھے، خاندانِ رسالت کا ایک فرد طاغوتی قوت کا مقابلہ کرنے کیلئے میدانِ عمل میں نکل آیا۔ یہ وہ دور تھا جس میں بادشاہانِ وقت کے چشم و ابرُو کے اشاروں اور ان کی تلواروں کی باڑھ کو تاریخ کا نام دے دیا گیا تھا، ایسے پرُ آشوب دور میں حضرت زید شہیدؒ کا یہ اقدام تاریخ اسلام پر احسانِ عظیم ہے۔ جنابِ زیدؒ نے تاریخ کے لکھنے والوں کو اس بات پر مجبور کردیا کہ اگر وہ بادشاہانِ وقت کی تلوار کو تاریخ قرار دیتے ہیں تو پھر انھیں اُس گردن کو بھی تاریخ سمجھنا پڑے گا جو اس تلوار کی زد میں آئی تھی۔

حضرت زید شہیدؒ کی انقلابی تحریک کے پیچھے وہی محرکات کارفرما تھے جو واقعہ کربلا کے پیچھے تھے۔ آپ کی یہ تحریک درحقیقت واقعہ کربلا ہی کا تسلسل تھی۔

اگر فقہ اسلام مظلوم کے ورثاء کو انتقام کا جائز حق دینے کے لیے تیار ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ حسین علیہ السلام کی نسل کے ایک جری و بہادر کو حسینؑ مظلوم کے قاتلوں سے انتقام لینے پر موردِ اعتراض قرار دیا جائے۔ اور اگر بنظرِ غائر حضرت زید شہیدؒ کی تحریک کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات با آسانی معلوم ہو سکتی ہے کہ سیاسی اعتبار سے اس وقت کی اسلامی حکومت جن مہلک اور ذلیل گمراہیوں میں مبتلا ہو چکی تھی اس کا واحد حل یہی تھا کہ اس کے خلاف جہاد بالسیف کے ذریعہ ایک خونی انقلاب برپا کیا جائے۔ حضرت زید شہیدؒ کی تحریک نے تاریخ اسلام پر نہایت گہرے اثرات مرتب کئے جن کے نتائج بہت جلد ملتِ اسلامیہ کے سامنے آ گئے اور بنی امیہ کی ظلم و استبداد اور ہیبت و جلال میں ڈوبی ہوئی حکومت چند سالوں میں صفحہ ہستی سے مٹ گئی۔

عقلا و دانشوروں نے اپنے مسلسل تجربات و مشاہدات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ دنیا کی ہر تحریک خواہ سیاسی ہو یا مذہبی، علاقائی ہو یا ملکی، قومی ہو یا بین الاقوامی، اسی وقت قائم و دائم رہ سکتی ہے اور ترقی کے مدارج طے کر سکتی ہے جب اسکی آبیاری قربانی کے خون سے کی جائے۔ یعنی ہر تحریک کی کامیابی کا دارومدار قربانی پر منحصر ہوتا ہے۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ نے دینِ اسلام کی تبلیغ و استحکام کیلئے تسلسل سے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور تقریباً ہر نبی نے اپنی قوت و استطاعت کے مطابق مصائب برداشت کئے اور قربانیاں پیش کیں۔ خاص طور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے انتہا مظالم برداشت کئے جن کی بابت آپ نے خود ارشاد فرمایا "مجھے وہ تکالیف پہنچائی گئیں ہیں جو کسی نبی کو نہیں پہنچیں"۔ آپ نے اپنی بے مثال

قربانیوں اور مسلسل جد وجہد سے اسلام کی بنیادوں کو ایسا استحکام بخشا کہ اللہ جلشانہٗ اسے قیامِ قیامت تک قائم ودائم رکھے گا۔

آپ کی بیعت: القسری کی تحقیقات کے سلسلہ میں زید شہیدؒ کی کوفہ میں آمد کے بعد ہی سے اہلِ کوفہ سرگرم ہو گئے تھے مگر یوسف بن عمر کی نگرانی کے باعث محتاط تھے۔ لیکن پانچ ماہ کی اسیری کے بعد جب آپ مدینہ کیلئے روانہ ہوئے، اور جب اہلِ کوفہ خدا اور رسول کا واسطہ دیکر آپ کو قادسیہ یا بروایت دیگر ثعلبیہ سے کوفہ واپس لے آئے جس کے بعد ہی سے اہلِ کوفہ کی آپ کے پاس آمد و رفت کا سلسلہ بڑھ گیا۔ اہلِ کوفہ کی اس کیفیت کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اس طرح بیان کیا ہے:

> ''۱۲۰ھ ۷۳۸ء میں جب ہشام بن عبدالملک نے خالد بن عبداللہ القسری کو عراق کی گورنری سے معزول کر کے اس کے خلاف تحقیقات کرائی تو اِس سلسلے میں گواہی کیلئے حضرت زید کو بھی مدینے سے کوفے بلایا گیا۔ ایک مدت کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ خاندانِ علیؓ کا ایک ممتاز فرد کوفہ آیا تھا۔ یہ شہر شیعانِ علیؓ کا گڑھ تھا۔ اس لئے ان کے آنے سے یک لخت علوی تحریک میں جان پڑ گئی اور لوگ کثرت سے اُن کے گرد جمع ہونے لگے۔ ویسے بھی عراق کے باشندے سالہا سال سے بنی اُمیہ کے ظلم وستم سہتے سہتے تنگ آ چکے تھے اور اٹھنے کیلئے سہارا چاہتے تھے۔ علوی خاندان کی ایک صالح، عالم، فقیہ شخصیّت کا میسّر آجانا انہیں غنیمت محسوس ہُوا۔ ان لوگوں نے زید کو یقین دلایا کہ کوفہ میں ایک لاکھ آدمی آپ کا ساتھ دینے کیلئے تیار ہیں اور ۱۵ ہزار آدمیوں نے بیعت کر کے باقاعدہ اپنے نام بھی انکے رجسٹر میں درج کرا دیئے۔ اس اثنا میں کہ خروج کی یہ تیاریاں اندر ہی اندر ہو رہی تھیں، اُموی گورنر کو ان کی اطلاع پہنچ

گئی۔ زید نے یہ دیکھ کر کہ حکومت خبردار ہوگئی ہے، صفر ۱۲۲ھ
۷۴۰ء میں قبل از وقت خروج کر دیا۔ جب تصادم کا موقع آیا تو کوفہ
کے شیعانِ علیؑ ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ جنگ کے وقت صرف ۲۱۸
آدمی ان کے ساتھ تھے۔ دورانِ جنگ میں اچانک ایک تیر سے وہ
گھائل ہوئے اور ان کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔"

(الجصاص ج: ا ص ۸۱ بحوالہ خلافت وملوکیت ص:۲۶۶)

الغرض حکومت کے خبردار ہو جانے کے باعث یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں آپ کی گرفتاری عمل میں نہ آجائے لہٰذا حضرت زید شہیدؒ نے روپوشی اختیار کی۔ اسی دوران بیعت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور کچھ ہی مدت میں آپ کی بیعت کرنے والوں کی تعداد پندرہ ہزار سے تجاوز کر گئی جن کے نام باقاعدہ طور پر دیوان میں لکھے گئے ابتدا میں جن عمائدین نے بیعت کی ان میں سلمہ بن کہیل، مصیر بن خزیمہ العبسی، معاویہ بن اسحاق الانصاری، حجتہ بن اخلص الکندی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کوفہ میں اپنے اس قیام کے دوران زید شہیدؒ بصرہ بھی تشریف لے گئے جہاں آپ نے دو ماہ قیام فرمایا پھر کوفہ آگئے۔ بصرہ سے واپسی کے بعد آپ نے اپنی بیعت کیلئے اہلِ موصل اور اہلِ سواد کے پاس قاصد بھیجے۔

عام طور سے یہ مشہور ہے کہ زید شہیدؒ کے طرفداروں میں صرف شیعانِ اہلِ کوفہ ہی تھے۔ یہ تاثر قطعی غلط ہے کیونکہ مورخین نے بیعت کرنے والوں کی جتنی تعداد بیان کی ہے اتنی تو کوفہ میں شیعانِ علی کی کل آبادی بھی نہیں تھی کیونکہ امویوں کے جور و ظلم سے تنگ آکر بحالت مجبوری و لاچاری حامیانِ اہلِ بیت آوارہ وطن ہو گئے تھے۔ آپ کی بیعت کرنے والوں میں اہلِ کوفہ کے علاوہ اہلِ مدائن، بصرہ، واسط، موصل، خراسان، رے اور جرجان کے لوگ بھی تھے اور اُن میں شیعہ، سنی، معتزلی وغیرہ کی کوئی تمیز نہ تھی سب ہی شامل تھے۔

شرائط بیعت: حضرت زید شہیدؒ جب اپنے طرفداروں سے بیعت لیتے تو کہتے تھے کہ "میں تمہیں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ظالموں سے جہاد، کمزوروں کی مدافعت، محرومین کو عطاء حق، سرکاری مالگذاری کی علی المسویہ تقسیم، مظالم کارد، کروڑ گیری کی موقوفی، اہلبیت کی امداد کی طرف اُن لوگوں کے خلاف جو ہمارے مخالف ہیں اور جنہوں نے ہمارے حقوق کو دیدہ ودانستہ بھلا دیا ہے، دعوت دیتا ہوں۔ کیا تم ان شرائط پر بیعت کرتے ہو"؟ اگر وہ اقرار کر لیتا تو اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیتے اور پھر کہتے "اب تم پر اللہ کا عہد و میثاق اور رسول اللہؐ کی ذمہ داری ہے کہ تم میری بیعت کو پورا کرو گے، میرے دشمن سے لڑو گے، ظاہر و باطن میرے خیر خواہ رہو گے"۔ اگر وہ ان باتوں کا بھی اقرار کر لیتا تو پھر اپنے ہاتھ کو اُس کے ہاتھ سے مس کرتے اور کہتے "اے خداوند تو گواہ رہ"۔ اسی طرح چند ماہ بیعت کا سلسلہ جاری رہا اور چالیس ہزار افراد نے آپ کی بیعت کی۔

زید شہیدؒ کی تلاش: اِدھر بیعت کا سلسلہ جاری تھا اور جنگ کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں، اُدھر سرکاری مخبر اپنا کام کر رہے تھے۔ زید شہیدؒ کے طرفداروں کی صفوں میں شامل ہو کر ہر بات اور ہر عمل کی خبریں والئی کوفہ کو پہنچا رہے تھے۔ ایک مخبر سلیمان بن سُراقیہ البارقی نے یوسف بن عمر کو ساری کیفیت سے مطلع کیا اور بتایا کہ زید بن علیؑ اہل کوفہ کے عامر اور طیعمہ نامی اشخاص کے پاس آتے رہتے ہیں اور اب انھیں کے پاس مقیم ہیں۔ یہ خبر پا کر یوسف نے ان دونوں کے گھروں کی تلاشی کیلئے ایک فوجی دستہ بھیجا مگر وہاں جناب زید تو نہیں ملے البتہ حکومتی کارندے ان دونوں افراد کو گرفتار کر کے لے گئے اور یوسف کے سامنے پیش کیا۔ یوسف نے ان سے پوچھ گچھ کی جسکے نتیجہ میں اسے حضرت

زید شہیدؒ کی تمام سرگرمیوں اور آپکے ارادے کا مفصل حال معلوم ہوگیا۔ جسکے بعد یوسف نے اپنے جاسوسوں کو حضرت زید شہیدؒ کی تلاش میں لگا دیا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یوسف بن عمر نے اپنے ایک خراسانی غلام کو جو گفتگو میں لکنت کرتا تھا پانچ ہزار درہم دیئے اور حکم دیا کہ وہ کسی شیعہ سے دوستی کرے اور ظاہر کرے کہ وہ خراسان سے اہلِ بیت کیلئے بہت سا مال لے کر آیا ہے تا کہ اُنھیں تقویت حاصل ہو، اس غلام نے شیعوں سے میل جول بڑھایا اور اُنہیں بتایا کہ اُس کے پاس کچھ رقم ہے، جسے وہ حضرت زید شہیدؒ کو دینا چاہتا ہے۔ آخر کار شیعہ اُسے زید شہیدؒ کے پاس لے گئے، وہ غلام اُن سے ملکر چلا آیا اور یوسف کو اُن کی قیام گاہ کا پتہ بتا دیا۔ یوسف نے آپ کی گرفتاری کیلئے رسالہ بھیجا، جسے دیکھتے ہی زید شہیدؒ کے طرفداروں نے اپنا شعار پکارا۔

جہاد سے راہِ فرار کا حیلہ: جب زید شہیدؒ کے طرفداروں کو معلوم ہوا کہ حضرت زید کی سرگرمیوں کا یوسف بن عمر کو علم ہوگیا ہے اور اس نے اپنے جاسوس لگا دیئے ہیں تو اُن میں کی ایک جماعت کے لوگ جو وعدے کے جھوٹے اور ہمت کے ہیٹے تھے، مختلف حیلے بھانوں سے اِدھر اُدھر چھپنے لگے۔ ایسے ہی لوگوں کی ایک اور جماعت جو ہوشیار اور چالاک تھی اس نے فرار کی یہ راہ نکالی کہ وہ حضرت زید شہیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے دریافت کیا کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت زید شہیدؒ نے جواب دیا کہ "اللہ اُن پر اپنا رحم کرے اور انھیں مغفرت دے، میں نے اپنے کسی خاندان والے کو اُن سے اپنی برات کا اظہار کرتے نہیں سنا اور نہ کوئی شخص ان کے متعلق کبھی بُرے الفاظ استعمال کرتا ہے" ان لوگوں نے کہا "آپ اہلِ بیت کے خون کا بدلہ لینے کے اسی لئے طالب ہوئے ہیں کہ یہ دونوں آپ کی

حکومت کے درمیان کود پڑے اور آپ کے ہاتھوں سے اُسے نکال لیا" حضرت زید شہیدؒ نے فرمایا کہ "اس معاملہ میں سخت سے سخت بات جو میں کہہ سکتا ہوں وہ صرف اتنی ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد اُن کی خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہم تھے مگر قوم نے دوسروں کو ہم پر ترجیح دی اور ہمیں اس سے ہٹا دیا۔ مگر اس بنا پر وہ ہمارے نزدیک کفر کے درجہ تک نہیں پہنچے۔ یہ دونوں حضرات امیر المومنین ہوئے تو انہوں نے لوگوں میں انصاف کیا، کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہؐ پر کاربند رہے"۔

اُن لوگوں نے کہا کہ "اُن حضرات نے آپکے ساتھ کوئی ظلم نہیں کیا تو اِن لوگوں نے بھی نہیں کیا۔ پھر آپ ہمیں کیوں ایسے لوگوں سے لڑنے کی دعوت دیتے ہیں جنھوں نے آپ پر ظلم نہیں کیا"۔ زید شہیدؒ نے جواب میں فرمایا "نہیں یہ بات نہیں ہے، یہ لوگ اُن جیسے نہیں ہیں، یہ ظالم ہیں نہ صرف میرے لئے بلکہ آپ لوگوں کے لئے اور خود اپنے لئے۔ میں آپ کو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہؐ کی طرف بلاتا ہوں تا کہ احیاءِ سنت ہو اور بدعت مٹائی جائیں۔ اگر آپ نے میری دعوت کو قبول کیا تو خود آپ کو اس کا فائدہ پہنچے گا اور اگر انکار کر دیا تو میں آپ پر حاکم تو ہوں نہیں"۔ یہ سن کر وہ لوگ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے اور بیعت توڑ دی۔

طبری نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اُن لوگوں میں سے بعض لوگ حضرت زید شہیدؒ سے گفتگو کرنے سے پہلے حضرت امام جعفر صادقؑ کے پاس آئے تھے اور کہنے لگے کہ "زید بن علی ہم میں آکر بیعت لے رہے ہیں، آپ کی کیا رائے ہے ہم ان کی بیعت کریں یا نہ کریں، جعفر صادقؑ نے کہا ہاں ضرور کرو، کیونکہ بخدا وہی ہم میں سب سے افضل و بہترین شخص ہیں اور ہمارے سردار ہیں۔ اسکے بعد

یہ لوگ زید کے پاس آئے مگر انہوں نے اس بات کو ظاہر نہیں کیا کہ جعفر نے ہمیں ایسا حکم دیا ہے"۔

اہلِ کوفہ کی مسجدِ اعظم میں محصوری: صورتحال کے پیشِ نظر حضرت زید شہیدؒ کے لئے ضروری ہو گیا کہ آپ جہاد کے وقت کا تعین کریں لہٰذا آپ نے اپنے طرفداروں کو بتایا کہ وہ یکم صفر ۱۲۲ھ کو جنگ کیلئے تیار ہو جائیں۔ یوسف بن عمر کے مخبروں نے یہ خبر یوسف کو پہنچائی، جو اُس وقت حیرہ کے مقام پر تھا۔ اہل کوفہ کا سردار حکم بن صلت تھا اور عمرو بن عبدالرحمٰن شہر کوتوال تھا جو قبیلۂ بنی ثقیف میں رہتا تھا، اس کے ہمراہ عبیداللہ بن عباس الکندی اپنے شامی لشکر کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔ یوسف کو جب حضرت زید شہیدؒ کی تیاریوں کی خبر پہنچی تو اس نے حکم بھیجا کہ تمام اہل کوفہ کو مسجد اعظم میں اکٹھا کر کے محصور کر لو۔ لہٰذا شہر کوتوال نے حکم کی تعمیل کی۔ اس نے اعلان کرا دیا کہ امیر کا حکم ہے کہ تمام لوگ مسجد اعظم میں جمع ہو جائیں۔ جو شخص اپنے گھر میں پایا جائے گا اس کے تمام حقوق ضبط ہو جائیں گے۔ حضرت زید شہیدؒ کے مقرر کردہ وقتِ جہاد سے قبل تمام اہلِ کوفہ کو مسجد اعظم میں محصور کر لیا گیا۔

طرفدارانِ زیدؒ کا پہلا شہید: سرکاری کارندوں نے حضرت زیدؒ کی تلاش میں معاویہ بن اسحٰق بن زید بن حارثۃ الانصاری کے گھر کی تلاشی لی مگر زید شہیدؒ وہاں نہیں ملے۔ پھر آپ نے معاویہ انصاری ہی کے مکان سے مقررہ وقت سے قبل جہاد کا آغاز کیا۔ اس رات نہایت ہی شدید سردی تھی، ان لوگوں نے مشعلیں تیار کر کے روشن کیں اور ندا دینے لگے "اے منصور ارادہ فرمایئے"۔ جب ایک مشعل جل کر ختم ہو جاتی تو دوسری روشن کر لیتے تھے اسی طرح رات بسر کی۔

صبح ہوئی تو حضرت زید شہیدؒ نے قاسم التغی الحضرمی اور ایک دوسرے شخص کو بھیجا کہ وہ اپنا شعار لوگوں میں پکاریں۔ جب یہ دونوں عبدالقیس کے میدان میں پہنچے تو جعفر بن عباس الکندی سے ان کی مڈبھیڑ ہوگئی، انہوں نے جعفر پر حملہ کر دیا، قاسم کا ساتھی مارا گیا اور قاسم التغی کو زخمی حالت میں شامی فوجی میدان سے اٹھا کر لے گئے اور حکم بن صلت کے سامنے پیش کیا۔ حکم نے گفتگو کی مگر قاسم نے اسکی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ حکم نے انکے قتل کا حکم دیا اور قاسم لتغی قصر کے دروازے پر قتل کر دیئے گئے۔ اسطرح جہاد حضرت زید شہیدؒ کے سب سے پہلے شہید یہی قاسم التغی اور انکے ساتھی تھے

کوفہ کی ناکہ بندی: حکم بن صلت نے راستوں پر پہرے بٹھا دیئے گلیوں اور بازاروں کی ناکہ بندی کر دی اور مسجد کے دروازے بھی بند کر دیئے۔ کوفہ میں فوج کے چار دستے تعینات تھے ان میں ایک دستہ اہلِ مدینہ کا تھا جس کا سردار ابراہیم بن عبداللہ بن جریر البجلی تھا، دوسرا دستہ بنی مذحج اور اسد کا تھا جس کا سربراہ عمرو بن ابی بدر العبدی تھا، تیسرا دستہ بنی ربیعہ کا تھا جس کی قیادت منذر بن محمد بن اشعث الکندی کر رہا تھا اور چوتھا دستہ بنی تمیم و ہمدان کا تھا جس کا سردار محمد بن مالک الہمدانی تھا۔ ان کے علاوہ جب حکم بن صلت نے اپنی جنگی تیاریوں سے یوسف کو مطلع کیا تو یوسف نے حالات معلوم کرنے کیلئے پچاس سواروں کا ایک دستہ جعفر بن عباس الکندی کی سربراہی میں کوفہ روانہ کیا۔ وہ کوفہ پہنچا اور جبانہ سالم السلولی تک آیا۔ زید شہیدؒ کے ہمراہیوں کے حالات معلوم کئے اور پھر یوسف کو جا کر خبر دی۔ صبح کو یوسف حیرہ کے قریب ایک ٹیلے پر آ کر ٹھرا، قریش اور دوسرے معزز لوگ اسکے ساتھ تھے۔ یوسف نے ریّان بن مسلمۃ الاراشی کو دو ہزار فوج کے ساتھ کہ جس کے ہمراہ تین سو قیقانی تیر اندازوں کا پیدل دستہ تھا آگے بڑھایا۔

دوسری جانب حضرت زید شہیدؒ کے طرفداروں کی تعداد گھٹ کر صرف دوسو اٹھارہ رہ گئی تھی۔ کچھ حکومت کی سختیوں کو دیکھ کر روپوش ہو گئے، کچھ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی بابت سوالات کو جواز بنا کر راہِ فرار اختیار کی اور کچھ کو مسجد اعظم میں محصور کر دیا گیا۔ اس طرح حضرت زید شہیدؒ نے اپنے مختصر جانثاروں کے ہمراہ کثیر شامی فوج کا نہایت بے جگری و بہادری سے مقابلہ کیا۔

نصر بن خزیمہ کا شامی فوج پر حملہ: حضرت زید شہیدؒ نے اپنے طرفداروں کو بلانے کیلئے ساتھ والوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنا شعار پکاریں۔ نصر بن خزیمہ یہ ندا سن کر زید شہیدؒ کی طرف چلے مگر اثنائے راہ میں عمرو بن عبدالرحمٰن جو حکم بن صلت کی فوج خاصہ کا سردار تھا اپنے جہنی سواروں کے دستہ کے ساتھ، زبیر بن ابی حکیمہ کے مکان کے قریب اُس راستہ پر جو بنی عدی کی مسجد کی طرف نکلتا ہے مزاحم ہوا۔ نصر اور اس کے ہمراہیوں نے سرکاری فوج پر حملہ کر دیا۔ عمرو بن عبدالرحمٰن مارا گیا اور اس کے ساتھی پسپا ہو گئے۔

زید شہیدؒ کا شامی سپاہ پر حملہ: حضرت زید شہیدؒ جب جبانۂ سالم سے بڑھتے ہوئے جبانۂ صائدین پر پہنچے تو وہاں پانچ سو شامی فوجیوں کا دستہ سامنے آ گیا، زید شہیدؒ نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان پر حملہ کر دیا اور انہیں شکست دی۔ یہاں سے زید شہیدؒ کناسہ کی طرف گئے وہاں شامی فوج پہلے سے متعین تھی، زید شہیدؒ نے ان پر حملہ کیا اور انہیں پسپا کر دیا۔ پھر وہاں سے بڑھ کر قبرستان پر نمودار ہوئے، یوسف بن عمر مع اپنے ہمراہیوں کے اُس وقت تک ٹیلے پر کھڑا ہوا انہیں دیکھ رہا تھا، دوسو آدمیوں کی زرہ بند پیدل فوج اس کے ساتھ تھی۔ طبری کا بیان ہے کہ "بخدا اگر زید اُس کا رُخ کرتے تو اُسے قتل کر ڈالتے"۔ زید شہیدؒ وہاں سے داہنی جانب خالد بن عبداللہ کے مصلے کی سمت

مڑے اور کوفہ میں داخل ہو گئے، ریان بن سلمہ شامی فوج کے ہمراہ کوفہ میں زید شہیدؒ کے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔

جس وقت زید شہیدؒ کناسہ کی طرف مڑے تھے اُس وقت آپ کے ساتھیوں کی ایک جماعت مخنف بن سلیم کے قبرستان کی طرف چلی گئی تھی، وہاں سے وہ کندہ کے قبرستان کی طرف جانے کی بات کر ہی رہے تھے کہ شامی فوج آ گئی، وہ لوگ ایک تنگ گلی میں گھس گئے، اُن میں کا ایک شخص پیچھے رہ گیا، وہ مسجد میں چلا گیا، دو رکعت نماز پڑھی پھر باہر آ کر شامیوں سے مقابلہ کیا، شامیوں نے اسے زمین پر گرا دیا اور تلواریں مارنے لگے اور اس کے سر پر فولادی گرز سے ضرب لگائی، زیدی سپاہ نے شامیوں پر حملہ کر کے انہیں وہاں سے بھگا دیا مگر وہ شخص شہید ہو چکا تھا۔ شامیوں نے زیدی مجاہدین کو گھیرنے کی کوشش کی، سب بچ کر نکل گئے مگر ایک شخص جماعت سے بچھڑ کر عبداللہ بن عوف کے مکان میں جا گھسا، شامی بھی مکان میں داخل ہوئے اور اسے گرفتار کر کے یوسف کے پاس لائے، یوسف نے اسے قتل کرا دیا۔ اُس روز کوفہ میں ہی جنگ ہوتی رہی۔

عبیداللہ بن عباس کا حملہ و پسپائی: نصر بن خزیمہ نے حضرت زید شہیدؒ سے کہا کہ تمام لوگ مسجد اعظم میں محصور ہیں، آپ ہمیں لیکر وہاں چلئے، دوسری طرف عبیداللہ بن عباس الکندی کو زیدی سپاہ کی پیش قدمی کا علم ہوا تو وہ شامیوں کو لیکر مقابلہ کیلئے بڑھا۔ عمر بن سعد بن ابی وقاص کے دروازہ پر دونوں کا مقابلہ ہوا، جب عبیداللہ نے حملہ کا ارادہ کیا تو اُس کی فوج کا علمبردار سلیمان جو اُسی کا آزاد غلام تھا، اس موقعہ پر رُکا تو اُس نے اُسے ڈانٹا کہ اے خبیثہ کے بیٹے حملہ کر، اُس نے حملہ کیا اور آگے ہی بڑھتا گیا یہانتک کہ اس کا علم خون سے رنگین ہو گیا۔ سلیمان کے قتل کے بعد عبیداللہ تنہا جنگ کیلئے سامنے آیا۔ واصل غلہ فروش

اُس کے مقابلہ کے لئے نکلا، دونوں تلواریں چلاتے رہے، پھر واصل نے احول سے کہا تم اس کا مقابلہ کرو میں تو ایک نوعمر غلہ فروش ہوں۔ عبیداللہ نے اس پر کہا اللہ میرے ہاتھ قطع کر دے اگر میں تجھے زندہ چھوڑوں، عبیداللہ نے اُس پر تلوار کا وار کیا مگر بیکار گیا۔ عبیداللہ اور اس کے ہمراہی عمرو بن حرث کے مکان تک پسپا ہو گئے۔

عبیداللہ کی پسپائی کے بعد زید شہیدؒ اور ان کے ہمراہی باب الفیل تک بڑھ آئے۔ انہوں نے دروازوں کے اوپر سے اپنے علم مسجد اعظم میں داخل کر کے محصورین سے پکار پکار کر کہنے لگے "اے مسجد والو ہمارے پاس آجاؤ" نصر بن خزیمہ نے بھی انہیں پکار کر کہا کہ "اے کوفہ والو! ذلت سے نکل کر عزت میں آؤ، ہمیں یہاں دین و دنیا دونوں حاصل ہونگے کیونکہ موجودہ حکومت میں نہ دنیا کا تمہیں فائدہ ہے اور نہ دین کا" یہ سن کر شامی فوجی بلندی پر چڑھ گئے اور مسجد پر سے طرفدارانِ زید پر سنگ باری کرنے لگے۔ اُس روز کوفہ کے باشندوں کی ایک بڑی جماعت کوفہ کے اطراف میں تھی۔ ریان بن سلمہ مغرب کے وقت حیرہ کی طرف پلٹا، زید بن علیؑ بھی اپنے طرفداروں اور کچھ کوفیوں کے ہمراہ جو اُن سے آملے تھے پلٹے اور سرکاری بھنڈار خانہ پر آجمے۔ ریان بن سلمہ نے یہاں آکر ان کا مقابلہ کیا اس مقام پر نہایت شدید معرکۂ جدال وقتال ہوا، بہت سے شامی مقتول و مجروح ہوئے۔ زید کے ہمراہیوں نے اُس مقام سے مسجد تک شامیوں کا تعاقب کیا۔ یہ بدھ کا دن تھا شام کے وقت شامی فوجی مایوسانہ خیالات لئے ہوئے واپس ہوئے۔

عباس بن سعید اور زید شہیدؒ کی جنگ: دوسرے دن جمعرات کی صبح کو یوسف بن عمر نے ریان بن سلمہ کو بلوایا مگر معلوم ہوا کہ وہ اسوقت حاضر نہیں

ہے۔ پھر یوسف نے اپنی فوجِ خاصہ کے سردار عباس بن سعید المزنی کو بلایا اور اسے زید شہیدؒ کے مقابلہ پر بھیجا۔ اس نے بھنڈار خانہ پہنچ کر زید شہیدؒ کا مقابلہ کیا، وہاں ایک نجار کی بہت سی لکڑیاں پڑی ہوئی تھیں کہ جن سے راستہ بہت تنگ ہو گیا تھا، زید اپنے ساتھیوں کو لے کر مقابلہ کیلئے بڑھے، آپ کے دونوں پہلوؤں پر نصر بن خزیمہ العبسی اور معاویہ بن اسحاق الانصاری تھے۔ جب عباس نے انھیں دیکھا تو چونکہ اُس کے ہمراہ پیدل فوج نہ تھی اس لئے اُس نے اپنے دستہ کو پیادہ ہو جانے کا حکم دیا، چنانچہ اس کے اکثر فوجی گھوڑوں سے اُتر پڑے اور نہایت خوں ریز معرکہ شروع ہوا۔

نصر بن خزیمہ کی شہادت: اہلِ شام میں بنی عبس کا ایک شخص نائل بن فروہ نامی تھا، اس نے یوسف بن عمر سے کہا کہ اگر میں نے نصر بن خزیمہ کو دیکھ پایا تو یا میں اُسے قتل کر دوں گا یا وہ مجھے قتل کر ڈالے گا۔ یوسف نے اُسے ایک تلوار دی، یہ تلوار جس چیز پر پڑتی اُسے قطع کر دیتی، جب حریفوں کا مقابلہ ہوا تو نائل بن فروہ نے نصر بن خزیمہ کو دیکھا، یہ اس کی طرف بڑھا اور نصر پر تلوار کا وار کیا اُنکی ران کٹ گئی مگر نصر نے بھی ایک ہی ضرب میں اُس کا کام تمام کر دیا، اور وہ خود بھی شہید ہو گئے۔

اس معرکہ میں نہایت شدید جنگ ہوتی رہی، آخر کار زید شہیدؒ نے شامی فوج کو شکست دیکر بھگا دیا، اس معرکہ میں شامیوں کے ستر آدمی قتل ہوئے، شامی جب پسپا ہوئے اُن کی بہت بُری درگت بن چکی تھی۔ عباس بن سعید نے اپنے سپاہیوں کو سوار ہونے کا حکم دیا اور یہ سب لوگ سوار ہو کر چلے گئے۔

سرِ شام یوسف بن عمر نے پھر انہیں تیار کر کے مقابلہ کے لئے بھیجا، جب دونوں حریف مقابل آ گئے تو زید شہیدؒ نے اپنے مجاہدوں کو لیکر مقابلہ کیا اور

شامیوں کو شکست دیکر وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا اور اُن کا تعقب کیا حتیٰ کہ وہ سنجہ کی طرف بھاگ گئے۔ پھر آپ نے سنجہ میں آ کر اُن پر حملہ کیا اور وہاں سے انہیں بنی سلیم کی طرف دھکیل دیا، یہاں بھی زید شہیدؒ نے اپنے رسالے اور پیدل سپاہ کے ساتھ اُن کا تعقب جاری رکھا، شامی مستاۃ کی راہ ہو لئے مگر زید شہیدؒ بارق اور رواس کے درمیان اُن کے مقابل آئے، ایک بار پھر یہاں طرفین میں نہایت شدید جنگ ہوئی۔

زید شہیدؒ کی جماعت پر تیر بارانی: اُس روز زید شہیدؒ کا علمبردار جناب عباس بن عبدالمطلب کے حلیف قبیلہ بنی سعد بن زید کے عبدالصمد بن ابی مالک بن مسروح تھے، مسروح کی شادی حضرت عباسؓ کی صاحبزادی صفیہ سے ہوئی تھی، شامی فوج کا کوئی رسالہ دار زیدی سپاہ کے مقابلہ میں ٹھہرتا نہ تھا، عباس نے یوسف کو حالات سے مطلع کیا اور کہلا بھیجا کہ تیر انداز بھیجد یئے جائیں۔ یوسف نے سلیمان بن کیسان الکلبی کو قیقانی اور نجاری قادر اندازوں کے ساتھ عباس کی مدد کیلئے بھیج دیا جنہوں نے زیدی فوج پر تیر بارانی شروع کر دی، سنجہ پہنچ کر زید شہیدؒ نے چاہا کہ زیادہ خطرہ میں اپنی جمیعت کو نہ ڈالیں اور وہاں سے پلٹ جائیں مگر خود آپ کے ساتھی جذبۂ جوش جہاد کے باعث آگے بڑھتے گئے۔ بہر حال جہاد کے آخری ایام میں آپ کے چند ارشادات مورخین نے رقم کئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ:

"شکر ہے اُس خدا کا جس نے مجھے اپنے دین کو حدِ کمال تک پہنچانے کا اس وقت موقعہ عطا فرمایا"

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ:

"جب کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سخت شرمندہ تھا کہ اُن کی اُمت کو معروف کا حکم میں نے کیوں نہیں دیا اور منکر سے کیوں نہیں روکا"

اسی کے قریب قریب دوسری روایت ان الفاظ میں ہے کہ

"خدا کی قسم مجھے یہ چیز سخت ناگوار تھی کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کروں اور اس حال میں ملاقات کروں کہ انکی امت کو نہ معروف کا میں حکم دیئے ہوتا اور نہ منکر سے منع کئے ہوتا"

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ:

"خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کو جب میں نے درست کرلیا تو اسکے بعد مجھے اس کی قطعاً پرواہ نہیں ہے کہ میرے لئے آگ جلائی جائے اور مجھے اس میں جھونک دیا جائے"

(مقدمہ الروض النضیر)

حضرت زیدؒ بن علیؑ کی شہادت: معاویہ بن اسحٰق الانصاری زید شہیدؒ کے ہمراہ نہایت شجاعت و جوانمردی کا مظاہرہ کر رہے تھے اور خوب ہی دادِ مردانگی حاصل کر رہے تھے حتیٰ کہ اسی معرکہ میں شہید ہو گئے۔ حضرت زید شہیدؒ اپنے جانثاروں کے ساتھ میدانِ کارزار میں جمے رہے یہانتک کہ ہر طرف رات کی تاریکی چھا گئی۔ اسی تاریکی میں اچانک ایک تیر آپ کی پیشانی کے بائیں جانب لگا اور دماغ تک پیوست ہوگیا، آپ کے ساتھی آپ کو لیکر واپس ہوئے، شامیوں کو یہی خیال رہا کہ رات ہو جانے کے سبب زید شہیدؒ اپنے ساتھیوں کو لیکر واپس پلٹ گئے ہیں۔

سلمہ بن ثابت کا بیان: سلمہ بن ثابت اللیثی جو خود اس معرکہ میں زید شہیدؒ کے ہمراہ تھے اور اُس روز وہ اور معاویہ بن اسحٰق کے ایک غلام سب کے بعد میدانِ جنگ سے واپس ہوئے تھے، اُن کا بیان ہے کہ میں اور میرا ساتھی زید کے زخم کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے جا رہے تھے، ہمیں معلوم ہوا کہ وہ گھوڑے سے اُتار کر حران بن کریمہ (جو کسی عرب کا آزاد غلام تھا) کے مکان واقع واک

کی سڑک پر ار جب اور شاکر کے مکانات میں سے کسی مکان میں لا کر اُتارے گئے ہیں، میں آپ کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ خدا مجھے آپ پر سے قربان کردے اور لوگ جا کر ایک طبیب کو لے آئے اس کا نام شقیر تھا اور وہ بنی رواس کا آزاد غلام تھا، اُس نے آپ کی پیشانی سے تیر کھینچ لیا، میں اس وقت اُنہیں دیکھ رہا تھا، تیر کھینچتے ہی زیدؒ کی آواز بلند ہوئی اور فوراً ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔

اِنّا لِلّٰہِ و اِنّا اِلیہِ رَاجعوُن ۔

مورخین نے عام طور پر یہی بیان کیا ہے کہ آپ کی شہادت بروز جمعہ ہوئی۔ جبکہ واقعات جنگ کا بغور مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمعرات کی جنگ میں شام کی تاریکی چھا جانے کے بعد آپ کی پیشانی پر تیر لگا جس کے سبب آپ کی شہادت ہوئی اور اُسی رات آپ کی تدفین کی گئی۔ جسکا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی شہادت یوم جمعہ نہیں بلکہ شب جمعہ میں ہوئی تھی۔

زید شہیدؒ کی تدفین: حضرت زید شہیدؒ کے طرفداروں میں باہم مشورہ ہونے لگا کہ آپ کی میت کو کہاں دفن کریں تا کہ آپ کا جسد مبارک دشمنوں کی دست برد سے محفوظ رہے، بعضوں نے کہا کہ زرہ پہنا کر پانی میں ڈالدیں، دوسروں نے کہا کہ آپ کا سر کاٹکر مقتولین میں رکھ دیں، آپ کے فرزند یحییٰ بن زید شہید نے کہا میں اسے گوارا نہیں کروں گا، کچھ لوگوں نے رائے دی کہ آپ کو عباسیہ لے چلیں اور وہاں دفن کریں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے مشورہ دیا کہ اُس گڑھے میں جہاں سے مٹی لی جاتی ہے میت دفن کر دیجائے، اس رائے کو سب نے پسند کیا، لہٰذا ہم نے وہاں دو گڑھوں کے درمیان قبر کھودی، اس زمانہ میں گڑھوں میں پانی بہت تھا، بڑی مشکل سے قبر کھود کر آپ کی میت کو سپردِ خاک کردیا اور قبر پر پانی بہادیا۔

جسٹس امیر علی کا بیان ہے کہ:

Zaid was killed, and his body was sureptitiously buried by his followers. but the vindictive Ommeyades discovered the grave; the body was exhumed and impaled on a cross; after a time it was taken down and burnt, and the ashes thrown into the Euphrates_ an act of insensate barbarism which brought on the Ommeyades fearful and ruthless reprisals. (History of the saracens P:155)

ترجمہ: زید قتل کر دیئے گئے، اُن کے ساتھ والوں نے اُن کی لاش کو پوشیدہ طور پر دفن کر دیا، لیکن کینہ ور امویوں نے اُن کی قبر کا کھوج لگایا، قبر کھود کر آپ کی لاش کو نکال لیا اور سولی پر لٹکا دیا۔ ایک مدت کے بعد آپ کی لاش کو اُتار کر جلا دیا اور راکھ کو فراط کے کنارے ہوا میں اُڑا دیا۔ اس طرح خوفزدہ بے رحم امویوں نے بدلہ لینے کی خاطر کھلی بربریت کا مظاہرہ کیا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت زید شہیدؒ کی لاش کو نہر یعقوب میں پانی روک کر اس کی تہہ میں دفن کیا گیا تھا۔

یحیٰ بن زید کی کوفہ سے روانگی: راوی کا بیان ہے کہ تدفین کے بعد جب وہاں سے پلٹ کر ہم جبانۃ السبیع آئے، ہمارے ساتھ حضرت زید شہیدؒ کے صاحبزادے جناب یحیٰ بھی تھے، یہاں سے تمام لوگ ہم سے علیحدہ ہو کر چلے گئے اور میں صرف دس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ رہ گیا، میں نے جناب یحیٰ سے کہا اب صبح ہوا چاہتی ہے، آپ کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں، اُن کے ہمراہ ابو الصیار العبدی بھی تھے۔ جناب یحیٰ نے کہا میں نہرین جانا چاہتا ہوں۔ نہرین سے میں یہ سمجھا کہ آپ فراط کے کنارے کنارے جانا اور دشمنوں سے لڑنا

چاہتے ہیں، اس خیال سے میں نے اُن سے کہا تو پھر آپ اس جگہ سے نہ ہٹیں
اور یہیں دشمن کا آخری دم تک مقابلہ کریں یا پھر جو اللہ کرے، اس کے جواب
میں اُنھوں نے کہا کہ میں کربلا کے دریاؤں کو جانا چاہتا ہوں، یہ سنتے ہی میں
نے کہا پھر صبح ہونے سے پہلے ہی یہاں سے نکل جایئے۔

جناب یحییٰ ایک مختصر جماعت کے ساتھ فوراً وہاں سے روانہ ہو گئے،
جب یہ جماعت کوفہ سے نکل گئی تو اذانِ صبح کی آواز سنائی دی، نخیلہ میں نمازِ صبح
پڑھی اور پھر نینوا کی طرف چل پڑے۔ یحییٰ نے کہا کہ میں بشر بن عبدالملک بن
بشر کے آزاد غلام سابق کے پاس جانا چاہتا ہوں، یہ جماعت تیز رفتاری سے اپنی
منزل کی طرف بڑھنے لگی۔ جب نینوا پہنچے تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ سابق کے مکان پر
پہنچ کر آپ کے ساتھی اپنی اپنی منزلوں کی سمت چلے گئے۔

زید شہیدؒ اور ساتھیوں کے سروں کی قیمت: یوسف نے شامیوں
کو بھیجا کہ اہل کوفہ کے مکانات میں زخمیوں کو تلاش کریں یہ لوگ عورتوں کو صحن
میں نکال دیتے اور زخمیوں کی تلاش میں سارے گھر کو چھان ڈالتے تھے۔ یوسف
نے یہ بھی منادی کردی تھی کہ جو کوئی ایک سر لیکر آئیگا اُسے پانچ سو درہم انعام دیا
جائیگا۔ نصر بن خزیمہ کا سر لیکر آنے والے محمد بن عباد کو یوسف ثقفی نے ایک ہزار
درہم دلوائے۔ جبکہ معاویہ بن اسحٰق کا سر لانے والے سے یوسف نے پوچھا کیا
تو نے ہی اسے قتل کیا ہے اس نے جواب دیا میں نے قتل نہیں کیا بلکہ میں نے
اسے دیکھ کر پہچان لیا تھا، یوسف نے اسے سات سو درہم دینے کا حکم دیا۔ چونکہ
اس نے خود قتل نہیں کیا تھا اس لئے اسے پورے ہزار نہیں ملے۔

مدفن کی نشاندہی: زید شہیدؒ کے مدفن کا پتہ لگانے کی بابت مختلف روایتیں
مشہور ہیں۔ مثلاً ایک روایت یہ ہے کہ یحییٰ نامی آپ کے ایک سندھی غلام نے جو

تدفین میں شریک تھا اُس نے بر بنائے خوف قبر کا پتہ بتا دیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب یوسف بن عمر کو حضرت زید کی شہادت کی اطلاع ملی تو اُس نے اعلان کرایا کہ جو کوئی حضرت زید کے مدفن کا پتہ بتائے گا اسکو انعام دیا جائے گا۔ لہٰذا جس طبیب نے آپ کا تیر نکالا تھا اور جو عبدالحمید رواسی کا مملوک تھا اس نے آپ کے مدفن کی نشاندہی کی تھی۔

اس ضمن میں مسعودی کا بیان ہے کہ ''پردۂ شب دونوں فریقوں میں حاجب بنا زید زخموں سے چُور پلٹے ان کی پیشانی میں ایک تیر پیوست تھا۔ بہت تلاش کے بعد کسی گاؤں سے ایک حجام لایا گیا۔ زیدیوں نے اُس سے اخفائے راز کا عہد لیا، اس نے تیر نکالا اور اور ادھر اُن کی روح جسدِ عنصری سے نکل گئی۔ ایک راج بہے میں ان کو دفن کر کے اس پر مٹی اور بانس وغیرہ ڈال کر قبر کو پانی میں غرق کر دیا تا کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔ اُس حجام نے جو اُن کے دفن میں موجود تھا اور جس نے اس مقام کو اچھی طرح دھیان میں رکھا تھا صبح ہوتے ہی خود جا کر یوسف بن عمر کو سارے واقعہ کی اطلاع کی اور ان کی قبر بتادی۔ یوسف نے زید کی لاش نکلوائی، سر کاٹ کر ہشام بن عبدالملک کے پاس بھیجدیا۔ ہشام نے یوسف کو حکم دیا کہ زید کے جسد کو بحالتِ عریاں سُولی پر لٹکا دیا جائے۔ یوسف نے حسب حکم بجا آوری کی۔ اسی کے متعلق بنی اُمیہ کے کسی شاعر نے آل ابی طالب اور اُن کے شیعوں کو خطاب کر کے ایک طویل قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے کہ:

صلبنا لکم زیدا علی جذع نخلة ولم اَرمهدیا علی الجذع یُصلَب

ترجمہ: ہم نے کھجور کے تنے پر تمہاری عبرت کے لئے زید کو سُولی پر لٹکا دیا اور میں نے کبھی کسی مہدی کو اس طرح درخت کے تنے پر سُولی دیا جاتا ہوا نہیں دیکھا۔

اس لکڑی کے نیچے (جس پر زید شہیدؒ کے جسد کو آویزاں کیا گیا تھا) حکومت نے اور ستون کھڑے کرا دیئے تھے، اس واقعہ کے بہت عرصہ بعد ہشام نے یوسف کو حکم دیا کہ زید کے لاشہ کو جلا کر اس کی خاک سپرد باد کر دی جائے۔[1]

حضرت زید شہیدؒ کے مدفن کی نشاندہی کے ضمن میں ایک روایت جو زیادہ قوی ہے اس میں بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت حضرت زید شہیدؒ کے ساتھی آپ کی لاش کو دفن کر رہے تھے ایک دھوبی جو وہاں موجود تھا، دیکھ رہا تھا۔ سرکاری عہدیداروں نے جب اس سے پوچھ گچھ کی تو اس نے سارا ماجرہ بتا دیا۔ زید شہیدؒ کا مدفن بتانے کے لئے اسے کچھ رقم بطور انعام بھی دی گئی۔

بہر حال جب یوسف بن عمر کو آپ کے مدفن کا پتہ چل گیا تو اس نے اپنے پولیس افسر خراش بن حوشب بن یزید الشیبانی کو قبر سے لاش نکالنے کا حکم دیا۔ لاش برآمد کی گئی اور قصرِ دارالامارہ کے دروازہ پر لائی گئی۔ بقول ابومخنف یوسف کے حکم سے حَکم بن صلت نے آپ کا سر قلم کیا۔ اس کے بعد یوسف نے حکم دیا کہ حضرت زید شہیدؒ اور آپکے دیگر رفقاء کی لاشوں کو کناسہ کے بازار میں سولی پر لٹکا دیا جائے۔ لہٰذا حضرت زید شہیدؒ کے ساتھ نصر بن حزیمہ، معاویہ بن اسحٰق اور زیاد الہندی کی لاشوں کو سولی پر لٹکا دیا گیا اور اس ڈر سے کہ کوئی لاش کو اتار نہ لے اُسکے پاس پہرہ مقرر کر دیا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حَکم بن صلت نے لاش نکالنے کیلئے اپنے بیٹے اور عباس بن سعید المزنی کو بھیجا۔ عباس نے یوسف بن عمر کو خوشخبری دینے کیلئے اس کے پاس ایک قاصد کو زید شہیدؒ کا سر دیکر حجاج بن قاسم بن محمد کے ہمراہ بھیجا۔ جب یوسف کے پاس یہ قاصد پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ زید بن علی، نصر بن خزیمہ، معاویہ بن اسحٰق اور زیاد النہدی کی لاشوں کو کناسہ میں سولی پر لٹکا دیا جائے۔ ابنِ طباطبا کا بیان ہے کہ:

[1] مروج الذہب (اردو ترجمہ) ص: ۱۵۳

"جنگ تو پوری بے جگری کے ساتھ کی لیکن ایک تیر ماتھے پر آ کر لگا اور پیوسط ہو گیا۔ ایک آہن گر کو بلوا کر تیر نکلوایا مگر تیر کے ساتھ ساتھ جان بھی نکل گئی اُن کے ساتھیوں نے اُنہیں نہر کے اندر دفن کر کے اس پر پانی رواں کر دیا، انہیں خطرہ تھا کہ کہیں ان کی لاش کو مثلہ نہ کر دیا جائے۔ جب امیر کوفہ یوسف بن عمر غالب آ چکا تو اُس نے زید کی قبر کھدوا کر لاش نکالی اور ایک عرصہ تک کیلئے اسے سولی پر آویزاں کر دیا۔ اس کے بعد جلا کر راکھ دریائے فرات میں بہادی۔ خدا اُن (زید شہیدؒ) سے راضی ہو اور اُن پر سلام بھیجے اور ان ظالموں پر لعنت بھیجے جنہوں نے ان کا حق غصب کیا اور وہ دنیا سے مظلوم شہید ہو کر گئے"۔ (الفخری ص: ۱۶۱)

تاریخ ابن الوردی میں ہے کہ یوسف بن عمر ثقفی نے زید شہید کا دھڑ سولی پر چڑھا دیا اور سر ہشام کے پاس بھیج دیا۔ اور تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ جب زید شہید کا برہنہ جسم دار پر چڑھایا گیا تو مکڑی نے جالا لگا کر اُن کی شرمگاہ کو چھپا دیا۔ [۱]

ایک روایت یہ ہے کہ ہشام نے حضرت زید شہیدؒ کا سر دمشق کے دروازہ پر نصب کرا دیا اور پھر اس سر کو مدینہ بھجوا دیا۔ ہشام کے مرنے تک حضرت زید شہیدؒ کی لاش کناسہ میں سولی پر لٹکی رہی۔ اُس کے مرنے کے بعد ولید نے اُسے اُتروا کر جلوا دیا۔ حضرت زید شہیدؒ کے سرِ اقدس کی بابت قمر زیدی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

"عیسیٰ ابن سواد بیان کرتا ہے کہ میں اس وقت مدینہ میں موجود تھا جب سر زید ابن علی وہاں پہنچا۔ حاکم مدینہ نے اس کو مسجد کے آخر کے دروازہ پر نصب کرایا اور منادی سے ندا کرا دی کہ جو بالغ مرد مسجد میں نہ آئیگا اس کا خون حلال سمجھا جائیگا چنانچہ کثیر مجمع مسجد میں آ گیا،

---

۱ بحوالہ تاریخ احمدی ص: ۳۵۳

اور سات دن تک یہی طریقہ رہا کہ حاکمِ مدینہ مسجد میں آتا، مجمع جمع ہوتا اور حاکم کے حکم سے خطباء ورؤسائے مدینہ حضرت علیؑ وحضرت امام حسینؑ اور جناب زید پر اور ان کے شیعوں پر لعنت بھیجتے۔ اکثر شعراء اس ذیل میں اپنا کلام پیش کرتے تھے جس میں اہلِ بیتؑ کو بُرا کہا جاتا تھا۔

پھر کچھ عرصہ بعد سرِ اقدس مصر بھیج دیا گیا اور جامع مسجد پر نصب کر دیا گیا اس کو اہلِ مصر نے چرالیا اور پوشیدہ طور سے مسجد محرس الخصی میں دفن کر دیا گیا لیکن شریف محمد ابن اسعد الخوانی نے کتاب جواہر المکنون میں بیان کیا ہے کہ سر مطہر زید ابن علی ابن طولون و برکتہ الفیل کی جامع مسجد کے راستہ میں دفن کیا گیا اور یہیں وہ مسجد ہے جس کو مسجد محرس الخصی کہتے ہیں۔ دیگر روایات بھی یہی بتاتی ہیں کہ سر اقدس مصر ہی میں دفن ہے۔ (زید شہید بطل رشید ص: ۱۷۷)

زید شہیدؒ کا سر مدینہ میں ۱۲۳ھ تک سولی پر لٹکا رہا۔ ایک انصاری نے اُس کے سامنے چند اشعار پڑھے جن میں زید شہیدؒ کی مذمت کی تھی۔ لوگوں نے اسے لعنت کی تو اُس نے کہا امیر مجھ سے ناراض ہیں اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے میں نے یہ شعر کہے۔ پھر زید کے طرفداروں میں سے کسی شاعر نے اُس کا جواب دیا۔

اہلِ کوفہ سے یوسف کا خطاب: حضرت زید شہیدؒ کی شہادت کے بعد یوسف بن عمر کوفہ آیا اور اہلِ کوفہ کو جمع کر کے اُس نے یہ تقریر کی کہ " اے اس ناپاک شہر کے باشندو! تمھیں تمہاری توہین وتذلیل کی میں خوشخبری دیتا ہوں، ہم تمہارے مناصب اور روزینے اب نہیں دینگے، میں نے تو یہ ارادہ کیا ہے کہ تمہارے شہروں اور مکانات کو برباد کر دوں، تمہارے مال ومتاع کو لوٹ لوں۔ میں نے امیر المومنین سے تمہارے بارے میں پوچھا ہے اگر مجھے اجازت مل گئی تو

میں تمہارے تمام جنگ جُو مردوں کو قتل کرڈالوں گا اور تمہارے بیوی بچوں کو لونڈی غلام بنالوں گا“۔

جسدِ شہید کی مدتِ سولی: حضرت زید شہیدؒ کے جسدِ خاکی کو کتنی مدت تک سولی پر آویزاں رکھا گیا اس ضمن میں مورخین مین اختلاف پایا جاتا ہے کسی نے یہ مدت ایک سے دو سال اس لئے بتائی ہے کہ ان کے نزدیک خود ہشام نے آپ کے جسم کو شعلوں کی نذر کرنے کا حکم دیا تھا۔ بعض نے تین اور چار سال جبکہ بعض نے پانچ سے چھ سال لکھی ہے۔ لیکن تحقیق کرنے والوں کا بیان ہے کہ آپ کی لاش ۱۲۵ھ تک سولی پر آویزاں رہی اور جب جنابِ یحیٰؑ بن زید شہید نے خراسان میں علم جہاد بلند کیا تب حاکمِ وقت ولید بن یزید بن عبدالملک نے والیٔ عراق یوسف بن عمر کو حکم بھیجا کہ زید بن علی کی لاش کو جلا کر اُس کی راکھ کو دریائے فرات کے کنارے ہوا میں اڑادو۔ لہٰذا حکم کی تعمیل ہوئی اور اس طرح یہ مدت تقریباً تین سال ہوتی ہے۔

بہر حال جو بھی مدت تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ابتداء ہی میں آپ کی ستر پوشی کا ایسا بندوبست فرمایا کہ اس طویل مدت میں کسی نے بھی آپ کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا۔ جیسا کہ اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ کانت العنکبوت علی عورۃ فتستر ھا۔ یعنی: مکڑی نے جالا تان دیا اور پرندوں نے گھونسلہ بنالیا۔ اس واقع کی بابت بہت سی روایتیں کتب میں منقول ہیں۔

حضرت زید شہیدؒ کے جہاد بالسیف کے واقعات کو طبری نے تفصیل سے لکھا ہے اور بعد کے لکھنے والوں نے طبری سے ہی لیا ہے۔ ہم نے بھی ان واقعات کی ترتیب میں تاریخِ طبری سے ہی استفادہ کیا ہے۔ مندرجہ بالا مضمون میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت زید شہیدؒ کی تحریک کے دوران اہل کوفہ نے

جوق در جوق آپ کی بیعت کی یہانتک کہ یہ تعداد چالیس ہزار تک پہونچ گئی۔ آپ کے طرفداروں کی کثرت اور جنگ سے پہلے کی صورتحال کو دیکھتے ہوئے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ آپ کو کامیابی نہ ہو۔لیکن حکومتِ وقت نے اپنے کارندوں کے ذریعہ آپ کے طرفداروں میں بدگمانی اور خوف وہراس پھیلایا جس کے باعث وعدہ کے جھوٹے اور ہمت کے ہیٹے مختلف حیلے بہانوں سے فرار کی راہ ڈھونڈنے لگے۔اسی طرح کم ہمتوں کے ایک گروہ نے جنگ سے کچھ دن پہلے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی بابت ایک ایشو کھڑا کر کے راہِ فرار اختیار کی۔ بقیہ اہلِ کوفہ کو حکمرانوں نے مسجد اعظم میں بلا کر محصور کر لیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کے وقت آپ کے جانثاروں کی کم سے کم تعداد دو سو اٹھارہ اور زیادہ سے زیادہ تین سو رہ گی۔اس کے باوجود حضرت زید شہیدؒ نے اپنے ان مٹھی بھر جانثاروں کے ساتھ کثیر شامی فوجیوں کا مقابلہ کیا اور تین دن تک ایسی زبردست جنگ کی کہ دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے اور جو تاریخ میں یادگار ہے۔آپ کی شہادت کے بعد امویوں نے جس درندگی کا مظاہرہ کیا وہ بھی تاریخ کا حصّہ ہے۔

زید شہیدؒ کا مقبرہ: بنی امیہ کے حکمرانوں نے جنابِ زید شہیدؒ کا نام ونشان مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اس کے باوجود حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ آج بھی نہ صرف موجود ہے بلکہ زیارت گاہِ خاص وعام ہے۔آپ کے روضۂ مبارک کے مقام کی بابت جناب قمر زیدی صاحب نے علامہ سید مہدی قزوینی قدس سرہ کی کتاب 'فلک النجاۃ' کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ "بیشک آج جس مقام پر جنابِ زید کا مشہور ومعروف روضۂ مبارک ہے یہی وہ مقام ہے جہاں آپ کو سولی دی گئی تھی اور جہاں جسم اقدس کو شعلوں کی نذر کیا گیا تھا۔ علامہ محترم کی وسعتِ علمی اور تحقیق وتدقیق مسلم الثبوت ہے اس لئے ہر فرد کو وثوقِ

کامل ہے کہ یہی وہ مقام ہے اور یہی کناسہ کا بازار تھا۔ جملہ علماء و محققین نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ ناحیہ ذی الکفل کے مشرقی قریہ کو ہی کناسہ کہا جاتا تھا یہ جگہ نخیلہ کے قریب ہے اور اس کو عباسیہ بھی کہا جاتا ہے اور اس میں قطعاً شک نہیں کیا جا سکتا کہ زمانۂ قدیم میں نخیلہ ہی کوفہ کا وہ دروازہ تھا جہاں سے شام و مدائن و کربلا کو راستہ جاتا ہے۔

اسی ضمن میں موصوف نے اپنا نوٹ بھی تحریر فرمایا ہے، آپ لکھتے ہیں کہ" آج کل جو زائرین زیارات مقاماتِ مقدسہ سے مشرف ہونے لئے سرزمینِ عراق پر پہنچتے ہیں ان کو دورہ کی زیارتیں بھی کرائی جاتی ہیں۔ چنانچہ کربلا سے حلّہ جاتے ہوئے اور ناحیۂ ذی الکفل کو عبور کرتے ہوئے جو راستہ کوفہ پہنچتا ہے اس کے پاس حضرت زید شہیدؒ کا مرقدِ مقدس و روضۂ اطہر موجود ہے۔ گذشتہ زمانے میں یہ راستہ ذرا دشوار گزار تھا مگر عبدالکریم قاسم کے زمانے میں حکومتِ عراق نے اس راستہ پر پختہ سڑک بنادی ہے اس لئے اب پہنچنا قطعاً مشکل نہیں ہے"[1] یعنی کوفہ اور حلّہ کے درمیان ایک بستی ہے جو آپ کے نام کی نسبت سے مقامِ زید کہلاتی ہے۔ یہیں پر آپ کا شاندار مقبرہ ہے اور مقبرہ میں ایک ضریح بھی رکھی گئی ہے۔

خراجِ عقیدت: علامہ محمد ابوزہرہ مصری نے حضرت زید شہیدؒ کی شان میں جو نذرانۂ عقیدت پیش کیا اُسے داکٹر سید صفدر حسین نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

اِس دنیا میں حق و صداقت کے طرفدار بلاخوفِ جان و متاع اور عزت و ناموس اپنے ضمیر کی آواز پر چل کر اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہیں اور طاغوتی طاقتیں اپنی سیہ کاریوں سے اپنا نامۂ اعمال داغدار بناتی رہتی ہیں۔ خوش نصیب

---

[1] بطلِ رشید زید شہید ص:۱۷۹

وہ لوگ! جو راہِ حق میں قربان ہو کر زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں اور شہادت کا درجۂ رفیع پا کر دُنیا اور آخرت میں اپنا مقام بنا لیتے ہیں۔ جنابِ زید بھی اُن شہیدوں میں سے ہیں جنہیں اہلِ بصیرت آج بھی اسطرح خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں

''تمام اہلِ علم کا اجماع ہے کہ زیدؒ بہت بڑے عالم تھے۔ اُن کا علم بہت وسیع اور معرفت بے پایاں تھی۔ وہ عراق وحجاز کے تمام فقہا کے نظریات و خیالات کے عالم تھے۔ علماء زیدؒ کی قدر و منزلت پر جتنا متفق ہیں اُتنا کسی عالم پر نہیں ہیں۔ اہلِ سنّت و شیعہ، مرجیہ، معتزلہ سب کے سب بالاتفاق اُن کی امامت علمی کے قائل ہیں اور فقہ میں اُن کو حُجت مانتے ہیں۔ ظلم وسرکشی کے خلاف زید کی برہمی کو علماء نے اہلِ علم وزُہد کی برہمی قرار دیا ہے۔ بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ جنابِ زیدؒ کے انصار ورفقاء زیادہ تر فقہا اور قاریانِ قرآن تھے۔ امام ابوحنیفہؒ دو برس تک زیدؒ کی شاگردی میں رہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے زید کو دیکھا، اُن سے بڑھ کر اُس زمانے میں فقیہہ اور اُن سے بڑھ کر فوراً جواب دینے والا، واضح بات کہنے والا میں نے کسی کو نہیں پایا۔ وہ عدیم النظیر تھے۔ اُن کے متعلق امام ابوحنیفہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگر مجھے یقین ہوتا کہ لوگ زید کے ساتھ غداری نہ کریں گے اور نہ اس طرح ساتھ چھوڑیں گے جس طرح اُن کے جدّ امجد کا ساتھ چھوڑ دیا تھا تو یقیناً میں ان کی ہمراہی میں جہاد کرتا، کیونکہ وہ امامِ برحق تھے، میں نے اپنے مال سے اُن کی پوری مدد کی اور دس ہزار درہم اُن کے پاس بھیجے، اور ساتھ نہ دینے کی معذرت کی۔ اس طرح ہم سمجھتے ہیں کہ زیدؒ کا خروج، فقہا وقاریانِ قرآن، متّقین اور محدّثین کا خروج تھا۔ زید بن علی ایسے ذاتی صفات کے حامل تھے جن سے پاک وصاف علم کی طرف رہنمائی ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اولادِ علیؑ ابن ابی طالب کے یہ خصوصی صفات تھے۔ علمی خوبیاں

اور پاک و پاکیزہ اخلاق و عادات اہلِ بیتِ نبوی کے خاندانی میراث تھے اور وہ باپ دادا سے میراث میں پاتے رہے ، اور جس طرح اُن کی رگوں میں پیغمبرؐ کا پاک و پاکیزہ خون دوڑتا رہا اُسی طرح اُن کے نفوس میں اخلاقِ نبویؐ سرایت کیئے ہوئے تھے'' [1]

---

[1] الامام زید (علامہ ابوزہرہ مصری) ص: ۷۰ تا ۷۲ بحوالہ سادات بابرہ تاریخ کے مدو جزر میں ص: ۱۸

فضائل ومناقب

قرآن سے تعلق: حضرت زید شہیدؒ کی قرآنِ حکیم سے خصوصی وابستگی کے باعث آپ کو اہلِ مدینہ 'حلیف القرآن' کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔آپ نے طویل مدت تک خلوت میں قرآنِ مجید کا مطالعہ اور غور وخوض کیا، جیسا کہ آپ نے خود فرمایا کہ: **خلوت بالقران ثلاث عشر سنة** یعنی تیرہ سال تک قرآن کے مطالعہ کیلئے میں نے خلوت اختیار کی۔

اس ضمن میں ابوالفرج اصفہانی نے تحریر کیا ہے کہ:

حدثنا یحییٰ بن الحسین قال: حدثنا الحسن بن یحییٰ بن الحسین بن زید قال: حدثنا الحسن بن الحسین عن یحییٰ بن مساور عن ابی الجارود قال: قدمت المدینة فجعلت کلما سألت عن زید بن علی قیل لی ذاک حلیف القرآن " (مقاتل الطالبین ص: ۸۸)

ترجمہ:۔۔۔۔۔سلسلۂ اسناد کے ساتھ ابوالجارود راوی ہیں کہ میں مدینہ میں آیا اور جس سے بھی جنابِ زید کے بارے میں پوچھا تو یہی جواب ملا کہ وہ تو قرآن مجید سے عہد و پیمان رکھنے والے حلیف اور ساتھی ہیں۔

شیخ عباس قمی نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے:

"پس روایت کردہ از ابوالجارود و زیاد بن المنذر کہ گفت وارد مدینہ دم و از زید پرسش کردم گفتند او حلیف القرآن است یعنی پیوستہ مشغول قرائت قرآن مجید است"۔ (منتہی الامال ج ص: ۵۲)

قمر زیدی صاحب نے ابی غسان الازدی کا بیان نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

جب زید ابنِ علیؑ ہشام بن عبدالملک کے زمانۂ حکومت میں شام آئے تو میں نے دیکھا کہ کوئی شخص بھی اُن سے زیادہ کتابِ خدا کا جاننے والا نہیں تھا۔ جب ہشام نے اُن کو پانچ ماہ کیلئے قید کر دیا تو ہم ان کے ساتھ قید میں تھے اور زمانۂ قید میں حضرت زید ہم سے سورۂ الحمد اور سورۂ البقر کی تفسیر اس طرح بیان فرماتے تھے جیسا کہ حق ہے۔ (بطلِ رشید زید شہید ص:۷۲)

حضرت زید شہیدؒ کے مندرجہ بالا بیان کہ ''میں نے تیرہ سال تک قرآن کے مطالعہ کیلئے خلوت اختیار کی'' کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانی تحریر کرتے ہیں کہ ''تیرہ سال تک ہر چیز سے الگ ہو کر قرآن میں آپ کا یہ استغراق کس لئے تھا، جہاں تک قرائن سے معلوم ہوتا ہے بات وہی تھی کہ امتِ اسلامیہ میں مختلف ملل و ادیان کے لوگ فوج درفوج جو داخل ہوئے، اور ہر ایک اپنے ساتھ کچھ اپنے موروثی عقائد و خیالات کے جراثیم بھی لایا۔ مسلمان ہونے کے بعد شعوری اور زیادہ تر غیر شعوری طور پر ان میں بعضوں نے یہ کوشش کی کہ اسلامی عقائد و مسلمات اور اپنے موروثی عقائد و خیالات میں مصالحت و موافقت کی شکل پیدا کریں، اور سچ پوچھے تو پہلی صدی ہجری میں بیسیوں فرقوں کی اسلام میں جو بھرمار ہو گئی تو اس کی ایک بڑی وجہ یہ واقعہ بھی تھا۔ دوسری طرف حکومت قائمہ کے ساتھ مسلمانوں کو کیا تعلق رکھنا چاہیئے اس باب میں طرح طرح کے خیالات لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

چالیس چوروں کی جماعت مشائخ کی تھی اس نے تو سلاطینِ وقت کو ہر قسم کی مصلحت سے آزادی ہی بخش دی تھی۔ ان ہی کے بالمقابل خوارج اور اُن کے بوقلموں خیالات رکھنے والے فرقے تھے جو بات بات پر مسلمانوں کی گردنیں اُڑا دینا، اُن کے جان و مال کو حلال سمجھ لینا، عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنا لینا اسی کو بطور پیشہ کے اختیار کیے ہوئے تھے جنکی جراتیں اس حد تک پہنچی ہوئی

تھیں کہ حضرت مرتضیٰ علیہ السلام تک سے توبہ کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتے کہ تب کما تبنا (تم بھی اس طرح توبہ کرو جس طرح ہم نے توبہ کیا ہے) اسی طرح آپ دیکھ چکے کہ خود اہلِ بیت کے اراکین سیاسی معاملات سے یکسوئی اور قطعی علیحدگی کا طریقہ اختیار کئے ہوئے تھے، الغرض یہی سوال کہ پراگندگی اور انتشار کے اس حال میں ''حق'' کیا ہے، جہاں تک میں سمجھتا ہوں، تیرہ سال تک قرآن کے استغراق میں اسی سوال کا شائد جواب حضرت زید تلاش کر رہے تھے'' [۱]

احادیث کی روشنی میں: حضرت زید شہیدؒ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں سے کچھ ہم پچھلے صفحات میں لکھ آئے ہیں اور کچھ کو ذیل میں درج کر رہے ہیں:

کتاب 'روض النضیر' میں منہاج سے بحوالہ ابن اطہر اور کتاب 'جلاء الابصار' میں حاکم اور امالی سے یحییٰ بن حسین ہارونی کی اسناد سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا:

الشهيد من ذريتي والقائم بالحق ولذى المصلوب الكناسه كوفه ان امام المجاهدين و قائد الغرّا المحجلين ياتي يوم القيامة واصحابهٔ تتلقاهم الملائكة المقربون فيادونهم ادخلوا الجنة لا خوف عليكم ولا انتم تحزنون.

ترجمہ: میری ذریت میں سے ایک شہید ہے اور حق قائم کرنے والا ہے جس کو کناسہ کوفہ میں سولی دی جائیگی۔ وہ اور اس کے اصحاب جب قیامت کے دن آئیں گے تو ملائکہ مقربین ان سے ملاقات کرینگے اور ان سے کہیں گے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ، تمہارے لئے نہ خوف ہے نہ حزن۔ (راض النضیر ج: ۱ ص: ۵۸، مقتل الحسینؑ از خوارزمی ج: ۲ ص: ۱۲، بطل رشید زید شہید ص: ۱۹۲)

[۱] حضرت ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۴۲۔

علامہ باقر مجلسی نے تحریر کیا ہے کہ

''جناب جابر جعفیؒ نے حضرت امام محمد باقر علیہ اسلام سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جناب امام حسین علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ **یا حسین یخرج من صلبک رجلٌ یقال لہٗ زید یتخطا ھو و اصحابہ رقاب الناس یدخلون الجنۃ بغیر حساب** اے حسین! تمہاری نسل سے ایک فرزند پیدا ہوں گے جنھیں زید کہا جائے گا، وہ اور اُن کے ساتھی قیامت کے دن لوگوں سے آگے قدم بڑھاتے ہوئے گزریں گے کہ اُن کے چہرے روشن اور نورانی ہوں گے اور بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے'' (نفس المصدر ج ۱ ص ۳۳۰، بحار الانوار ج ۶ ص ۱۹۲، بطل رشید زید شہید ص ۱۹۵)

اس حدیث کو متعدد کتب میں علماء و مورخین نے اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ مثلاً ابوالفرج اصفہانی نے اس طرح لکھا ہے کہ:

حدثنی علی بن العباس قال : حدثنی اسماعیل بن اسحاق الراشدی قال : حدثنا محمد بن داؤد بن عبدالجبار عن ابیہ عن جابر عن ابی جعفر قال : قال رسول اللہ (ص) للحسین : یخرج رجل من صلبک یقال لہ زید یتخطی ھو و اصحابہ یوم القیامۃ رقاب الناس غرا لمحجلین یدخلون الجنۃ بغیر حساب۔
(مقاتل الطالبین ص ۸۸)

ترجمہ:۔۔۔۔۔۔ جنابِ رسالتمآب نے امام حسینؑ سے فرمایا کہ اے حسین تمہارے صلب سے ایک فرزند عالم وجودی آئیگا جس کا نام زید ہوگا، قیامت کے دن وہ اور اس کے اصحاب اُن لوگوں سے آگے آگے چلتے ہوں گے جو خوبصورت سفید گھوڑوں پر سوار ہوں گے اور وہ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جائیں گے۔

ابوالفرج اصفہانی نے مکمل اسناد کے ساتھ روایت بیان کی ہے کہ:

حدثنی الحسن بن عبدا لله قال : حدثنا جعفر بن یحییٰ ا لأزدی قال: حدثنا محمد بن علی ابن اخت خلاد المقری ، قال : حدثنا أبو نعیم ا لملائی عن سماعة بن موسیٰ ا لطحان قال : رأیت زید بن علی مصلوبأبا لکناسة فما رأی احد له عورة استر سل جلد من بطنهمن قدامه و من خلفهحتی ستر عورته .

(مقاتل الطالبین ص:۹۸)

ترجمہ: ــ زید بن علیؑ کو کناسہ میں سولی دی جائے گیا اور جو کوئی بھی دانستہ اُن کی ستر پر نظر کریگا وہ منہ کے بل دوزخ میں جائیگا۔

اسی حدیث کو ابن طاؤسؒ نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ حضرت علیؑ اپنے اصحاب کے ہمراہ کوفہ میں اس مقام پر مقیم ہوئے جہاں حضرت زید شہیدؒ کو سولی دی جانیوالی تھی۔ آپ ملول ہوئے آنکھوں سے اشک جاری ہوگئے ، اصحاب نے سبب دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ انّ رجلٌ من ولدی یصلب هذالموضع من رضی ان ینظر الیٰ عورته الیه ا لله علی وجهه فی ا لنار یعنی میری اولاد میں سے ایک مرد کو اس مقام پر سولی دی جائے گی اور جو شخص اس کے جسم کے پوشیدہ حصّوں پر نظر ڈالے گا خداوند عالم اس کو منہ کے بل دوزخ میں داخل فرمائے گا۔

(الملاحم باب ۳۱ ص:۸۴ بحوالہ زید شہید بطل رشید ص:۱۹۲)

آئمہ معصومین کی نظر میں : حضرت زید شہیدؒ کی بابت آئمہ معصومین کے اقوال کثرت سے تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

۱) یہ روایت عیون الاخبار الرضا میں امام زین العابدین علیہ السلام سے اور امالی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس طرح بیان کی گئی ہے۔ معمر سے مروی

ہے کہ ایک دفعہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے جناب زیدؒ کی بابت فرمایا کہ مجھ سے میرے پدر بزرگوار نے میرے جدِّ نامدار سے سن کر فرمایا ہے کہ اُن کی اولاد میں ایک فرزند ہوں گے جن کا نام زید ہوگا جو کوفہ میں قتل کئے جائیں گے اور کناسہ میں سولی پر لٹکائے جائیں گے اور وہ اپنی قبر سے برآمد ہوں گے تو اُن کی روح کیلئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اہلِ آسمان اُن سے خوش اور مسرور ہوں گے اور اُن کی روح ہرے پرندے کے پوٹے میں رکھ دی جائے گی جو آزادی کے ساتھ جہاں چاہے گا جنت میں چلے پھرے گا۔[1]

۲) یونس بن جناب ناقل ہیں کہ میں امام محمد باقرؑ کے ساتھ مدرسہ آیا تو آپ نے جنابِ زید کو بلا کر گلے سے لگایا اور اس طرح ملے کہ آپ کا شکم اُن کے شکم سے مل گیا تو فرمایا کہ خداوندِ عالم آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے ایسا نہ ہو کہ آپ کناسہ میں سولی دیئے جائیں۔[2]

۳) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ''خداوند عالم زید پر رحمت نازل فرمائے وہ معتمد و معتبر عالم ہیں''۔ (الغدیر ج:۲ ص: ۲۲۱)

۴) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک اور مقام پر حضرت زید شہید کی عظمت کو یاد کرتے ہوئے فرمایا ''وہ مومن، عارف، عالم اور صادق تھے''۔

(رجال کشی ص: ۱۸۴)

۵) عبداللہ بن جریر کا بیان ہے کہ ''میں نے حضرت جعفرؑ بن محمدؑ کو اپنے چچا زید کے گھوڑے کی رکاب پکڑے ہوئے دیکھا تا کہ وہ سوار ہو جائیں اور ان کے سوار ہو جانے کے بعد ان کے لباس کو زین پر درست فرما رہے تھے''۔

(مقاتل الطالبین ص: ۱۲۹)

۶) حسن بن راشد سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور میں جناب زیدؒ کا ذکر بُرائی سے کیا تو امامؑ نے فرمایا ''ایسا نہ کرو خدا میرے چچا پر رحم فرمائے وہ ایک بار میرے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں ظلم اور خدا کی نافرمانی کے خلاف خروج کرنا چاہتا ہوں۔

[1] امالی، شیخ صدوقؒ ص: ۴۰، عیون الاخبار الرضاؑ ج: ۱ ص: ۲۵۰، بحار الانوار ج: ۶ ص: ۱۸۹۔
[2] نفس المصدر ج: ۸ ص: ۱۳۱، بحار الانوار ج: ۶ ص: ۲۴۰

آپؑ نے فرمایا مجھے اس کام میں تمہارے قتل کیے جانے اور کوفہ کے باہر سولی پر لٹکا دیئے جانے کا خوف ہے۔ کیا تم اس کو پسند کرو گے؟'' اُنھوں نے کہا کہ ''بیشک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اللہ کے لئے کروں گا، اس لئے مجھے جو کچھ تکالیف پہونچیں گی برداشت کروں گا''۔[۱]

۷) سلیمان بن خالد کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے چچا زید کی بابت فرمایا: ''خدا اُن پر رحمت نازل فرمائے اوراُن کے قاتلوں پر لعنت کرے''۔[۲]

۸) حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک کہنے والے نے کہا کہ ہمیشہ یہی صورت رہی ہے کہ جب بھی آپ حضرات اہلِ بیت علیہم السلام میں سے کسی نے باطل کے خلاف خروج کیا تو خود بھی قتل ہوا اور اُس کا ساتھ دینے والے بہت سے لوگ بھی قتل ہوئے۔ امامؑ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا ''ان میں ایسے لوگ بھی رہے جو خود ہی اپنے دعویٰ میں جھوٹے تھے اوران کے علاوہ وہ لوگ بھی تھے جنہیں ان کے دعوئ میں جھٹلایا گیا اوران کے عزّ وشرف اور عظمت و بزرگی سے انکار کیا گیا اور قتل کردیئے گئے''۔[۳]

۹) عبداللہ بن سیابہ راوی ہیں کہ ایک دفعہ ہم سات افراد مدینہ پہنچے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔۔۔ امامؑ نے دریافت فرمایا کہ ''آپ لوگوں کو میرے چچا زید کے بارے میں کچھ خبر ہے؟'' ہم نے عرض کیا کہ یا تو اُنھوں نے خروج کردیا ہوگا یا خروج کرنے والے ہوں گے۔ امامؑ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو جو خبر بھی ملے مجھے ضرور اس کی اطلاع دینا۔۔۔ کچھ دن گزرنے پائے تھے کہ بسم طیرفی کا قاصد ایک خط لیکر آیا جس میں لکھا تھا کہ جناب زید نے ماہِ صفر کے پہلے بدھ کو باطل کے خلاف خروج کردیا چنانچہ بدھ اور جمعرات ہی گزرے کہ جمعہ کے دن وہ قتل ہو گئے اور فلاں فلاں لوگ بھی اُنکے ساتھ قتل ہوئے اس خبر کے معلوم ہونے کے بعد ہم امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں پہنچے اور وہ خط امامؑ کے سامنے رکھدیا۔ امامؑ نے اسے پڑھا اور گریہ فرمایا اور پھر کلمہ

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ کو زبان پر جاری کیا۔ اور فرمایا کہ خدا کے نزدیک

---

[۱] الخرائج والجرائح ص : ۱۹۶، بحارالانوار ج : ۶ ص : ۲۱۵ [۲] نفس المصدر ج : ۸ ص: ۱۶۱، بحارالانوار ج : ۴۰ ص : ۲۴۴ [۳] احتجاج طبرسی ص : ۲۰۴، بحارالانوار ج : ۶ ص : ۲۰۶

میرے چچا کا بہتر افراد میں شمار ہے اور وہ ہماری دنیا و آخرت میں ایک بہادر انسان تھے۔ خدا کی قسم، میرے چچا اُن شہداء کی مثل ہیں جنھوں نے آنحضرتؐ اور امیرالمؤمنینؑ اور امام حسن و امام حسینؑ کے ساتھ رہ کر درجۂ شہادت حاصل کیا۔[۱]

۱۰) ابن ابی عبدون نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ جب زید بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام مامون کے دربار میں لائے گئے جبکہ انھوں نے بصرہ میں خروج کیا تھا اور بنی عباس کے گھروں کو آگ لگائی تھی، مامون نے انکے اس جرم کو اُنکے بھائی امام علی رضا علیہ السلام سے بیان کیا اور کہا کہ اے ابوالحسن! اگر آپکے بھائی نے خروج کیا ہے اور جو انھیں کرنا تھا وہ سب کچھ کر بیٹھے ہیں تو اِن سے پہلے زید بن علیؑ بن الحسینؑ نے بھی خروج کیا تھا اور وہ قتل کر دیئے گئے تھے اسلئے اگر آپ کا احترام میری نگاہوں میں نہ ہوتا تو میں بھی انھیں قتل کر دیتا، جو کچھ انھوں نے کیا ہے وہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

امام علی رضاؑ نے جواب دیا کہ اے امیر! میرے بھائی کو جناب زید شہید بن علیؑ بن حسینؑ پر قیاس نہ کر اور اِنھیں اُن کے برابر نہ سمجھ۔ جناب زید بن علیؑ تو آلِ محمد علیہم السلام کے علماء میں سے تھے اور خدا کی خوشنودی کے لئے اُٹھے تھے اور اللہ کے دشمنوں سے جہاد کیا اور اُسی کی راہ میں قتل ہوئے۔ میرے پدرِ بزرگوار امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے تھے کہ انھوں نے اپنے والدِ نامدار حضرت امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ خداوندِ عالم میرے چچا جناب زید پر رحمت نازل فرمائے۔ اُنھوں نے تو آلِ محمد علیہم السلام کی رضا و خوشنودی کی طرف لوگوں کو دعوت دی تھی اگر وہ باطل کے خلاف جہاد کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو اپنی دعوت الی الحق کو پورا کر لیتے، اُنھوں نے اپنے خروج کے بارے میں مجھ سے مشورہ لیا تھا تو میں نے اُن سے یہی کہا کہ عمِ محترم اگر آپ کو یہ بات پسند ہے کہ آپ قتل ہو جائیں اور کناسہ میں سولی پر لٹکائے جائیں تو آپ اس میں مختار ہیں جو چاہیں کریں۔

جب جناب زید نے اپنے مقصد کے لئے قدم اُٹھالیا تو امام جعفر صادقؑ نے فرمایا تھا کہ ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہو جنھوں نے ان کی پکار کو سُنا اور پھر بھی

[۱] نفس المصدر ج:۱ ص:۲۵۲، بحارالانوار ج:۶ ص: ۱۹۹

ان کی مدد نہ کی۔ یہ سن کر مامون نے کہا کہ کیا یہ سب کچھ درست نہیں کہ جو بغیر استحقاق دعویٰ امامت کر بیٹھے اور اُسے سزا نہ ملے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے جواب دیا کہ جناب زید بن علیؑ بن حسینؑ نے کبھی اُس امام کا دعویٰ نہیں کیا جس کے وہ مستحق نہ تھے۔ وہ تو خدا سے اس بارے میں ڈرتے تھے کہ وہ کوئی ایسا دعویٰ کریں جس کے وہ حقدار نہیں۔ انھوں نے تو لوگوں سے یہ کہا تھا کہ میں تو تمھیں رضاءِ آلِ محمد علیہم السلام کی طرف بُلا رہا ہوں۔ خدا کی طرف سے سزا کا مستحق تو وہ شخص ہے جو یہ دعویٰ کر گزرے کہ خدا نے اس کے بارے میں نص کر دی ہے اور پھر وہ دینِ الٰہی کے علاوہ کسی دوسرے دین کی طرف بلائے اور بغیر تحقیق کے اسکی راہ سے لوگوں کو ہٹا دے۔ خدا کی قسم جناب زید تو ان لوگوں میں سے تھے جنکے بارے میں قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ (سورۃ الحج آیت ۷۸)

ترجمہ: اور خدا کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کا حق ہے وہ تو تمھیں (اس کیلئے) منتخب کر چکا ہے۔[۱]

۱۱) ابو ہاشم جعفری کہتے ہیں کہ میں نے امام علی الرضاؑ سے پھانسی پائے ہوئے (مصلوب) شخص کے بارے میں سوال کیا کہ اسکی کیا حیثیت ہوتی ہے اور کیا اس کیلئے رحمت کی دعا کی جا سکتی ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرے جدِ بزرگوار نے اپنے چچا جناب زید پر صلوات بھیجی اور دعاء طلبِ رحمت فرمائی۔[۲]

علماء کی آراء: علمائے کرام و مورخینِ عظام نے حضرت زید شہیدؒ کے حالات و واقعات کا تذکرہ انتہائی احترام سے کیا ہے اور احادیث و روایات کی روشنی میں آپ کے فضائل و مدارج بیان کیئے ہیں۔ نیز وہ روایات بھی تحریر کی ہیں جن سے آپ کی مذمت و تنقیص کے پہلو اجاگر ہوتے ہیں، جن کی موجودگی کے باعث اور حقائق سے عدم واقفیت کے سبب غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ ایسی ہی روایات کی بنیاد پر کوتاہ اندیش افراد عام محفلوں میں اُس عظیم شخصیت کی بابت

۱ عیون الاخبار الرضاج ۱ ص ۲۴۸، بحار الانوار ج ۶ ص ۱۹۷ ۲ المصدر السابق ج ۳ ص ۲۱۵

ہتک آمیز الفاظ زبان پر لاتے ہیں۔ جو اعتراضات عام طور سے موضوعِ بحث بنتے ہیں وہ دو ہیں: اول، آپ کا جہاد بالسیف۔ یعنی یہ مشہور کیا گیا کہ چونکہ زید شہیدؒ نے وقت کے امام کی موجودگی، منشا اور اجازت کے بغیر جہاد کیا لہٰذا یہ جہاد جائز نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جہاد صرف امامِ وقت کا حق ہوتا ہے۔ دوئم، آپ کی ذات سے منسوب دعوائے امامت۔ یعنی کہا جانے لگا کہ زید شہیدؒ خود کو امام جانتے تھے اور اپنی امامت کو منوانا چاہتے تھے۔ یہ دونوں شبہات بر بنائے عصبیت پھلائے گئے وگرنہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے جیسا کہ درج ذیل بیانات سے واضح ہوتا ہے۔

جناب اولاد حیدر فوق بلگرامی نے خواجہ محمد پارسا کی کتاب ''فصل الخطابت'' کے حوالے سے خواجہ کا بیان نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ''زید شہیدؒ ایک متدین اور صاحب علم شخص تھے شروع شروع میں وہ کوفہ میں درس دیا کرتے تھے (اُس وقت) بنی نوع انسان میں کوئی شخص روئے زمین پر اُن سے بڑا عالم نہیں تھا''[۱] حضرت زید شہیدؒ نے آئمہ معصومین سے جو علوم حاصل کئے تھے ان کی روشنی میں تبلیغ دین اور ترویج اسلام میں ہمہ تن مشغول رہتے تھے اور مسلمانوں کی اصلاح و حدایت فرماتے رہتے تھے۔ چونکہ آپ وسعت علمی و ذکاوت فطری کے سبب اعلیٰ مقام پر فائض تھے لہٰذا حصول علم اور اخذ فیوض کی خاطر کثرت سے لوگ آپ سے رجوع کرتے تھے۔ آپ سے فیض یافتگان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں: محمد بن مسلم، محمد بن بکیر، عبداللہ بن صالح، ہاشم بن بصر، ابوحمزہ جعفر بن ابی زیاد الاحمر، ابوالجارود، زیاد بن المنذر وغیرہ۔ نیز فقہائے کوفہ کی کثیر تعداد جن میں سلم بن کہل، یزید بن ابی زیاد، ہارون بن سعید، ابوہاشم الرمانی، حجاج بن دینار وغیرہ شامل تھے حضرت زیدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم فقہ حاصل کرتے تھے۔ ان کے علاوہ خاندان بنی ہاشم کے جن اشخاص نے آپ سے علم

[۱] آثارِ جعفریہ ص: ۲۴

حدیث حاصل کیا ان میں ابراہیم بن حسن مثنیٰ اوران کے بھائی حسن مثلث، حسین بن امام علی زین العابدینؑ، عبید اللہ اور عبداللہ پسران محمد بن عمر بن علی بن ابیطالب قابل ذکر ہیں۔[1]

شیخ محمد عباس قمیؒ نے تحریر کیا ہے کہ:

"شیخ مفیدؒ فرمودہ کہ زید بن علی ابن الحسینؑ بعد از حضرت امام محمد باقرؑ از دیگر برادران خود بہتر واز ھمگی افضل بود و عابد و پرہیز گار و فقیہ وسخی وشجاع بود و باشمشیر ظہور نمود، امر بمعروف و نہی از منکر و طلب خون امام حسین کرد، (منتھی الآمال ج۲ ص: ۵۶)

ترجمہ: شیخ مفید نے ارشاد فرمایا کہ جناب زید بن علیؑ بن الحسینؑ امام محمد باقر علیہ السلام کے بعد اپنے بھائیوں میں افضل وبہتر تھے اور بڑے عابد، نیک، فقیہ، سخی اور بہادر انسان تھے اور انھوں نے تلوار نکالی اور جہاد کیا تو اس لیئے کہ وہ نیکی کا حکم کرتے تھے اور برائی سے روکتے تھے اور خونِ حضرت سید الشھداء امام حسین علیہ السلام کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ (بحارالانوار ج۶ ص: ۲۱۶)

شیخ محمد یعقوب کلینی نے امام محمد باقرؑ کا ایک بیان اس طرح تحریر فرمایا ہے:

عیذک باللّٰہ یا اخی ان تکون لھم غداً المصلوب بالکناسة ثم ارفضت عیناه و سالت دعوعه ثم قال اللّٰہ بیننا و بین من ھتک سترنا وحجدنا ناحقنا وافشی سرّنا ونسبتنا الیٰ غیر حدّنا وقال فینا مالم نقد فی الفنا (الشافی کتاب الحت ص: ۴۴۲)

ترجمہ: میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس امر میں کہ اے بھائی تم کو سولی دیجائے کناسہ میں۔ یہ فرما کر آپ کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور آنسو جاری ہوگئے۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ ہی فیصلہ کرنے والا ہے ہمارے اوران لوگوں کے درمیان جنہوں نے ہماری پردہ دری کی اور ہمارے حق سے انکار کیا اور ہمارے بھید افشاں کئے اور

[1] الروض النضیر ص: ۶۶

نسبت دی ہم کو ہمارے جد کے غیر سے اور ہمارے بارے میں ان
باتوں کو بیان کیا جو ہمارے دل میں نہ تھیں۔

اردبیلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''زید بن علیؑ جلیل القدر اور عظیم المرتبت انسان تھے، انہوں نے راہِ خدا میں شہادت پائی۔ ان کی جلالت شخصیت کے بارے میں بہت زیادہ روایات موجود ہیں۔

(جامع الرواۃ ج:۱ ص: ۳۴۳)

علامہ جلیل امینی حضرت زید شہیدؒ کے فضائل و مناقب کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ''وہ مشہور ترین علمائے اہلبیتؑ میں سے ایک تھے۔ فضائل و کمالات کے اعتبار سے وہ ہمہ جہت شخصیت تھے اور ان سے علم چشمہ کے پانی کی طرح ابلتا تھا۔ (الغدیر ج:۳ ص: ۹۶)

قمر زیدی صاحب نے شرف الدین حسین جیمی اور شیخ طوسی کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ: ''حافظ ابن شبیہ، ابن حجر الہثیمی، ذہبی و ابن تیمیہ ان سب کے بیانات اس امر کے شاہد ہیں کہ حضرت زید شہید علماء میں بزرگ اور اہلبیت میں علم و فقہ میں فاضل ترین شخصیت تھے۔ نیز علمائے اہل تشیع میں سے شیخ مفید (الارشاد)، میرزا عبداللہ المعروف با لآفندی (ریاض العلماء)، ابوالحسن العمری انسابہ (المجدی)، سید علی خان (شرح صحیفہ کاملہ)، حر عاملی (رجال الوسائل) اور محدث نوری (رجال المستدرک) نے بالتصریح بیان کیا ہے کہ حضرت زید شہید فضیلتِ علم اور مناظرات کی نوعیت و ندرت میں یگانہ روزگار تھے۔ اور عمر ابن موسیٰ الوجہی بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے کتابِ خدا کے ناسخ و منسوخ اور متشابہات کی معرفت میں زید شہید سے زیادہ کسی کو عالم نہیں دیکھا''۔[۱]

مورخین نے فضائلِ زید شہیدؒ سے متعلق قدما کی متعدد روایات بیان کی ہیں، جنہیں قمر صاحب نے بھی تحریر فرمایا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

---

[۱] الروض النضیر ص: ۵۰، فہرست شیخ طوسی، بحوالہ بطل رشید زید شہید ص: ۷۱

۱) حافظ نبت علی خزاز قمی نے اپنی کتاب ''کفایۃ الاثر'' میں تحریر کیا ہے کہ:
''زید ابن علی عوام وخواص میں نیکی وپاکیزگی میں شہرت تام کے مالک تھے اور آپ شرافت کے محل جلیل پر فائز تھے۔ آپ کا خروج برائے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تھا نہ کہ اپنے بھتیجے حضرت امام جعفر ابنِ محمد کی مخالفت میں۔ دراصل لوگوں نے اس کو غلط رنگ میں پیش کیا اور غلط طور سے مشہور کر دیا صرف اس بنا پر کہ حضرت زید نے خروج بالسیف کیا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے خروج نہیں فرمایا۔ اس بناء پر شیعوں کے ایک گروہ کو اشتباہ پیدا ہو گیا اور وہ اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ حضرت جعفر ابنِ محمد نے حضرت زید کو خروج سے منع فرمایا تھا۔ فرقۂ زیدیہ کے افراد نے اس موقع پر یہ استدلال قائم کر لیا کہ وہ شخص امام نہیں ہو سکتا جو گھر میں بیٹھا رہے بلکہ امام وہ ہے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیلئے خروج بالسیف کرے۔ یہ اختلاف آج تک شیعوں میں موجود ہے درآں حالیکہ حضرت امام اور حضرت شہید میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں تھا جس کی پہلی دلیل میں زید شہیدؒ کا وہ مشہور قول، جو آپ نے کوفہ میں لوگوں کو دعوتِ جہاد دیتے وقت واضح الفاظ میں فرمایا تھا کہ ''جو جہاد کا ارادہ رکھتا ہے وہ میرے ہمراہ آجائے اور جو علم کا متلاشی ہے وہ میرے بھتیجے جعفر ابنِ محمد کے پاس جائے'' پیش کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خود دعوائے امامت کرنے والا کبھی بھی اپنے کمال علم کی نفی نہیں کر سکتا کیونکہ امام کا اپنے زمانے کے لوگوں سے اعلم تر ہونا عقلاً ضروری ہے۔

جبکہ دوسری دلیل میں خود حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا وہ قول پیش کیا جا سکتا ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ رحم اللہ عمی زیداً لو ظفر او فی انّما دعا الی الرضا من آلِ محمد و انا الرضا یعنی خدا میرے چچا زید پر رحم فرمائے اس لئے کہ اگر وہ ظفریاب و فتحمند ہو جاتے تو اپنے وعدے کو وفا کرتے اور وہ بے شک لوگوں کو رضائے آلِ محمد کی جانب بلاتے تھے اور وہ ''رضا'' میں ہوں۔

۲) جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''الارشاد'' میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

کان زید ابن علی عین اخوته بعد الی جعفر الباقرؑ و افضلهم و کان عابداً او رعاً فقیهاً سخیاً شجاعاً و اعتقد

کثیر من الشیعہ فیہ الامامۃ و کان سبب اعتقادھم ذالک فیہ خروجہ بالسیف یدعو الی الرّضامن آلِ محمد فظنوہ یرید بذالکَ نفسہ ولم یکف یریدہٗ لمعرفۃ باستحقاق اخیہ اماتہ من قبل ووصیۃ عند وفاتہ الی ابی عبداللہ علیہ السلام.

ترجمہ: زید شہید ابن علی، امام باقر علیہ السلام کے بعد اپنے جملہ بھائیوں میں سب سے افضل اور اپنے پدرِ گرامی کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔ آپ عابد، صاحب ورع وتقویٰ، فقیہ، سخی اور بہادر تھے۔ شیعوں میں سے اکثر افراد آپ کی امامت کے معتقد ہیں اور انکے اعتقاد کا سبب آپکا خروج بالسیف ہے جس میں آپ رضائے آلِ محمد کی جانب لوگوں کو طلب کرتے تھے، اس لئے ان لوگوں نے گمان کرلیا کہ زید اپنے لئے لوگوں کو دعوت دیتے تھے اور وہ خود کو رضائے آلِ محمد شمار کرتے تھے درآنحالیکہ یہ گمان درست نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے بھائی (امام محمد باقرؑ) کی امامت کے استحقاق کی معرفت پہلے ہی سے رکھتے تھے جیسا کہ آپکی اس وصیت سے ظاہر ہوتا ہے جو وقتِ وفات آپ نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے کی تھی۔

۳) ابوالحسن العمری نے اپنی کتاب ''المجدی'' میں اولاد علی بن حسینؑ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو شخص ظاہری کیفیت کے پیشِ نظر کہتا ہے کہ زید شہید امام تھے پس وہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔

۴) ابن داؤد حلی نے اپنی کتاب ''رجالہ'' میں تحریر کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے حضرت زید شہیدؒ کی وفا کی شہادت دی اور اُن پر اظہار مرحمت فرمایا ہے جو حضرت زید شہیدؒ کی جلالت کیلئے کافی ہے۔

۵) شہیدِ اول جناب محمد بن شیخ جمال الدین مکّی نے اپنی کتاب ''القواعد'' میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے وجوب کا قاعدہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ: کان خروج زید ابن علی علیہ السلام باذن الامام علیہ السلام یعنی زید بن علیؑ کا خروج امامؑ کے اذن واجازت سے تھا۔

۶) مرزا محمد رجالی نے اپنی کتاب ''منہج المقال'' میں عبداللہ ابن زبیر الرسان کے ترجمہ میں تحریر کیا ہے کہ زید ابنِ علی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے قاصد تھے اور وہ رضائے آلِ محمد کی جانب لوگوں کو دعوت دینے والے تھے۔

۷) شیخ عبدالطیف بن علی العاملی نے ''رجالہ'' میں تحریر کیا ہے کہ: **کان زید ابن علی علیه السلام جلیل القدر عظیم المنزلته ورد نی مدحته روایات کثیرا** یعنی زید بن علیؑ جلیل القدر اور منزلتِ عظیم پر فائز تھے، آپ کی مدح وتعریف میں کثیر روایات وارد ہوئی ہیں۔

۸) علامہ باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

انہ لم یدع الامامته وانہ کان قائلاً بامامته الباقرؑ والصادقؑ وانما خرج لطلب ثار الحسینؑ والامر بالمعروف والنھی عن المنکر وکان یدعوالی الرضامن آلِ محمّد وانہ کان عازماً علیٰ انہ ان اغلب علی الامر فوضه الیٰ افضلھم و اعلمھم والیه ذھب اکثر اصحابنا بل لم اریٰ فه کلامھم غیرہ وقیل انہ کان ما ذوفامن قبل الامام سوًا ویویدہٗ ما استفیض من بکاء صادقؑ وترحمة ودعائہٗ لہٗ ولوقتل علی دعوی الامامة لم یستحق بذالک

یعنی علامہ مجلسیؒ نے تحریر فرمایا کہ حضرت زید شہیدؒ نے امامت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ وہ تو حضرت امام محمد باقرؑ وحضرت امام جعفر صادقؑ کی امامت کے قائل تھے۔ بیشک اُنھوں نے انتقامِ خونِ حسینؑ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیلئے جہاد کیا تھا۔ آپ لوگوں کو رضائے آلِ محمد کے لئے بلاتے تھے اور ان کا یہ عزم بالجزم تھا کہ اگر وہ غلبہ حاصل کر لیتے تو وہ امرِ امامت کو اپنے سے افضل واعلم کے سپرد کر دیتے (یعنی حضرت امام جعفر صادقؑ)[1]

۹) مرزا عبداللہ المعروف بہ آفندی نے ''ریاض العلماء'' میں تحریر کیا ہے کہ: زید اپنے خانوادے میں عظیم و بزرگ سردار تھے اور کتب رجال میں آپ کی فضیلت سے متعلق کثرت سے روایات پائی جاتی ہیں۔

[1] مرأۃ العقول ج: ۱ ص: ۲۶۱

۱۰) شیخ بہاؤ الدین عاملی نے ''رسالہ اثبات وجود صاحب الزماں'' میں تحریر فرمایا ہے کہ: انّا معشر الامامیہ لانقول فی زید ابن علی الّا خیر والردایات عن ائمتنا فی ھٰذا لمعنی کثیرہ ۔ یعنی گروہِ امامیہ حضرت زید شہیدؒ کے بارے میں خیر و نیکی کے علاوہ کچھ نہیں کہتا کیونکہ اس سلسلہ میں ہمارے آئمہ علیہم السلام کی کثیر روایات موجود ہیں۔

۱۱) سید علی خاں نے ''شرح صحیفہ'' میں ارشاد فرمایا ہے کہ: زید ابن علیؑ عارف بالحق تھے یہی انکا اعتقاد تھا وہ حق کو پہچانتے تھے اور اس پر مستحکم عقیدہ بھی رکھتے تھے۔

۱۲) شیخ محمد ابن الحسن الحر العاملی نے ''رجال الوسائل'' میں حضرت زیدؒ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ: آپ امام جعفر صادقؑ کے پدر گرامی (امام محمد باقرؑ) کے بعد اپنے بھائیوں میں سب سے افضل تھے اور امام زین العابدینؑ کی آنکھوں کی ٹھنڈک سمجھے جاتے تھے۔ آپ صاحبِ ورع و تقویٰ، عابد و زاہد، فقیہ و سخی اور شجاع تھے۔ آپ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور انتقامِ خونِ حسینِ مظلوم کے واسطے تلوار کے ساتھ ظہور فرمایا۔ اگر چہ کثیر تعداد میں لوگوں کو آپ کی امامت پر اعتقاد ہے لیکن ہر گز ہر گز آپ اپنے لئے یہ منصب نہ چاہتے تھے۔ کتب احادیث میں آپ کی کثرت سے مدح موجود ہے۔

۱۳) جناب محدث نوری ''رجال مستدرک الوسائل'' میں رقمطراز ہیں کہ: بیشک زید ابن علی جلیل القدر، عظیم الشان اور کبیر المنزلت تھے۔ آپ کے خلاف جو کچھ بھی وارد ہوا ہے وہ سب تقیہ پر محمول ہے۔[1]

شیخ محمد عباس قمی کا بیان ہے کہ: ظہورِ کمالات نفسانی و مجاہدات زید بن علی با مردۂ مردانی مستغنی از توصیف است، صیت فضل و شجاعتِ او مشہور و مآثر سیف و سنان او در السنہ مذکور این چند شعر کہ از حسن کنانی است در وصف فضل و شجاعت او است در کتاب مجالس المومنین مسطور است۔ (منتھی الامال ج:۲ ص:۵۶)

فلما تردی بالحمائل و انتھی یصول باطراف القنا الذوابل
تبینت الاعداء ان سنانہ یطیل حنین الامھات لثواکل
تبین فیہ میسم العز التقی ولیداً یفدی بین ایدی القوابل

۱؎ مندرجہ بالا روایات ماخوذ از بطل رشید زید شہید ص: ۱۸۴۔۱۸۹

عمرو بن خالد سے مروی ہے کہ جناب زید بن امام زین العابدین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ ہم اہلِ بیت میں سے ہر زمانے میں ایک ہستی موجود رہتی ہے جس سے خداوندِ عالم اپنی مخلوق پر دلیل و حجت قایم کرے اور ہمارے اس زمانہ میں میرے بھتیجے امام جعفر بن محمد (علیہم السلام) امامِ وقت ہیں، جو اُن کی پیروی کرے گا گمراہ نہ ہوگا اور جو اُن کی مخالفت کرے گا ہدایت نہیں پاسکتا۔

شیخ صدوقؒ علیہ الرحمۃ نے بیان فرمایا ہے کہ: "زید بن علیؑ نے ارشاد فرمایا کہ ہر زمانے میں آلِ محمد سے طرف ایک شخص امام اور حجتِ خدا ہوگا اور اس زمانہ میں حجت خدا میرے بھتیجے جعفر بن محمد ہیں جو شخص ان کی پیروی کرے گا وہ ہرگز گمراہ نہ ہوگا اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا وہ ہرگز ہدایت نہیں پائے گا"[1]

مشہور محدث ابو عوانہ نے حضرت زید شہیدؒ کی بابت لکھا ہے کہ

کان زید بن علی یری الحیاۃ غراماً و کان ضجراً با لحیاۃ یعنی زید بن علی کیلئے زندگی ایک بوجھ بن گئی تھی اور آپ زندگی سے تنگ آچکے تھے۔ (مقدمہ الروض النضیر ص ۵۵)

ابوالفرج اصفہانی نے حضرت زید شہیدؒ سے متعلق اپنی کتاب 'مقاتل الطالبین' میں بہت سی روایات تحریر کی ہیں۔

ان سب کے علاوہ دورِ حاضر کے جیّد عالمِ دین جناب آیت اللہ العظمیٰ المنتظری دامت برکاتہٗ نے زید شہیدؒ کے واقعات تفصیلاً تحریر فرمائے ہیں۔ ہم نے آپ کا اصل مضمون من وعن بطور ضمیمہ کتاب کے آخر میں درج کیا ہے نیز اس کا اردو ترجمہ بھی دیا ہے

منقولہ احادیث و روایات: حضرت زید شہیدؒ اپنے والد امام علی زین العابدینؑ، اپنے بھائی امام محمد باقرؑ اور اپنے بھتیجے امام جعفر صادق علیہم السلام سے احادیث بیان کیا کرتے تھے جو کتبِ احادیث میں منقول ہیں۔ یہاں ہم محمد بن بکیر کی بیان کردہ روایات کو نقل کرتے ہیں:۔

[1] امالی، شیخ صدوقؒ ص:۵۴۲، بحار الانوار ج:۶ ص:۲۳۵

اس روایت کو محمد بن حسین بزوفری نے جناب کلینیؒ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے محمد بن یحییٰ سے، انہوں نے مسلم بن خطاب سے، انہوں نے طیالسی سے، انہوں نے ابن عمیر سے، انہوں نے صالح بن عقبہ سے، انہوں نے علقمہ بن محمد خضرمی سے، انہوں نے صالح بن بشر سے اور انہوں نے محمد بن بکیر سے روایت بیان کی ہے کہ "ایک مرتبہ میں جناب زید کے پاس حاضر ہوا۔ اس وقت ان کے پاس صالح بن بشر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب آپ خروج کا ارادہ کر چکے تھے۔ میں نے عرض کیا فرزند رسول! کوئی حدیث بیان فرمائیے۔ جناب زید نے فرمایا کہ سنو! مجھ سے میرے والد بزرگوار نے فرمایا جسے انہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے اور انھوں نے اپنے جد نامدار سے روایت کیا کہ:

"آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو خداوند عالم نعمت عطا فرمائے تو اسے چاہیئے کہ وہ خدا کی حمد کرے اور جس شخص کے رزق میں تنگی ہو تو وہ خدا سے استغفار کرے اور جو رنج وغم میں مبتلا ہو تو وہ لاحول و لاقوۃ الاباللہ کا ورد رکھے" (بحار الانوار ج ۶ ص ۲۳۲)

محمد بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ فرزند رسول! مزید کچھ ارشاد فرمائیے۔ تب آپ نے اسی سلسلۂ روایت سے ارشاد فرمایا کہ:

"آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن میں چار آدمیوں کی شفاعت کروں گا۔ ایک وہ شخص جو کہ میری ذریّت اور اولاد کا احترام کرے۔ دوسرے وہ شخص جو انکی ضروریات کو پورا کرے۔ تیسرے وہ شخص جو میری اولاد کیلئے ان کے امور میں کوشاں رہے جبکہ وہ پریشان ہوں اور چوتھے وہ شخص جو ان سے زبان اور دل سے محبت رکھتا ہو"۔

محمد بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ فرزند رسولؐ! اس فضل و احسان کے بارے میں ارشاد فرمایئے جو خداوند عالم نے آپ حضرات کو عطا فرمایا ہے۔ جناب زید نے اپنے اسی سلسلۂ روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلم کے ارشاد کو بیان فرمایا کہ "جو شخص ہم اہلبیت سے خوشنودیٔ خدا کی خاطر محبت رکھے اُس کا حشر ہمارے ساتھ ہوگا اور ہم اسے اپنے ساتھ جنت میں لیجائیں گے" آپ نے مزید فرمایا:

"اے ابن بکیر! جو شخص ہمارے دامن کو مضبوطی سے پکڑے گا وہ ہمارے ساتھ بلند درجوں پر ہوگا۔ خداتعالیٰ نے آنحضرتؐ کو رسالت کیلئے منتخب فرمایا اور ہمیں ان کی ذرّیت قرار دیا ہمارے ہی میں مصطفیٰؐ بھی ہیں اور مرتضیٰ بھی اور ہم ہی میں سے امام مہدی ہوں گے جو اس امت کے قائم ہیں اور جو دنیا کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی"۔

ابنِ بکیر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ فرزند رسول! کیا آپ اس منصبِ امامت پر فائز ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "میں تو عترتِ رسول کا ایک فرد ہوں (امام نہیں)"۔ ابن بکیر نے پھر عرض کیا "یہ جو کچھ آپ نے فرمایا اپنی طرف سے ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے؟" آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر میں عالم الغیب ہوتا تو نیکی ہی نیکی کرتا لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ تو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اور آپؐ ہی نے ایک عہدنامہ ہمیں عنایت فرمایا ہے جس کے ذریعہ ہم اپنی زندگی کے شب و روز گزارتے ہیں اور اخبار بتاتے ہیں"۔ پھر آپ نے چند اشعار پڑھے

نحن سادات قریش و قوام الحق الینا　　نحن الانوار التی من قبل کون الخلق کنّا

نحن منّا المصطفیٰ المختار والمهدی منّ　　فبنا قد عرف الله و بنا الحق امنّا

سوف یصلاه سعیر من تولّی الیوم عنّا

ترجمہ: ہم قریش کے سادات ہیں (سید و سردار ہیں) اور حق کا قیام ہمارے اندر ہے اور کائنات کے قیام سے پہلے ہمارے انوار پیدا ہو چکے تھے۔ ہم میں ہی خدا کے منتخب اور پسندیدہ بندے ہوئے اور ہم میں ہی مہدی ہوں

گے۔ خدا ہمارے ہی ذریعہ سے پہچانا گیا اور ہم نے ہی حق کو قائم کیا۔ وہ شخص آتش جہنم میں ڈالا جائیگا جو ہماری طرف سے منھ پھیرے گا۔[۱]

علی بن حسین کہتے ہیں کہ اس روایت کو محمد بن حسین بزوفری نے جناب کلینیؒ سے نقل کیا ہے۔ اُنھوں نے محمد بن یحیٰ سے، انہوں نے سلمہ بن خطاب سے، انہوں نے طیالسی اور انہوں نے ابن عمیرہ اور صالح بن عقبہ سے اور اُنھوں نے علقمہ بن محمد حضری سے روایت کیا ہے کہ صالح نے کہا ''میں جناب زید بن علیؑ بن الحسینؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ محمد بن بکیر آپ کے پاس آئے اور آنھوں نے اس حدیث کو محمد بن بکیر سے بیان کیا۔[۲]

زید شہیدؒ کا ایک خطبہ: فرات بن ابراہیم ''تفسیر فرات'' میں جعفر بن احمد سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت زید شہیدؒ نے اپنے جہاد سے قبل اہلِ کوفہ کو مخاطب کر کے ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

''خداوند عالم نے ہر زمانہ میں ہدایتِ خلق کیلئے اپنے نیک بندوں کو مبعوث فرمایا ہے اور ان میں سے اپنے پسندیدہ حضرات کا انتخاب فرمایا جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (سورہ انعام آیت: ۱۲۴)

ترجمہ: اللہ ہی کو اس کا بہتر علم ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کس جگہ قرار دے۔ چنانچہ خدا اپنے نیک بندوں کو یکے بعد دیگرے بھیجتا رہا یہاں تک کہ سب کے آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہترین مٹی سے خلق فرمایا اور آپ کی ذریت وعترت کو پاک و پاکیزہ قرار دیا جو لوگوں کی ہدایت کیلئے بھیجے گئے۔ لہٰذا جب آنحضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا سے رحلت ہوگئی تو قریش نے تمام انبیاء کے مقابلہ میں اس پر فخر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش سے تھے اس لئے ہمیں سب پر فضیلت حاصل ہے۔ اور عجم والے کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو عربی تھے۔ یہانتک کہ کلمۃ اللہ ظاہر ہوا اور خدا کی نعمت پوری ہوگئی۔

[۱] کفایۃ الاثر از خزاز ص: ۳۲۶، بحار الانوار ج: ۶ ص: ۲۳۳۔ [۲] بحار الانوار ج: ۶ ص: ۲۳۳

اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرتے رہو اور حق کی آواز پر لبیک کہو اور ان لوگوں کے مددگار ہو جاؤ جو تمہیں اپنی طرف بلاتے ہیں اور بنی اسرائیل کا طریقہ اختیار نہ کرو جو اپنے انبیاء کو جھٹلاتے تھے۔ اور جنہوں نے اپنے نبی کے اہلِ بیت کو قتل کیا۔

اے اس نبی کی دعوت کو سننے والو! اور ہماری بات کو سمجھنے والو! میں تمہیں اس عظیم و برتر خدا کی یاد دلاتا ہوں کہ یاد دلانے والوں نے جس کے برابر کسی کا ذکر ہی نہیں کیا۔ جب تم اسے یاد کرتے ہو تو تمہارے دلوں پر اس کے ذکر سے خوف طاری ہو جاتا ہے اور تم کانپنے لگتے ہو۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم تمہارے ہی نبی کی اولاد ہیں کہ ہم مظلوم اور لاچار ہیں۔ ہم اپنے حقوق سے محروم رہے اور نہ ہمیں ہماری میراث ملی۔ ہمارے گھروں کو تاراج کیا گیا اور ہمارے ناموس کو رسوا کیا گیا۔ ہمارے بچے خوف کی حالت میں پیدا ہوئے اور ہمارا ہر نشوونما پانے والا بچہ ظلم و جور کی فضا میں پرورش پاتا ہے اور ہمارا مرنے والا ذلت اور محرومی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔

افسوس کہ تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ خدا کی طرف سے تم پر تمہاری امت کے سرکشوں اور ظالموں سے جہاد فرض کیا گیا ہے اور ان اولیا کی مدد کرنا بھی تمہارا فرض ہے جو خدا اور اسکی کتاب کی طرف بلاتے ہیں۔ اسی کا ارشاد ہے کہ وَلَيَنصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِيز (سورۃ الحج آیت:۴۰)

ترجمہ: اور یقیناً خدا اس شخص کی مدد ضرور کریگا جو اس (کے دین) کی مدد کرے بیشک خدا تو طاقت اور غلبہ والا ہے۔

ہم تو وہ قوم ہیں کہ جب ہم کسی پر غضبناک ہوتے ہیں تو خدا کیلئے ہوتے ہیں اور ہم کسی پر ظلم کرنا عیب سمجھتے ہیں جو ہماری ملت میں جاری ہے۔ امامت و خلافت کے ورثہ میں آجانے سے ہم ذلیل قرار دیئے گئے۔

افسوس کہ تم نے خواہشوں کی پیروی کی اور عہد کو توڑ دیا، بیوقت نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ وصول کی تو جائزے کے بغیر اور وہ بھی جس کے حوالے کی تو وہ اُس کا اہل نہ تھا، حج کی عبادت بجالائے تو قربانی کے بغیر اور عطایا وخُمس اور اموالِ غنیمت کو برباد کر دیا اور فقیروں، مسکینوں اور مسافروں کو نہیں دیا جو اُن کے مستحق تھے۔ شرعی حدود وقوانین کو معطل اور بیکار سمجھ لیا اور ان کے بدلے میں خوب دولت سمیٹ لی اور رشوتوں، سفارشوں اور عہدے حاصل کرنیکا بازار گرم کر دیا اور اوباش فاسقوں کی قربت حاصل کی، نیک لوگوں کو سزائیں دیں گئیں، خیانت کا کاروبار چمکنے لگا۔ اور دیانتدار و امانتدار لوگ خائن قرار دیدیئے گئے، لوگوں پر مجوسی مسلط کر دئے گئے، دولت، فوج اور لشکر کی تیاریوں میں صرف کی گئی اور بے گناہوں کو مقید کیا گیا، اہل فضیلت کے کوڑے لگائے گئے۔ باپ مار ڈالے گئے اور بچے یتیم ہوئے، برائی کا حکم دیا گیا نیکی سے روکا گیا اور یہ سب کچھ کتابِ خدا اور سنتِ رسول کو سمجھے بغیر کیا گیا پھر بھی تم میں سے گمان کرنے والا یہ گمان کرتا ہے کہ اسے خدائے تعالیٰ نے خلافت دی ہے۔ وہ اس کی مخالفت میں حکم دیتا ہے اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتا ہے اور اس کی محترم چیزوں کی بے حرمتی کرتا ہے اور جو شخص بھی امر خداوندی کی طرف بلاتا ہے اسے قتل کر ڈالتا ہے، وہ شخص خدا کے نزدیک کتنا بدتر ہے جو خدا پر جھوٹ کا طوفان باندھے یا دوسروں کو اس کی راہ سے روکے یا اس سے بغاوت پر آمادہ ہو جائے اور وہ لوگ خدا کے یہاں کتنے عظیم اجر کے مستحق ہیں جو اس کے مطیع وفرمانبردار ہیں اور اس کے امر کا اعلان کرتے اور اس کی راہ میں جہاد کرتے ہیں بلکہ اس میں جلدی کرتے ہیں۔ اور وہ شخص خدا کے نزدیک کم حیثیت ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ ان امور کے بغیر اسکے ساتھ بھلائی کی جائیگی اور ان سب امور میں خدا کے حق کو کمتر اور اس کے حکم کو ہیچ سمجھتے ہوئے چھوڑ بیٹھے اور دنیا کیلئے ایثار کرے اور وہ شخص کتنا اچھا ہے جو

اس کا قائل ہو کہ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (سورہ حم آیت: ۳۳) ترجمہ: اور اس سے عمدہ بات کس کی ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) اللہ اور اعمال صالح کی جانب بلائے اور کہے کہ بیشک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں[1]

مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب نے زید شہیدؒ کی اس تقریر کا تذکرہ کیا ہے جس میں آپ نے اُس زمانہ کے مختلف اعتقادی فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''میں ان لوگوں سے بری ہوں جو حق تعالیٰ کو اسکی مخلوقات جیسی ہستی خیال کرتے ہیں (یعنی جو اللہ تعالیٰ کیلئے آدمی کی طرح آنکھ، کان، ہاتھ وغیرہ ثابت کرتے ہیں بلکہ بعض تو یہانتک کہتے ہیں کہ بجز داڑھی اور شرمگاہ کے خدا میں وہ سارے اجزاء پائے جاتے ہیں جو آدمی کے جسد میں ہوتے ہیں) اور ان جبریوں سے بھی بری ہوں جنہوں نے اپنی ساری شرارتوں اور بداعمالیوں کی گٹھری خدا پر لاد دی ہے (یعنی ہم کچھ نہیں کرتے سب خدا کرتا ہے اور کراتا ہے) اور میں ان لوگوں سے بھی بری ہوں جنہوں نے بدکاروں اور شریروں کے دل میں یہ توقع پیدا کر دی ہے کہ خدا اُن کو یوں ہی چھوڑ دیگا (یعنی نجات کیلئے صرف ایمان کا دعویٰ کافی ہے، عمل صالح کی ضرورت نہیں جو مرجیہ کا عقیدہ ہے) اور میں اُن دین باختوں سے بھی بری ہوں جو حضرت علی کو کافر کہتے ہیں اور اُن رافضیوں سے بھی جدا ہوں جو ابوبکر و عمر کی تکفیر کرتے ہیں۔ مگر خیر ان باتوں کا تعلق تو دینی اور مذہبی عقائد و خیالات سے تھا۔ حکومت مسلط جن ناکردنیوں کا ارتکاب کر رہی تھی اور اس کے حکام جن ناگفتنیوں پر مسلمانوں کے حق میں جری ہو گئے تھے ان کے مقابلہ میں کیا طریقہ عمل اختیار کر لیا جائے یقیناً اس خلوت

[1] تفسیر فرات ص سورہ فصلت، بحار الانوار ج: ۶ ص: ۲۳۵، بطل رشید زید شہید ص: ۹۹

بالقرآن کے تیرہ سالوں میں یہ سوال بھی اُن کے سامنے تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اسی سوال کا جواب تھا جو کوفہ کی گلیوں میں آپ کے خون سے لکھا گیا"۔ [۱]

تنقیص و مذمت: تاریخ کی کتابوں میں سے چند ایسے واقعات بھی روایت کیے گئے ہیں جن سے حضرت زید شہیدؒ کی تنقیص و مذمت کا پہلو اجاگر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں تحریر کر آئے ہیں کہ اموی و عباسی حکمرانوں نے اپنے اقتدار کے قیام و استحکام کی خاطر اور اہلِ بیت رسول کی تحریکوں کو کمزور و ناکام بنانے کی غرض سے اپنے زرخرید راویوں کے ذریعہ خود ساختہ روایتیں گھڑوائیں اور آئمہ معصومینؑ کے مشہور اصحاب کے ناموں سے ان کو منسوب کر کے عوام میں پھیلایا۔ حضرت زید شہیدؒ کی تحریک کے دوران بھی ایسے ہی فرضی و جعلی واقعات کو بشکل روایت مشہور کیا گیا۔ ان میں کا ایک واقعہ جسے احمد بن عیسیٰ نے علی بن الحکم کے واسطے سے ابان نے بیان کیا ہے اور جسے ابو جعفر محمد بن نعمان جن کا لقب مومن طاق تھا اور جو محبّ اہلِ بیت اور امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کے اصحابِ خاص میں سے تھے ان سے منسوب کیا گیا ہے۔ [۲] گو کہ علمائے رجال کے نزدیک ایسی روایتیں بلحاظ سند ضعیف ہیں اور اس قابل نہیں کہ ان پر اعتبار کیا جائے لہٰذا ایسی روایات کو ضبط تحریر میں لانا کتاب کی ضخامت میں اضافہ کے سوا کچھ نہیں۔

---

[۱] امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۴۳

[۲] اصول کافی باب آخر، مناظرہ ابان، بطل رشید زید شہید ص: ۲۱۱، بحار الانوار ج: ۲، ص: ۲۰۷

گلہائے عقیدت

حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اجداد کی سیرت وسنت پر عمل کرتے ہوئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بقا کی خاطر حکومتِ ظلم وجور کی استبدادی قوتوں سے مقابلہ کیا اور میدانِ کارزار میں جام شہادت نوش فرما کر شہادت کی اُس منزل پر فائز ہوئے کہ لفظِ 'شہید' آپ کے نام کا جز بن گیا۔ شہادت ایک ایسا رتبہ عالی ہے جو ہر کس وناکس کو نصیب نہیں ہوتا بلکہ یہ صرف اُنہی برگزیدہ ہستیوں کو میسر آتا ہے جنہیں اللہ رب العزت اس امر کیلئے منتخب فرماتا ہے۔ بلاشبہ قولِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق "زید اور ان کے اصحاب روزِ محشر نور فشاں پیشانیوں کے ساتھ میدانِ حشر میں تیزی سے گذرتے ہوئے بغیر حساب داخلِ جنت ہوں گے"۔

مداحانِ اہلِ بیتِ رسولؐ اور شعرائے عظام نے حضرت زید شہیدؒ کو خراجِ تحسین پیش کیا اور آپ کے واقعاتِ شہادت، آپ کے زہد وتقویٰ، آپ کے علم وفضل اور آپ کے حسبی ونسبی تعلق کو اشعار کے پیرائے میں نہایت نفاست و سلیقے سے قلمبند کیا ہے۔ اور حضرت شہیدؒ کی ذاتِ والا صفات پر عقیدت کے پھول نچھاور کئے ہیں۔ ہم نے کتاب کے صفحات کی تعداد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے چند شعرائے کرام کے کلام سے انتخاب کیا ہے جو نذرِ قارئین ہے۔

منقبت

از : جناب نسیم امروہوی صاحب (مرحوم)

دار پر فوجِ عزیمت کا نشاں زیدِ شہیدؑ
خاک پر عزم و عمل کا آسماں زیدِ شہیدؑ
عمر میں بوڑھے ارادے میں جواں زیدِ شہیدؑ
ظالم و وعدہ شکن کے درمیاں زیدِ شہیدؑ
امتحاں در امتحاں در امتحاں زیدِ شہیدؑ

حوصلہ ہمت شجاعت سرفروشی صفدری
دبدبہ صولت و جاہت خوش دلی خوش منظری
عجز خودداری مزاجِ قنبریؓ وَ سروریؑ
زُہدِ عابدؑ، صبرِ شبیریؑ، شکوہِ حیدریؑ
کون اب رکھتا ہے یہ اوصاف، ہاں زیدِ شہیدؑ

سورما ضیغم جری غازی دھنی جیوٹ بلی
صبر کی حد میں حسینیؑ عزم کا نقشِ جلی
تیرے نعروں سے پڑی فوجِ عدو میں کھلبلی
جا پڑا کوفے کے لشکر پر جو کہہ کر یا علیؑ
بیشۂ کرارؑ کے شیرِ ژیاں زیدِ شہیدؑ

نرگسِ بیمارِ گلزارِ حسینیتؑ کے پھول
ذات سے تیری پھلا پھولا گلستانِ بتولؑ
باپ تیرے اِتا آعطیناؑ کے ہیں اصلِ اصول
کثرتِ اولاد تیری، کثرتِ نسلِ رسولؐ
موجِ کوثر ہے تیرا خونِ رواں زیدِ شہیدؑ

انتقامِ کربلا اِک فرض ہے مثلِ نماز
با جماعت جو ادا ہو گی بہ حکمِ بے نیاز
تیغ کے پانی سے ہے جس کا وضو بالاامتیاز
وقت جس کا شامِ عاشورہ سے تامحشر دراز
ہیں وضو مختارؒ اس کے اور اذاں زیدِ شہیدؒ

لاکھ سینے پر مورخ نے رکھی پتھر کی سِل
دل کو پگھلا کر رہا لیکن یہ سوزِ جانِ گسِل
دیکھ کر مظلومیت کی حد میں صبرِ مستقل
وہ بھی ظالم سے پھرے جو زر خرید اُسکے تھے دل
گھر کے ناکامی میں ایسے کامراں زیدؒ شہیدؒ

زیدِ کا مقتل مزاقِ صبر و قربانی کی عید
انقلابی عزم کے بابَ مقفّل کی کلید
مڑ کے سوے شام کہتا ہے یہ مورخ، اے پلید
خون ان کا بھی مزید اب تیرے سر پر ہے یزید
ہیں ضمیمہ کربلا ہی کا یہاں زیدِ شہیدؒ

جدِّ حسینؑ ابنِ رسولؐ اللہ، دیں کا آسرا
جدِّ آ علیؑ نفسِ پیغمبرؐ، امامِ قل کفا
باپ عابدؑ عینِ بیماری میں تعویزِ شفا
ماں امامت کی شریکِ زندگی حق آشنا
شیرِ مادر سے فروغ دودماں زیدِ شہیدؒ

عزم تیرا فوج کے بڑھتے سمندر میں اٹل
جس طرح بپھرے ہوئے طوفاں کے سینہ پہ کنول
تیرے قبضے میں شجاعت تیری مٹھی میں اجل
تیرے ابرو کی شکن میں وقت کے ماتھے کا بل

تیری ٹھوکر میں حیاتِ جاوداں، زیدِ شہیدؒ

منقبت

(جناب نسیم امروھوی کی طویل منقبت میں سے چند منتخب اشعار)

مسجدُ زُہد کے ستون زید شہیدؑ ذی وقار
شیر و دلیر و سرفروش، راہِ عمل کے شہسوار

جن کی قبائے معرفت آلِ عباؑ سے منسلک
جن کا لباس عبدیت، زینِؑ عباد کا شعار

جن کے وجودِ ناز پر فطرتِ دلبری فدا
جن کے تمازِ عشق پر شیوۂ داوری نثار

زینؑ عبا کے نورِ عین، آلِ عباؑ کے دل کا چین
فیضِ خمیرِ بوترابؑ، خاک نشین و خاکسار

عزم میں پرتوِ حسینؑ، رزم میں جزبۂ حنین
علم میں بحرِ بےکنار، حلم میں کوہِ باوقار

اس سے زیادہ اور کیا ہوگا ثبوتِ حق رسی
صادق آلؑ بھی ہوئے موت پر انکی اشک بار

باپ ہیں وہ جو ہیں خلیلؑ، بتکدۂ دمشق کے
ماں ہیں غزالۂ جمیل، وادیٔ سندھ کی بہار

سندھ کی سر زمین سُن، وجد میں اب تو، سر کو دُھن
تیرے بھی وہ سپوت ہیں، میرے جو ہیں بزرگوار

تجھ پہ کبھی جو حکمراں کوئی یزید ہو تو ہاں
جوش میں کہہ کے یا علیؑ زیدِ شہیدؒ کو پکار

زیدؒ کہ جن کے ہاتھ میں ضیغمِ کبریا کا زور
زیدؒ کہ جن کے پاؤں میں صبرِ حسینؑ کا وقار

ضبطِ حسنؑ کے شہد میں تلخیٔ غیظِ بوترابؑ
سیرت، مالکِ فرات، صولتِ شیرِ کردگار

زیدؒ کی ضربتوں کا حال، کون بتائے چشم دید
چشمِ حباب پر ورم، دیدۂ چرخ میں غبار

حشر تک اب جو انقلاب، ظالم عصر کے خلاف
لائے کوئی بجز امامؑ، ان کی ہے گردِ راہوار

ہو کے شہید بخش دی قوم کے حُسن کو زندگی
عیسٰی لاشۂ حیات، بن گئے یہ فرازِ دار

قتلِ مزار، نبشِ قبر، فرقِ سناں، صلیبِ تن
سولی پہ چڑھ کے سربلند، ہو گئے پیشِ کردگار

برسوں کے بعد پھونک دی سوختہ جاں کی لاش بھی
نہر نے سر چڑھا لیا، تن کا رہا سہا غبار

موجِ فرات لے گئی خاک کو سوئے کربلا
ہو گیا پیکرِ وفا، روحِ وفا سے ہم کنار

منقبت

از: جناب ثمر ہوشنگ آبادی (مرحوم)

دین حق کی بولتی تصویر ہیں زید شہیدؒ آبروئے نعرۂ تکبیر ہیں زید شہیدؒ
کاروانِ حریت کے میر ہیں زید شہیدؒ قائد تحریک عالمگیر ہیں زید شہیدؒ
ورثہ دارِ ماتمِ شبیرؑ ہیں زید شہیدؒ ترجمان عابدِ دلگیر ہیں زید شہیدؒ
جس کو دیکھا خواب میں عابدؑ نے بعدِ کربلا بالیقیں اس خواب کی تعبیر ہیں زید شہیدؒ
بوئے عصمت کی مہک ہے انکی ذاتِ پاک میں زیرِ عکس دامن تطہیر ہیں زید شہید
داعیِ حق خونِ آلِ مصطفیٰؐ کے منتقم فاطمہؑ کی آہ کی تاثیر ہیں زید شہیدؒ
کم نہیں قرآں سے رتبے میں زین العابدینؑ اور اس قرآن کی تفسیر ہیں زیدؒ شہید
کیوں نہ ہو باقرؑ کو اپنے قوتِ بازو پہ ناز جلوۂ عباسؑ کی تنویر ہیں زید شہیدؒ
صادقؑ آلِ محمدؐ کی محبت کے سبب اہلِ حق میں قابلِ توقیر ہیں زید شہیدؒ
درسِ حق لیتے ہیں آکر ان سے اہلِ معرفت نقشِ الا للہ کی تعمیر ہیں زید شہیدؒ
دوستوں میں فرد، اپنی ذات میں اک انجمن اک نئے کردار کی تصویر ہیں زید شہیدؒ
یکہ و تنہا ہی کافی ہیں ہزاروں کے لئے وہ جری وہ صاحب شمشیر ہیں زید شہیدؒ
نظمِ ملت کیوں کریں تخریب کاروں کے سپرد ہمطریق شاہِ خیبر گیر ہیں زید شہیدؒ
طالبِ انصاف جو بھی ہو وہ آئے ان کے پاس بابؐ شہرِ علم کی زنجیر ہیں زید شہیدؒ
ظلمتیں جس پر اثر انداز ہو سکتی نہیں شمع آزادی کی وہ تنویر ہیں زید شہیدؒ
خُلق و صبر و شکر و نظم و ضبط و جنگ و صلح میں ہیں کہیں شبرؑ، کہیں شبیرؑ ہیں زید شہیدؒ
دار پر ہوں یا کناسہ کے در و دیوار پر مرکزِ نوکِ سناں و تیر ہیں زید شہیدؒ
صدقِ دل سے لکھ رہا ہوں منقبت اُن کی ثمرؔ روبرو میرے دمِ تحریر ہیں زید شہیدؒ

منقبت

از : جناب محشر لکھنوی صاحب

ترجمانِ حضرت زین العباؑ زیدِ شہیدؒ
نصرتِ اسلام میں مشکل کشا زیدِ شہیدؒ

میثم تمارؒ ہوں یا حضرتِ مختارؒ ہوں
ہیں اُسی انداز کا، اک سلسلہ زیدِ شہیدؒ

مومنوں کی جس طرح فریاد سنتے ہیں امامؑ
ہاں اُسی صورت سے سنتے ہیں دُعا زیدِ شہیدؒ

جو ملا ہے حضرت عباسؑ کو بعدِ امامؑ
بس وہی ہے آپ کا بھی مرتبہ زیدِ شہیدؒ

ہو یقیں دل میں، عقیدت میں ہو شامل گر خلوص
خاکِ در ہے آپ کی خاکِ شفا زیدِ شہیدؒ

وقتِ مشکل کیوں نہ میں آخر پکاروں آپ کو
آپ بھی تو ہیں میرے حاجت روا زیدِ شہیدؒ

جان دی ہے آپ نے بھی نصرتِ شبیرؑ میں
آپؒ بھی تو ہیں شہیدِ کربلا زیدِ شہیدؒ

ساری دُنیا میں تو تیری نسل ہے پھیلی ہوئی
کیوں بچھے نہ پھر تیرا فرشِ عزا زیدِ شہیدؒ

میں تو ان کو اس لئے کہتا ہوں محشرؔ بے مثال
پھر نہ آیا اس جہاں میں دوسرا زیدِ شہیدؒ

منقبت

از : شاعرِ اہلِ بیت جناب قسیم ابن نسیم امروہوی صاحب

شہیدِ عزم ، شہادت مآب زیدِ شہید
خزاں کی زد پہ گلِ بوترابؑ زیدِ شہیدؑ
پھر ایک بار وہی انقلاب زیدِ شہیدؑ
پھر ایک یزید پہ ہیں حق کا عتاب زیدِ شہید

جنابِ سید سجادؑ کی دعاؤں سے
خود اک صحیفۂ حق ہیں جناب زیدِ شہیدؑ
حسب سے ، جرأت و ہمت کا شاہکار عظیم
نسب سے آلِ رسالتمآب زیدِ شہیدؑ

رسولؐ پاک نے خوابوں میں آ کے بتلایا
ہشام عینِ خطا ہے، ثواب زیدِ شہیدؑ
اگرچہ منتقمِ کربلا ہیں مہدیؑ دیں
مگر ہیں قاتلوں کا احتساب زیدِ شہیدؑ

جواں ہے عزم و عمل اور جواں ہے جوشِ جہاد
زمینِ کوفہ پہ دیں کا شباب زیدِ شہیدؑ
ہشام بن گیا مفتوح و مجرم و قاتل
رہِ عمل میں ہوئے فتحیاب زیدِ شہیدؑ

سناں کی نوک پہ جو کربلا میں اُبھرا تھا
اُس آفتاب سے ہیں فیضیاب زیدِ شہیدؑ
چچا ہیں جعفرِ صادقؑ کے اور محافظ بھی
ہیں مثلِ عمِ رسالت مآبؐ زیدِ شہیدؑ

قسیم کیوں نہ کرے انکی مدحت و توصیف
کہ ہیں کتابِ مودّت کا باب زیدِ شہید

منقبت

از : جناب پروفیسر سید سبطِ جعفر زیدی صاحب

حُسینیت کی بقا تھے جناب زید شہیدؒ یزیدیت کی فنا تھے جناب زید شہیدؒ
قدم قدم پہ جو سجادؑ نے کئے سجدے اُنہی کی ایک جزا تھے جناب زید شہیدؒ
امام جعفرِ صادقؑ کے آپ تھے ممدوح نہ صرف یہ کہ چچا تھے جناب زید شہیدؒ
اگرچہ آپ نہیں تھے مقامِ عصمت پر مگر بعید خطا تھے جناب زید شہیدؒ
ہے نسلِ سیدِ سجادؑ ان سے بھی منسوب شرف یہ جس کو ملا تھا جناب زید شہیدؒ
امام جعفر صادقؑ سے جا کے پوچھو تو وہی بتائیں گے کیا تھے جناب زید شہیدؒ
شہادت آپ نے پائی اگرچہ بعدِ حسینؑ شہیدِ کرب و بلا تھے جناب زید شہیدؒ
خراج خونِ شہیداں کربلا کا علم بلند جس نے کیا، تھے جناب زید شہیدؒ
اس انتقام پہ دنیا کو کیوں شکایت ہے کہ وارثِ شہدآء تھے جناب زید شہیدؒ
جس انقلاب کے ہیں میرِ کارواں قائمؑ اُسی کی بانگِ درا تھے جناب زید شہیدؒ
بنی امیہ لرزتے تھے نام سے اِن کے غضب کے مردِ خدا تھے جناب زید شہیدؒ
وہ جس مقام پہ اُڑتے ہوں ہوش موسیٰؑ وہاں بھی جلوہ نُما تھے جناب زید شہیدؒ
اک ایسا وقت بھی زید شہیدؒ پر آیا میانِ ارض و سماء تھے جناب زید شہیدؒ
جلا کے راکھ بنایا پر روشنی نہ گئی چراغِ حق کی ضیاء تھے جناب زید شہیدؒ
شہید ہوتے رہے یوں تو اس گھرانے میں لقب یہ جن کا ہوا، تھے جناب زید شہیدؒ

ہے سارے زیدیوں کو سبطِ جعفر اس پر ناز
وقارِ آلِ عَباء تھے جناب زید شہیدؒ

منقبت

از : جناب قمر سہارنپوری صاحب

عروجِ فکر سے بھی ماورا ہیں زیدِ شہیدؒ
شریکِ فکرِ شہِ کربلا ہیں زیدِ شہیدؒ

ہمارے پیشِ نظر ہے اُنہی کا نقشِ قدم
ہم انقلابیوں کے رہنما ہیں زیدِ شہیدؒ

ہیں جن کے قلب میں روشن حقیقتوں کے چراغ
اُنہیں کے قلب میں جلوہ نما ہیں زیدِ شہیدؒ

حقیقتوں کا مُرقعٔ، صداقتوں کی دلیل
یہ کون کہتا ہے، حق سے جدا ہیں زیدِ شہیدؒ

امینِ دینِ محمدؐ شہیدِ راہِ خدا
معینِ اُمتِ خیرُ الوریٰ ہیں زیدِ شہیدؒ

وہ جن کے سامنے ظلم و ستم پشیماں ہیں
دیارِ کفر میں حق کی صدا ہیں زیدِ شہیدؒ

ہر ایک دور میں باطل کی سرکشی کے لئے
عظیم تیشۂ صبر و رضا ہیں زیدِ شہیدؒ

لُٹا یا گلشنِ ہستی، بقائے دیں کے لیے
وہ ایسے ناصرِ دینِ خدا ہیں زیدِ شہیدؒ

جھکا نہ سر کبھی باطل کے سامنے جن کا
اک ایسے پیکرِ صدق و صفا ہیں زیدِ شہیدؑ

مدینہ اُن سے چھٹا، اقرباء بھی اُن سے چھٹے
سپرد مرضیٔ ربِ علیٰ ہیں زیدِ شہیدؑ

چھپیں گے جا کے کہاں دشمنانِ آلِ نبیؑ
کہ اُن کے حق میں پیامِ قضاء ہیں زیدِ شہیدؑ

نہیں ہیں یکّہ و تنہا وہ بزمِ ہستی میں
خود اپنی ذات میں اک قافلہ ہیں زیدِ شہیدؑ

امامِ دیں کے محبوں میں نام ہے اُن کا
سرِ صحیفۂ سجادیہؑ ہیں زیدِ شہیدؑ

نہیں ہے قبر بھی دُنیا میں آپ کی لیکن
یہ معجزہ ہی تو ہے جا بجا ہیں زیدِ شہیدؑ

چراغِ شام بجھانے کے ذمّہ دار ہیں یہ
زوالِ قصرِ ستم کی بناء ہیں زیدِ شہیدؑ

قمؔر یہ تجھ کو مبارک ہو تیری قسمت ہے
تجلّیوں میں تیری رو نما ہیں زیدِ شہیدؑ

قطعہ

جلو میں اپنے لئے کربلا کا پس منظر
امیرِ قافلۂ انقلاب زیدِ شہیدؑ
بہے جو آنکھوں سے چالیس سال عابدؑ کی
اُن آنسوؤں کا ہیں لُبِ لباب زیدِ شہیدؑ

ازجناب نسیم امروھوی صاحب (مرحوم)

منقبت

از : جناب شوق نو نہروی صاحب

میں کیا بتاؤ ں حقیقت میں کیا ہیں زیدِ شہید
علیؑ کی فکر کا اک آئنہ ہیں زیدِ شہیدؑ

بقائے ذکر شہہ کربلا ہیں زیدِ شہید
سکون قلبِ دلِ فاطمہؑ ہیں زیدِ شہیدؑ

نصیر مقصدِ سبطِ رسولؐ ، روحِ حیات
نہ جانے کتنے دلوں کی دُعا ہیں زیدِ شہیدؑ

بغور دیکھو انہیں شجرۂ شجاعت میں
بلندیوں کی عجب ارتقاء ہیں زیدِ شہیدؑ

اِنہی کی ذات سے حقِ آگہی ملی ہم کو
حقِ آگہی کا عجب راستہ ہیں زیدِ شہیدؑ

جو دیکھنا ہو انہیں، اِن کے عہد میں دیکھو
کہ اپنے عہد کے مشکل کشا ہیں زیدِ شہیدؑ

بلند حق و صداقت کا تھا علم اِن سے
جبھی تو عظمتِ رُوحِ وفا ہیں زیدِ شہیدؑ

درود آلِ محمدؐ پہ بھیجیے اے شوق
اُنہی کے حُسن کا اک آئنہ ہیں زیدِ شہیدؑ

منقبت

از: سید محمد عالم زیدی (مرحوم)

یہ تیرا اوج یہ تیرا مقام زید شہیدؑ　　کرے امام تیرا احترام زید شہیدؑ
کیا جو عزم پئے انتقام زید شہیدؑ　　درود تم پہ ہو تم پر سلام زید شہیدؑ
وہ صبح جس میں تمہارا لہو بہایا تھا　　بنی اُمیہ کی گویا تھی شام زید شہیدؑ
تمہاری زیست اجل دشمنانِ حیدرؑ کی　　تمہاری موت حیات دوام زید شہیدؑ
بڑھو نہ بڑھ کے ہٹو بڑھتے جاؤ تلبۂ حیات　　یہ مختصر ہے تمہارا نظام زید شہیدؑ
لڑیں گے گھونٹ کے ہم لبِ شرسے ہستی میں　　تمہارے عشق کا پی پی کے جام زید شہیدؑ
فقیہِ وقت بھی ہے اور حلیفِ قرآں بھی　　ہے علم و فن کا تو بے شک امام زید شہیدؑ
حقوق آلِ نبیؐ کے ہو تم علمبر دار　　ہے یادگار تمہارا یہ کام زید شہیدؑ
صحیفۂ شہداء میں ہے کربلا کے بعد　　سرِ ورق پہ تمہارا ہی نام زید شہیدؑ
تھا کس کو حوصلہ بعدِ حسینؑ جو پیتا　　پیا جو تو نے شہادت کا جام زید شہیدؑ
یہ خُو ہے کس کی یہ بُو کس کی رنگ کس کا ہے　　ہے کس چمن کا گُلِ لالہ فام زید شہیدؑ

تیرے عمل کو تیرے علم تیری حکمت کو
ادب سے کرتا ہے عالم سلام زید شہیدؑ

ماخوذ از: مجلہ بیادِ حضرت زید شہیدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ،
مرتبہ: جناب سید حیدر عباس زیدی الواسطی، مطبوعہ: مارچ ۲۰۰۴ء ۔ کراچی

فرقۂ زیدیہ

شیعہ فرقے: دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں تقریباً سب ہی میں بہت سے چھوٹے بڑے فرقے پائے جاتے ہیں یہانتک کہ چاروں آسمانی ادیان یعنی یہودیت، عیسائیت، مجوسیت اور اسلام میں بھی متعدد مذاہب موجود ہیں اور ہر مذہب میں مختلف فرقے ہیں۔ مثلاً دینِ اسلام میں دو بڑے مذاہب شیعہ اور سنی ہیں، اور یہ دونوں مذاہب مزید فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ جیسے کہ مذہب اہلِ سنت میں فقہی اعتبار سے چار بڑے فرقے یعنی حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی اس وقت قائم ہیں جبکہ ڈاکٹر صبحی محمصانی کے بیان کے مطابق "اہلِ سنت کے کئی فقہی مذاہب تھے جن کی تعداد دس سے تجاوز کر گئی تھی"۔[1] اصولِ عقائد کے اعتبار سے اہلِ سنت کے ہاں دو بڑے فرقے معتزلہ اور اشاعرہ ہیں۔ ان میں معتزلہ کا وجود تو تقریباً اب ختم ہو چکا ہے، اگر اس کے پیروکار کہیں ہوں گے بھی تو انتہائی قلیل تعداد میں۔ البتہ اشاعرہ جو شیخ ابوالحسن اشعری کی پیروی کرتے ہیں موجود ہیں۔ اسی طرح مذہب شیعہ میں بھی متعدد فرقے موجود ہیں جنکے وجود کی بنیاد امام کے تعین اور پیروی پر منحصر ہے۔ ہر فرقے نے حضرت علی علیہ السلام کی اولاد میں سے جس کو مناسب جانا اپنا امام تسلیم کر لیا جن کا مختصر تعارف اسطرح ہے

فرقۂ کیسانیہ: مذہب شیعہ میں ابتدائی تین اماموں یعنی حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کے زمانوں میں کوئی فرقہ پیدا نہیں ہوا لیکن حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ایک گروہِ قلیل نے چوتھے امام حضرت علی زین العابدین

[1] فلسفہ شریعت اسلام ص: ۷۰

علیہ السلام کے بجائے حضرت علیؑ کے تیسرے فرزند جناب محمدِ حنفیہ کو اپنا چوتھا اور آخری امام قرار دیدیا اور یہ فرقہ کیسانیہ کہلایا۔ ابتداء میں کچھ عرصہ تو اس کا زور رہا لیکن جلد ہی ختم ہو گیا۔

فرقۂ اسمعیلیہ: چھٹے امام حضرت جعفر صادقؑ کے بعد ایک گروہ نے آپ کے فرزند حضرت موسیٰ کاظمؑ کے بجائے آپؑ فرزندِ اکبر جناب اسمعیل جو آپؑ کی حیات ہی میں فوت ہو گئے تھے کو اپنا امام تسلیم کر لیا اور اسمعیلیہ کہلائے۔

فرقۂ واقفیہ: حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بعد ایک گروہ نے آپ کے فرزند حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے بجائے آپکے دوسرے فرزند عبداللہ افطح کی پیروی کی۔ جبکہ ایک گروہ نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو آخری امام تسلیم کیا۔ یہ گروہ فرقۂ واقفیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

فرقۂ امامیہ: اس کے بعد بارویں امام تک کوئی فرقہ قائم نہیں ہوا۔ اور شیعوں کی وہ اکثریت جو بارہ اماموں کو یکہ بعد دیگرے امام برحق اور معصوم تسلیم کرتی ہے وہ اثناء عشری یا امامیہ کہلاتی ہے۔ ان تمام فرقوں کی بابت ہم نے اپنی کتاب تاریخ بنی ہاشم جلد سوئم میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔

فرقۂ زیدیہ: حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے بعد تمام شیعوں نے آپ کے فرزند محمد باقر علیہ السلام کو اور اُنکے بعد اُن کے فرزند جعفر صادق علیہ السلام کو اور اُن کے بعد اُن کے فرزند موسیٰ کاظمؑ کو یکہ بعد دیگرے امام تسلیم کیا۔ لیکن جب حضرت علی زین العابدین علیہ السلام کے فرزند حضرت زیدؒ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانۂ امامت میں اموی حکمرانوں کے خلاف جہاد کیا اور شہید ہوئے تو جن لوگوں نے حضرت زید شہیدؒ کی بیعت کی تھی لیکن جب جنگ کا موقعہ آیا تو راہِ فرار اختیار کر گئے اور آپ کا ساتھ چھوڑ گئے تھے

انہی لوگوں نے آپ کی شہادت کے بعد آپ کو اپنا امام قرار دیا اور اس طرح زیدیہ فرقہ وجود میں آیا۔ جواب بھی یمن اور دیگر مقامات میں کثیرت سے موجود اور آباد ہے۔ فرقۂ زیدیہ کی اپنی فقہ ہے جس پر اُس فرقے کے ماننے والے سختی سے عمل کرتے ہیں۔ شاہ معین الدین ندوی نے لکھا ہے کہ

> ''ان (زید شہید) کے قتل کے بعد انکی اتباع کا ایک مستقل فرقہ پیدا ہوگیا، جو امام زین العابدین کے بعد امام باقر کے بجائے زید کو امام مانتا ہے اور زیدیہ کہلاتا ہے۔ یہ فرقہ اب بھی یمن اور دوسرے مقامات پر موجود ہے''۔ (تاریخ اسلام ج: ۲ ص: ۲۸۱)

اہلِ کوفہ و دیگر مقامات مثلاً خراسان، طبرستان، یمن، رے وغیرہ سے آئے ہوئے جن لوگوں نے حضرت زید شہیدؒ کی بیعت کی تھی اُنہوں نے آپ کی شہادت کے بعد آپ کے فرزند جناب یحییٰ بن زید شہیدؒ کو آپ کا جانشین اور امام قرار دیدیا۔ جناب یحییٰ کی شہادت ۱۲۵ھ کے بعد ان لوگوں نے جناب محمد بن عبداللہ (محمد نفسِ ذکیہ) کو اپنا امام مانا اور ان کی شہادت کے بعد اُن کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ محض کو اپنا امام تسلیم کیا۔ اس کے بعد یہ فرقہ کچھ عرصہ تک منتشر رہا۔ لیکن پھر حضرت زید شہیدؒ کے بھائی عبداللہ الباہر کی نسل کے ایک بزرگ عبداللہ اطروش کو اپنا امام بنالیا۔ جب خراسان کی حکومت نے عبداللہ اطروش کو گرفتار کرنا چاہا تو وہ خراسان سے نکل کر مازندران چلے گئے جہاں کے باشندوں نے اُس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ مازندران میں عبداللہ اطروش نے تیرہ سال تک اسلام کی تبلیغ کی اور لوگوں کی کثیر تعداد کو مسلمان بنا کر فرقۂ زیدیہ میں شامل کرلیا۔ پھر انہی لوگوں کی مدد سے طبرستان پر اپنی حکومت قائم کی اور اپنی امامت کا باقاعدہ اعلان کیا۔ عبداللہ اطروش کے بعد اُن کی اولاد نے کافی عرصہ تک طبرستان پر اپنی حکومت و امامت جاری رکھی۔

زیدیہ فرقہ کے عقیدے کے مطابق ہر وہ شخص جو فاطمی النسل ہو اور زاہد وفاضل، سخی وپارسا ہو نیز حق کی خاطر ظلم وستم کو ختم کرنے کی تحریک چلائے وہ امام ہوسکتا ہے۔ شروع شروع میں زیدیہ فرقے کے لوگ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اپنے آئمہ میں شمار کرتے تھے لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے ان خلفاء کے نام اپنے اماموں کی فہرست سے خارج کردیئے اور اپنی امامت کا سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے شمار کرنا شروع کردیا۔ تاریخی شہادت کے مطابق زیدیہ فرقہ اصول اسلام میں معتزلہ کا ذوق رکھتا تھا اور تقریباً اُسی مذہب کی پیروی کرتا تھا، فروعی اور فقہی عقائد میں امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کرتا تھا گو کہ بعض فقہی مسائل میں اختلاف بھی پایا جاتا تھا۔[1]

فرقۂ زیدیہ کی بابت ڈاکٹر صبحی محمصانی نے تحریر فرمایا ہے کہ: ''شیعہ کا یہ فرقہ پانچویں امام زید بن علی کی امامت اور ان کے بعد اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کا قائل ہے۔ امام زید ۱۲۲ھ میں بنی امیہ کے خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے آدمیوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ اسی طرح تین سال بعد ان کے بیٹے یحییٰ خلیفہ ولید بن یزید کے خلاف جنگ میں شہید ہوئے۔

زیدی * مجتہدین میں یہ مشہور ہیں: حسن بن صالح بن حی (متوفی ۱۶۸ھ)، حسن بن زید بن محمد جن کا لقب 'الامام الداعی الی الحق' تھا اور جو ۲۵۰ھ سے اپنے سنِ وفات (۲۷۰ھ) تک طبرستان کے بادشاہ رہے۔ قاسم بن ابراہیم علوی، ان کے پوتے ہادی یحییٰ اور ابوجعفر مرادی وغیرہم۔[2]

*یہاں ڈاکٹر صاحب نے زیدیہ کے بجائے زیدی لکھا ہے ممکن ہے کہ یہ سہواً ہوا ہو لیکن اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ زیدیہ اور زیدی ایک ہی ہیں۔ حالانکہ یہ حقائق کے منافی ہے۔

[1] ماخوذ از اسلام میں شیعہ مؤلفہ علامہ محمد حسین طباطبائی۔ [2] فہرست ابن ندیم ص: ۶۷۴

شیعہ زیدیہ کی سب سے زیادہ قدیم کتاب ''المجموعہ'' ہے جو ان احادیث اور فتاویٰ پر مشتمل ہے جو امام زید بن علی سے روایت کئے گئے ہیں اور جن کی ترتیب مضامین کے لحاظ سے ہے یہ ۱۹۱۹ھ میں طبع ہوئی۔ آجکل اُن کے علم فقہ کی سب سے زیادہ مشہور کتاب ''الروض النضیر شرح مجموع الفقہ الکبیر'' ہے جو شرف الدین حسین بن علی احمد حیمی (متوفی ۱۲۲۱ھ) کی تالیف ہے۔ عباس بن احمد حسینی عینی کے تتمہ کے پانچ اجزاء کے ساتھ مطبع سعادہ، مصر سے ۱۳۴۷ھ۔ ۱۳۴۹ء میں طبع ہوئی۔

شیعہ زیدیہ حضرت علیؓ سے پہلے خلفائے راشدین پر حکم لگانے میں اعتدال پسندی سے کام لیتے ہیں، اسی واسطے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی امامت کے قائل ہیں کیونکہ انکے نزدیک افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت جائز ہے۔ (الملل والنحل، شہرستانی برحاشیہ ابن حزم کی کتاب الفصل فی الملل والنحل ج ۱۰ ص ۱۶۰ مطبوعہ مصر) شیعہ کا یہ فرقہ اہل سنت کے مذہب سے زیادہ قریب ہے اور آج کل شیعہ زیدیہ کا مرکز یمن ہے جہاں انکی تعداد تیس لاکھ سے کچھ زیادہ ہے''۔[1]

زیدی اور زیدیہ: عام طور سے مورخین حضرات زیدی اور زیدیہ کے فرق کو دانستہ یا غیر دانستہ طور پر نظر انداز کر دیتے ہیں اور زیدیہ کے بجائے زیدی لکھ دیتے ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا بیان میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے بیان میں ایک جگہ تحریر ہے۔ (جو غالباً غیر دانستہ طور پر لکھا گیا ہے)۔ مگر اس کے باعث پڑھنے والوں میں غلط تاثر پیدا ہوتا ہے اور وہ زیدی سادات پر بھی فرقۂ زیدیہ میں ہونے کا گمان کرتے ہیں۔

---

[1] فلسفہ شریعت اسلام ص: ۸۱

درآنحالیکہ زیدی سادات وہ لوگ ہیں جن کا سلسلۂ نسب حضرت زید شہیدؒ کے تین فرزندان یعنی حسین ذوالدمعہ، عیسیٰ موتم الاشبال اور ابوجعفر محمد میں سے کسی بھی فرزند کے توسل سے حضرت زید شہیدؒ تک پہنچتا ہو، یعنی نسلی و نسبی اعتبار سے جو زید شہیدؒ کی اولاد میں سے ہوں، صرف وہ ہی زیدی کہلاتے ہیں۔ جبکہ زیدیہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کوفہ میں حضرت زید شہیدؒ کی بیعت کی۔ ان میں سے کثیر تعداد نے جنگ سے منہ موڑا اور آپ کا ساتھ چھوڑا لیکن آپ کی شہادت کے بعد آپ کو امام تسلیم کر کے اپنے آپ کو زید شہیدؒ سے نسبت دی اور فرقۂ زیدیہ کی بنیاد ڈالی، اور امام علی زین العابدین علیہ السلام کے بعد حضرت زید شہیدؒ کو اپنا امام تسلیم کیا۔

لہٰذا زیدی اور زیدیہ میں واضح فرق یہ ہے کہ زیدی حضرت زید شہیدؒ کی نسل سے ہونیکے باعث قبیلۂ بنی ہاشم سے تعلق رکھتے ہیں اور جناب زید شہیدؒ کو امام نہیں بلکہ امام زادہ تسلیم کرتے ہیں اور آئمۂ معصومین اثناء عشر کو بالترتیب امام برحق مانتے ہیں نیز فقہ جعفریہ کے پیرو ہیں۔ جبکہ زیدیہ کا قبیلۂ بنی ہاشم سے قطعی کوئی تعلق نہیں۔ یہ مختلف قبائل کا ایک ایسا سیاسی فرقہ ہے جس نے اہلِ بیت کے معززین کا نام استعمال کر کے اپنی طاقت کو عروج دیا حتیٰ کہ یمن میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس فرقے کے معتقدین کیلئے شیعہ، سنی، معتزلی وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔ اس فرقہ کے لوگ فقہ حنفیہ پر کاربند ہوتے ہیں اور انکے ہاں امام کا تصور بھی بالکل جداگانہ ہے جو نہ شیعوں سے مطابقت رکھتا ہے اور نہ سنیوں سے۔

زید شہیدؒ سے نسبت کیوں؟ حضرت زید بن علی زین العابدین علیہ السلام کی نسل کا اپنے جد سے نسبت دینے اور اپنے آپ کو زیدی کہلوانے کی بابت سوال کرنے والے اکثر و بیشتر سوال کرتے رہتے ہیں کہ آئمۂ اہلِ بیت کی

موجودگی کے باوجود کسی غیر امام سے اپنی نسبت دینے کا کیا جواز ہے؟ ہمارے خیال میں یہ ایک سطحی سوال ہے جو کم علمی یا تعصب کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ انسانی جبلت کے عین مطابق ہے کہ ہر انسان اپنی نسبت کسی ایسی ہستی سے دیتا ہے جو زہد و تقویٰ، علم و فضل، جود و سخا، دیانت و شجاعت میں اپنے ہمعصروں میں عرفاء و اعلیٰ ہو۔ نیز معاشرے میں اچھی شہرت کا مالک ہو۔ ویسے بھی روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اگر آپ کسی ایسے شخص سے ملیں جس سے آپ کی شناسائی نہ ہو اور آپ اُس سے اُس کے بارے میں دریافت کریں تو وہ قریبی اعزاء کو چھوڑ کر اپنی نسبت کسی ایسے فرد سے دے گا جو مشہور و معروف ہو، خواہ اُس سے اُس کا تعلق کتنے ہی دور کا کیوں نہ ہو۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جس سے نسبت دیجائے اس کا معاشرے میں اچھی شہرت کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔

حضرت علیؑ و فاطمہؑ کے توسل سے پھیلنے والی نسلِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتداء میں حسنی اور حسینی سادات کہا جاتا تھا لیکن واقعہ کربلا کے بعد اموی حکمرانوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر سادات نے نقلِ مکانی شروع کر دی۔ اس کے بعد حضرت زید شہیدؒ اور یحییٰ بن زید شہیدؒ کی شہادت کے درد انگیز واقعات رونما ہوئے تو سادات کثرت سے نقلِ مکانی کر کے دور دراز علاقوں میں منتشر ہو گئی جہاں اسے اپنی شناخت کی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ اُنھیں اپنے سلسلۂ نسب میں مذکورہ صفات کا حامل کوئی فرد نہ مل سکا لہٰذا اُنہوں نے آئمۂ معصومین سے اپنی نسبت دینی شروع کر دی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ علماء و ذاکرین حضرات کی کوششوں سے جو مسلمان شیعت کی طرف راغب ہوئے وہ فقہی اعتبار سے اپنے آپ کو جعفری کہنے لگے۔ بہر حال ایک مدت کے بعد عابدی، باقری، جعفری، کاظمی، تقوی، نقوی وغیرہ کی اصطلاحات رائج ہوئیں۔

حضرت زید بن علی زین العابدینؑ کی نسل نے اپنے تشخص کو قائم رکھتے ہوئے اپنے جد سے اپنی نسبت دی اور زیدی کہلائے۔ چونکہ حضرت زید شہیدؒ مذکورہ بالا تمام صفات کے حامل تھے جیسا کہ بیشتر مورخین نے تحریر کیا ہے کہ زید بن علیؑ امام محمد باقرؑ کے علاوہ اپنے تمام بھائیوں میں افضل ترین تھے۔ لہٰذا آپ سے نسبت دینے کا واضح جواز موجود ہے، ویسے بھی فقہی و شرعی اعتبار سے بھی غیر امام سے نسبی و نسلی نسبت دینا ممنوع نہیں ہے۔

ازواج واولاد

ازواج: حضرت زید شہیدؒ نے پوری زندگی میں کل چار عقد کئے ان میں سے دوعقد مدینہ منورہ میں اور دوعقد کوفہ میں اپنے قیام کے دوران کئے۔ آپ کی پہلی زوجہ ریطہ بنت ابی ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ بن حضرت علی علیہ السلام تھیں، اُن کے بطن سے جناب یحییٰ پیدا ہوئے۔ دوسری زوجہ کا نام رُقیہ بنتِ عبداللہ محض بن حسن بن امام حسن علیہ السلام تھیں، جنکے بطن سے حسین، عیسیٰ اور محمد پیدا ہوئے۔ آپ نے کوفہ میں جو عقد کئے ان میں سے ایک زوجہ یعقوب بن عبداللہ السلمی الفرقدی کی پوتی تھیں اور دوسری زوجہ عبداللہ بن ابی العنس الازدی کی بیٹی تھیں[1]۔ ان ازواج میں سے ایک زوجہ کے بطن سے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ بقول ظفریاب ترمذی صاحب جن کا نام سعادۃ الحمیدہ تھا اور وہ طفلی میں فوت ہوگئیں[2]۔

مولانا قمر زیدی صاحب کا بیان ہے کہ حضرت زید شہیدؒ نے چھ شادیاں کیں، ان میں پہلی بیوی ریطہ بنتِ ابی ہاشم، دوسری زوجہ ام ولد سکن نوبیہ تھیں، تیسری اور چوتھی یعقوب سلمی اور عبداللہ ازدی کی دختران تھیں۔ ان کے علاوہ مزید دو ازواج جن میں سے ایک ام ولد سندھ کی رہنے والی اور دوسری ام ولد کوفہ کی رہنے والی تھیں۔ آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ دختران یعقوب یا عبداللہ میں سے کسی ایک کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی مگر وہ بہت جلد انتقال کر گئیں۔ نیز موصوف نے زید شہیدؒ کی اولاد کی امہات کی بابت لکھا ہے کہ یحییٰ

[1] تاریخ طبری ج:۶ ص:۲۷۸، سادات باہرہ تاریخ کے مدوجزر میں ص:۱۹؛ [2] تاریخ انوار السادات ص:۵۳۶

کی والدہ ریطہ بنتِ ابی ہاشم، عیسیٰ کی والدہ سکن نوبیہ ام ولد، حسین کی والدہ ام ولد اور محمد کی والدہ ام ولد جو سندھ کی رہنے والی تھیں۔ جبکہ ظفر زیدی صاحب نے ریطہ بنت ابی ہاشم ہی کو عیسیٰ بن زید شہیدؒ کی ماں ظاہر کیا ہے جو درست نہیں کیونکہ ریطہ بنت ابو ہاشم کے بطن سے صرف یحییٰ پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب کی تحقیق اور دیگر مورخین کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ جنابِ عیسیٰ کی مادر گرامی رقیہ تھیں جو عبداللہ محض کی بیٹی اور محمد نفسِ ذکیہ کی ہمشیرہ تھیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب کا بیان ہے کہ:

> ''جناب عیسیٰ اپنے والد جنابِ زیدؒ کی شہادت کے وقت بہت کم سن تھے اِس لئے آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت آپ کے ننھیال میں ہوئی تھی۔ آپ کے دو ماموں یعنی محمد نفسِ ذکیہ اور جناب ابراہیم پسران عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ اپنے عہد کی سیاست میں بڑی اہم شخصیت تھے۔ (سادات بارہ تاریخ کے مدو جزر میں ص: ۴۴)

جہاں تک محمد بن زید شہیدؒ کی مادر گرامی کو کنیز لکھنے کا تعلق ہے تو یہ اُس روایت کے پیش نظر لکھا گیا جس میں آپ کے والد کی شہادت کے وقت آپ کو صرف چالیس دن کا بتایا گیا ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں، کیونکہ قمر زیدی صاحب کے بیان کے مطابق زید شہیدؒ کی شہادت کے وقت جناب عیسیٰ کی عمر بارہ سال تھی اور جناب عیسیٰ کے بعد محمد تولد ہوئے، لہٰذا محمد بن زید شہید کم عمر ضرور تھے مگر اتنے بھی نہیں جتنا اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز کوفہ میں حضرت زید شہیدؒ کے ساتھ صرف آپ کے فرزند یحییٰ تھے بقیہ تمام اولاد مدینہ ہی میں اقامت پذیر تھی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جناب محمد بن زید شہید کی مادر گرامی نہ تو کنیز تھیں اور نہ ہی وہ اتنے کم عمر تھے۔ اسطرح جناب ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب کی تحقیق حقیقت سے قریب تر ہے۔

بہر حال یہ امر متفقہ طور پر تسلیم شدہ ہے کہ حضرت زید شہیدؒ کے یہی چار فرزندان تھے جن کا تاریخ میں ذکر ملتا ہے، گو کہ بعض نسابین نے آپکے آٹھ فرزندان کے لکھے ہیں۔ ان چار پسران میں سے تین پسران کی نسل خوب پھلی پھولی جبکہ فرزند اکبر جناب یحییٰ اپنے والد کی شہادت کے بعد ولید ثانی کی فوجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے عالم شباب میں شہید ہوئے ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔

ذیل میں فرزندانِ زید شہیدؒ کے حالات وواقعات مرقوم ہیں:

خلف اول یحییٰ بن زید شہیدؒ: جہادِ زید شہیدؒ کے وقت جناب یحییٰ اپنے پدرِ بزرگوار کے ہمراہ کوفہ میں ہی موجود تھے اور بقول ڈاکٹر سید صفدر حسین اُس وقت آپ کی عمر مشکل سے پندرہ سال ہوگی۔ مورخین کے بیانات کے مطابق بوقت شہادت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ چونکہ آپ کی شہادت ۱۲۵ھ میں ہوئی تھی اس اعتبار سے آپ کی ولادت ۱۰۷ھ میں ہونا قرار پاتی ہے۔ آپ کی اولاد کی بابت علماء ومورخین کا فیصلہ ہے کہ آپ کے کوئی اولاد نہیں تھی لیکن چند ایک حضرات نے آپ کی ایک دختر بتائی ہے اور چند ایک نے نرینہ اولاد کا بھی عندیہ دیا ہے۔ مثلاً جناب سید روشن علی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

> ''سید یحییٰ پسرِ کلاں زید شہید کو تقریباً ۱۲۵ھ میں بمقامِ بلخ میں شہید کیا سید زید شہید نے بعد اپنے آٹھ فرزند چھوڑے چار صاحبزادوں نے بعہدِ طفولیت انتقال فرمایا اور سید یحییٰ پسرِ کلاں کے اولادِ دختری تھی، باقی تین صاحبزادے یعنی سید ابدال حمیدۃ الخصال وسید عیسیٰ و سید محمود صاحب اولاد ہوئے''۔ (سید التاریخ ص:۶۹)

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت زید شہیدؒ کی تدفین کے فوراً بعد جناب یحییٰ کوفہ سے نینوا چلے گئے تھے، وہاں سے مدائن گئے کچھ عرصہ مدائن میں قیام کیا، وہاں سے رے ہوتے ہوئے سرخس پہنچے جہاں

تقریباً چھ ماہ یزید بن عمر تمیمی کے مہمان رہے، اس کے بعد آپ سرخس سے بلخ کی جانب کوچ کر گئے وہاں حریش بن عبدالرحمٰن شیبانی کے مہمان ہوئے اور ہشام بن عبدالملک کی موت تک آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ الغرض اس بادیہ پیمائی کے عالم میں آپ نے تین سال گذار دیئے۔[1]

جسٹس امیر علی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

The youthful Yahya was haunted from place to place; goaded to desperation, he rose in arms, determined to fall with the sword in his hand rather than killed like vermine.

(History of Saracens P: 160)

ترجمہ: مایوسی کا شکار نوجوان یحییٰ ایک جگہ سے دوسری جگہ سرگرداں پھرتے رہے۔ آخرکار یہ سوچ کر کہ بزدلوں کی طرح مرنے سے بہتر ہے کہ بہادروں کی طرح تلوار ہاتھ میں لئے میدانِ جنگ میں جان دی جائے۔ انہوں نے علمِ جہاد بلند کیا۔

طبری نے روایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یحییٰ بن زید کے متعلق ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ بیان کرتے ہیں کہ زید کے قتل کے بعد بنی اسد کا ایک شخص یحییٰ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ آپ کے والد تو اب قتل ہو چکے۔ اہلِ خراسان آپ کے شیعہ ہیں بہتر ہے کہ آپ خراسان چلے جائیں۔ یحییٰ نے کہا مگر میں ایسا کیونکر کر سکتا ہوں، اُس نے کہا جب تک آپ کی تلاش ختم نہ ہو جائے آپ پوشیدہ رہیں اور پھر خراسان چلے جائیں۔ اُس اسدی نے ایک رات آپ کو چھپائے رکھا مگر پھر اسے خوف پیدا ہوا وہ عبدالملک بن بشر بن مروان کے پاس گیا اور پورا ماجرہ بیان کیا اور بتایا کہ اگر یوسف بن عمر کو اُن کا پتہ چل گیا تو وہ اُنھیں بھی قتل کر دے گا۔ آپ ان کی حفاظت کیجئے۔ عبدالملک نے کہا میں بڑی خوشی سے اس کیلئے تیار ہوں اور اسے اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ وہ شخص یحییٰ کو عبدالملک کے

[1] زندگانی حضرت یحییٰ بن زید ص: ۲۲۰

پاس لے گیا۔ عبدالملک نے اُنھیں اپنے پاس چھپائے رکھا۔ مگر یوسف بن عمر کو اس کی اطلاع ہوگئی اس نے عبدالملک کو اس بارے میں لکھا اور یحییٰ کو طلب کیا۔ عبدالملک نے جواب دیا کہ جو اطلاع آپ کو ملی ہے وہ محض جھوٹ ہے بھلا میں ایسے شخص کو پناہ دوں گا جو ہم سے ہماری حکومت چھین لینا چاہتا ہو علاوہ بریں مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ آپ میرے متعلق اس قسم کی باتوں کو سچ سمجھیں گے یا اُنھیں سنیں گے۔ یہ جواب سن کر یوسف نے کہا بیشک عبدالملک سے یہ اُمید نہیں۔ اس کے بعد یوسف نے یحییٰ کی تلاش سے ہاتھ اُٹھالیا۔ جب یحییٰ کی تلاش موقوف ہوگئی تب آپ چند زیدیوں کے ساتھ خراسان چلے گئے۔[1]

ہشام کی موت کے بعد ربیع الاول ۱۲۵ھ میں ولید بن یزید بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ تب ایک بار پھر جناب یحییٰ کی تلاش و جستجو شروع ہوگئی۔ والئی کوفہ یوسف بن عمر نے خراسان کے گورنر نصر بن سیار کو لکھا کہ وہ یحییٰ کو گرفتار کرے۔ خراسان کے صوبہ دار نصر بن سیار نے سرخس کے عامل عبداللہ کو حکم دیا کہ یحییٰ کو سرخس سے نکال دو اور عبداللہ نے بنی تمیم کے سردار حسن بن زید تمیمی کو لکھا کہ جب یحییٰ طوس آئیں تو اُنھیں وہاں ٹھہرنے نہ دے حتیٰ کہ اُنھیں ابر شہر (نیشاپور) میں عمر بن زرارہ کے حوالے نہ کردے۔

بہرحال آپ سرخس سے طوس ہوتے ہوئے ابر شہر پہنچے، وہاں سے جب آپ بیہق پہنچے جو خراسان کی آخری سرحد تھی تو وہاں عمرو بن زرارہ، حسن بن زید اور عبداللہ بن قیس کی مشترکہ فوجیں مقابلہ کے لئے تیار تھیں۔ جناب یحییٰ نے صرف ستر جانثاروں کی معیّت میں جنگ کی اور دس ہزار کی جمعیت کو بھاگنے پر مجبور کردیا۔ مروانی فوج کو شکست ہوئی اور اُن کے مشترکہ سپہ سالار عمر بن زرارہ

[1] تاریخ طبری ج:۶ ص:۲۹۶

کا سر قلم کر لیا گیا جناب یحییٰ کی بے مثل جرأت و شجاعت پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے سید علی حیدر صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''جناب یحییٰ کی شجاعت کا وہ کارنامہ تاریخ کے اُوراق میں مذکور ہے جس کی نظیر دُنیا کے کسی ملک اور کسی زمانے میں نہیں ملتی۔۔۔صرف ستّر آدمی تھے مگر جناب یحییٰ نے اِس عظمت سے جنگ کی کہ بنی امیہ کے اس عظیم الشان لشکر کو جس میں دس ہزار سوار و پیادے بھی تھے، آلاتِ حرب بھی تھے، سامانِ جنگ بھی کافی تھا، غرض پوری شاہی قوت تھی۔ باوجود اپنی فقیری، ناداری اور بے ساز و سامان ہونیکے پوری شکست دیدی۔ سب کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اِس کثرت سے خلیفہ کی فوج ماری گئی کہ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ اُن کی سواری کے بکثرت جانور جناب یحییٰ کے قبضے میں آئے۔ بقیہ فوج بھاگ گئی اور سب کے سردار عُمر بن زرارہ تک کا سر آپ نے کاٹ لیا۔ اُس وقت آپکی عمر اٹھارہ سال کی تھی''۔

(تاریخ آئمہ ص: ۳۰۲)

مروانی فوجیں میدان چھوڑ کر بھاگ گئیں، جن کا چھوڑا ہوا بہت سا مالِ غنیمت جناب یحییٰ بن زید شہیدؒ کے ہاتھ لگا خاص طور پر بہت سے سواری کے جانور ہاتھ آئے۔ یحییٰ وہاں سے چل کر ہرات پہنچے۔ ہرات کے حاکم مخلس بن زیاد العامری نے آپ سے کوئی تعرض نہیں کیا لہٰذا جناب یحییٰ بھی وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ نصر بن سیار نے سلم بن احوز کو آپ کے تعاقب میں بھیجا۔ جوز جان کے ایک قریہ میں فریقین کا مقابلہ ہوا، نہایت شدید جنگ ہوئی۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ عیسیٰ نامی ایک شخص جو عیسیٰ بن سلیمان الغزی کا آزاد غلام تھا اس نے یحییٰ کے ایک تیر مارا جو آپ کی پیشانی پر لگا۔ جس سے آپ شہید ہو گئے۔ جناب یحییٰ کے تمام ساتھی بھی اس معرکہ میں کام آئے۔ سورہ بن

محمد الکندی جنابِ یحییٰ کی لاش کے قریب پہنچا اور اُس نے آپ کا سر کاٹ لیا۔ آپ کا لباس اور اسلحہ غزی نے لے لیا۔[۱]

ابوالحسن علی المسعودی کا بیان ہے کہ:

یحییٰ ارعونہ نام کے ایک گاؤں میں لڑتے ہوئے مارے گئے اور وہیں دفن ہوئے ان کی قبر بہت مشہور ہے اور آج تک زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ قتل ہونے سے پہلے یحییٰ نے کئی لڑائیاں لڑیں۔ ایک تیر سے جو اُنکی کنپٹی میں آکر پیوست ہو گیا تھا اس سے اُنکی ہلاکت واقع ہوئی۔ (مروج الذہب ص ۱۵۹)

الغرض جس طرح آپ کے والد محترم حضرت زید شہیدؒ کی پیشانی پر تیر لگا تھا اسی طرح آپ کی پیشانی پر بھی ایک تیر لگا جس سے آپ گھائل ہو کر گھوڑے سے گرے اور شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

جناب یحییٰ بن زید کی شہادت کے بعد شامی سپاہ نے آپ کا سر قلم کیا اور جسم مبارک کو شہرِ جوزجان کے دروازہ پر سولی پر آویزاں کر دیا، جو اُس وقت تک آویزاں رہا جب تک کہ حکومت بنی امیہ کا خاتمہ نہ ہو گیا۔ امویوں پر بنی عباس کے غلبہ پانے کے بعد ابو مسلم خراسانی نے جناب یحییٰ کی لاش کو سولی سے اتارا، غسل و کفن دیا، نمازِ جنازہ پڑھی اور اسی جگہ دفن کیا جہاں آپ کو سولی پر لٹکایا گیا تھا۔ پھر ابو مسلم خراسانی نے ان تمام لوگوں کو جو جنابِ یحییٰ کے قتل میں کسی نہ کسی طرح ملوث تھے، ایک ایک کر کے واصل جہنم کیا۔ خراسان اور اس کے گرد و نواح میں جناب یحییٰ کی عزاداری قائم ہوئی اور اس سال پیدا ہونے والے بچوں کے نام آپ کے نام پر یحییٰ رکھے گئے۔[۲]

جنابِ قمر زیدی صاحب نے تحریر کیا ہے کہ "تین سال قبل جب اس سرحدی علاقہ کی کھدائی حکومتِ افغانستان کی جانب سے ہو رہی تھی تو ایک قبر

[۱] ماخوذ از تاریخ طبری، اردو ترجمہ جلد: ششم، [۲] مروج الذہب المسعودی ص: ۱۵۹،

نمودار ہوئی جس پر تحریر تھا کہ یہ قبر یحییٰ بن زید ابن علی ابن الحسین کی ہے۔ اب سے پیشتر یہ قبر پوشیدہ ہو چکی تھی لیکن آج مرجع خواص وعوام ہے۔ استجابت دعا کیلئے افغانستان میں مشہور ہے اب حکومت کی جانب سے روضہ کی تعمیر کا انتظام ہو رہا ہے۔۔۔ شاعر دعبل خزاعی نے ایک مصرع میں جناب یحییٰ کی قبر کی جانب اشارہ کیا ہے؛ **و اخریٰ بارض الجوزجان محلّها** یعنی زمین جورجان پر آپ کی آخری منزل ہے۔[۱]

قمر زیدی صاحب نے جس سرحدی کھدائی کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی بابت تیں سال کی مدت کا ذکر کیا ہے وہ اُس وقت کی بات ہے جب آپ کی کتاب زیرِ تدوین تھی اور وہ زمانہ ۱۹۷۰ء کا تھا لہٰذا جناب یحییٰ بن زید شہیدؒ کی قبر ۱۹۶۷ء مطابق ۱۳۸۷ھ میں نمودار ہوئی۔

عماد زادہ کے بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

در بیرون دروازہ گنبد کاؤس آرام گاہی مرکب از صحن وقبہ و بارگاہی
است کہ مقبر در وسط آن است و اطراف وَن بصورت مسجد است
این آرام گاہ دراز توجہ مسلمانان آنحوزہ وکراماتی کہ شیعہ وسنی مخصوصاً
در روز ہائیج اشورہ از آن بزرگوار دیدہ اندست تعمیر است۔
(زندگانی حضرت یحییٰ بن زید ص: ۳۵)

خاندانِ بنی ہاشم کی ان مسلسل قربانیوں اور شہادتوں نے جمیع مسلمین کو ایسا متاثر کیا کہ حجاز سے شام اور عراق سے خراسان تک لوگوں میں ذہنی انقلاب رونما ہو گیا جس کے باعث اموی سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں اور چند ہی سالوں میں نوبت یہاں تک پہونچی کہ اموی حکمرانوں کو کہیں چھپنے کو جگہ نہ مل سکی۔ عباسیوں نے اقتدار حاصل کر کے اُن کو تہہ تیغ کر دیا۔ ابو مسلم خراسانی نے پہلی فرصت میں جناب یحییٰ کے قاتل سلم بن احور کو واصلِ جہنم کیا۔

[۱] بطل رشید زید شہید ص: ۲۳۱،

مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے نوٹ میں تحریر کیا ہے کہ: ''ہشام تو خیر مر گیا لیکن اس کے جانشین ولید کے عہد میں حضرت زید کے صاحبزادے یحییٰ بن زید بلخ کے قریب جوز جان ضلع کے ایک گاؤں ارغونہ نامی میں شہید ہوئے اور جوز جان شہر میں ان کی لاش اسی طرح لٹکا دی گئی جیسے ان کے والد کی کوفہ میں لٹکی ہوئی تھی۔ گویا خراسان عراق شام تک مسلسل ایک تماشہ کھڑا کیا گیا۔ حکومت کی جباریت سے لوگ خواہ کچھ نہ بول سکتے ہوں لیکن نفسانی طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت پر اس دردناک دوامی منظر کا جو اثر پڑ سکتا تھا حکومت کے نشہ میں وہ بنی امیہ والوں کی سمجھ میں نہ آیا اور میرا خیال ہے کہ خراسان میں عباسیوں کے داعی ابو مسلم کو جو کامیابی ہوئی اُس کامیابی میں بہت زیادہ دخل اسی عجیب وغریب تماشے کو تھا۔ اسی سے خراسانی مسلمانوں کے تاثر کا اندازہ کیجئے کہ جب عباسیوں کا اقتدار خراسان میں قائم ہوا تو پہلا کام یہی کیا گیا کہ جوز جان میں حضرت یحییٰ کی لاش سولی سے اتاری گئی۔ نماز جنازہ پڑھی گئی اور سات دن تک خراسان کے ہر ہر گاؤں میں ماتم منایا گیا۔ یہی نہیں بلکہ اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ ولم یولد فی تلک السنة بخراسان مولود الا وسمی یحییٰ او بزید (اس سال خراسان میں جہاں کہیں جو بچے بھی پیدا ہوئے ان کا نام یحییٰ یا زید رکھا گیا)۔[۱] چودہ ماہ کے بعد حضرت زید کی ننگی لاش کو اتروا کر ولید نے جلا کر دریا برد کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی کے انتقام میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد عباسیوں کے ولاة وحکام نے تلاش کر کے بنی امیہ کے تمام حکمرانوں کی لاشیں (باستثناء عمر بن عبدالعزیزؒ) قبر سے نکال نکال کر جلائیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ صرف ہشام کی لاش بالکل صحیح وسالم حالت میں نکلی۔ قبر سے نکال کر اسی کوڑے اس کی لاش پر لگائے گئے اور زید شہید کی لاش

[۱] مروج الذہب المسعودی ص: ۱۵۴،

جیسے جلائی گئی تھی ہشام کی لاش بھی جلائی گئی۔۔۔۔۔۔۔یوسف بن عمر کا انجام یہ ہوا کہ اس کی ڈاڑھی نوچی گئی اور تڑپا تڑپا کر مارا گیا۔ اس کے جسم کا ایک ایک حصّہ دمشق کے مختلف مقامات میں لٹکایا گیا"۔ [1]

عام طور سے مورخین نے یہی لکھا ہے کہ جناب یحییٰ بن زید کے کوئی اولاد نہیں تھی اور قرینہ بھی یہی بتاتا ہے لیکن بعض مورخین نے لکھا کہ آپ کے دختری اولاد تھی جبکہ بعض مورخین نے آپ کی نرینہ اولاد کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس قسم کے تمام بیانات حقیقت کے منافی اور غیر معتبر ہیں کیونکہ جناب یحییٰ کوفہ میں اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ تھے اور آپ جن حالات سے گذرے ان میں ممکن ہی نہ تھا کہ آپ شادی کرتے۔

خلف دوم حسین بن زید شہیدؒ: حضرت زید شہیدؒ کے دوسرے فرزند کا نام حسین، کنیت ابوعبداللہ اور مشہور ترین لقب ذوالدمعہ (آنسو بہانے والا) تھا، نیز آپ کو 'ذوالعبرۃ' بھی کہتے تھے اور چونکہ آپ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے اس لئے آپ کو مکفوف بھی کہا جاتا تھا۔ آپ کی بابت مورخین کے بیانات میں سے چند ذیل میں درج ہیں جن سے آپ کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

عمادالدین حسین اصفہانی (عمادزادہ) کا بیان ہے کہ:

"حسین سید زاہد، عابد، عالم، دانشمندی محقق دقیق بود اکثر شبہا بیدار بود کہ از کثرت گریہ در نماز شب از خوف خدا ذوالدمعہ یعنی صاحب اشک چشم میگفتند و در او اخر عمر از گریہ زیاد نابینا شد و او را مکفوف میگفتند" (زندگانی حضرت یحییٰ بن زید ص: ۲۳)

ترجمہ: حسین سید زاہد عابد عالم دانشمند محقق دقیق تھے۔ آپ اکثر شب بیداری کرتے اور نمازِ شب میں بخوف خدا گریہ کرتے تھے اسی سبب ذوالدمعہ مشہور تھے۔ اور شدت گریہ کی وجہ سے آخر عمر میں نابینا ہو جانے کے باعث مکفوف کہلائے۔

---

[1] امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص: ۱۶۸

شیخ عباس قمی تحریر کرتے ہیں کہ:

''ھمانا حسین بن زید مکنی با بوعبداللہ وابو عاتقہ وملقب بذوالدمعۃ و ذوالعبرۃ است، روزیکہ پدرش کشتہ گشت ھفت سالہ بود حضرت صادقؑ اورا بمنزل خود بردہ وتبنی وتربیت اوفرمود وعلم وافری باو عنایت نمودودختر محمد بن ازقط بن عبداللہ الباھررا بوی تزویج نموددواو سیدی زاھد وعابد بود، واز کثرت گریستن اودرنماز شب ازخوف خدایتعالی اوراذوالدمعۃ گفتندوچون درآخر عمر نابیناشداورامکفوف گفتند''۔ (منتھی الامال ج : ۲ ص:۶۵)

ازحضرت صادقؑ وحضرت موسیٰ بن جعفرؑ روایت میکند وابن ابی عمیرو یونس بن عبدالرحمن وغیرہ ایشان ازاوروایت می کنند تاج الدین بن زھرہ درذکر بیت زید شھید فرمودہ واز اعاظم ایشان است حسین ذوالعبرۃ وذوالدمعۃ واوسیدی بودہ جلیل القدر شیخ اھل خویش وکریم قوم خود بودوآنجناب ازرجال بنی ھاشماز جہت لسان وبیان وعلم و زھد وفضل واحاطہ بنسب وایام ناس روایتکردہ ازحضرت صادقؑ ووفاتکردہ ۱۳۴ھ انتھی ــــــــــــ حسین ذوالدمعہ درمحاربہٗ محمد وابراھیم پسران عبداللہ بن حسن بومنصور حاضر بودپس ازآن از ترس منصور متواری وپنہاشد۔ واروایت کردہ ازپسرش یحیی بن حسین کہ مادرم بپدرم گفتہ چہ شدہ کہ گریہ بسیار میکنی گفت آیا آن دوتیرو آتش جہنم برای من سروری گذاشتند کہ مانع شود مرا از گریستن، ومرادش ازدوتیری بودہ کہ برادرش یحیی وپدرش زید بآن شھید گشتند بالجملہ حسین درسال یکصد وسی وپنج وبقولی یکصد وچھل وفات کرد۔

آپ کی بابت ابوالفرج اصفہانی نے تحریر کیا ہے کہ:

حدثنی علی بن العباس، قال : حدثنی احمد بن حازم قال :حدثنا محول بن ابراهیم قال : شهد الحسین بن

زید حرب محمد و ابراهیم بنی عبدالله بن الحسن ان الحسن ثم تواری . و کان مقیماً فی منزل جعفر بن محمد . و کان جعفر رباه و نشأفی حجره منذقتل ابوه واخذ عنه علما۔ کثیراً. فلما لم یذکر فیمن طلب ظهر لمن یأنس به من اهله واخوانه (مقاتل الطالبین ص ۲۵۷)

مندرجہ بالا اقتباسات کا مجموعی طور پر مفہوم اسطرح ہے: حسین بن زید شہیدؒ وہی ہیں جنکی کنیت ابوعبداللہ اور ابوعاتقہ تھی، آپ ذوالدمعہ وذوالعبرہ کے القاب سے ملقب تھے۔ اپنے پدرِ بزرگوار حضرت زید شہیدؒ کی شہادت کے وقت آپکی عمر سات سال تھی۔ حضرت امام جعفرِ صادقؑ نے آپ کی پرورش اپنے گھر میں کی اور اپنی اولاد کی طرح تعلیم تربیت دی اور علم کثیر عنایت فرمایا۔ نیز آپ کی شادی محمد بن ارقط بن عبداللہ الباہر کی دختر سے کردی۔ آپ زاہد و عابد تھے نمازِ شب میں بخوف خدا کثرت سے گریہ کرتے تھے جس کے باعث آپ بینائی کھو بیٹھے اور لوگ آپ کو مکفوف کہنے لگے۔

آپ حضرت امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت بیان کرتے تھے۔ ابن ابی عمیر اور یونس بن عبدالرحمٰن وغیرہ اُن سے روایت کرتے تھے تاج الدین بن زہرہ نے زید شہید کے خانوادہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حسین ذوالعبرہ وذوالدمعہ صاحبِ عظمت وشان سردار تھے۔ آپ نہایت عابد وزاہد، جلیل القدر، خاندان میں بزرگ اور اپنی قوم کے کریم تھے۔ آپ بنی ہاشم میں بہ اعتبارِ زبان وبیان، علم وفضل اور زہد وعبادت افضل اور صاحب نسب تھے۔

آپ کے لقب ذوالدمعہ کی بابت بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ آپ خدا کے خوف سے نمازِ شب میں کثرت سے گریہ کرتے تھے اس لئے آپ اس لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کے فرزند جنابِ یحییٰ سے روایت منقول ہے کہ ایک

مرتبہ میری والدہ نے میرے والد سے دریافت کیا کہ اس کثرتِ گریہ کا کیا سبب ہے! آپ نے جواب دیا کہ ان دو تیروں اور آتشِ جہنم نے میرے لئے کوئی خوشی باقی نہیں چھوڑی جو میرے گریہ کرنے مانع ہو سکے۔ ان دو تیروں سے مراد ایک وہ تیر جس سے آپ کے پدرِ گرامی حضرت زید علیہ رحمہ شہید کئے گئے اور دوسرے تیر سے مراد وہ تیر جس سے آپ کے بھائی جنابِ یحییٰ شہید کئے گئے۔

جب عباسی حکمران منصور دوانیقی نے جناب محمد نفسِ زکیہ کی زندگی تلخ کردی تو تنگ آمد بجنگ آمد کے اصول پر آپ نے جمادی الآخر ۱۴۵ھ میں ظہور فرمایا اُس وقت حسین بن زید شہید بھی محمد و ابراہیم پسران عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ کے ساتھ خروج میں شامل اور جنگ میں شریک تھے، لیکن جب محمد نفسِ زکیہ مدینہ کے قریب مقامِ جرس میں ایک تیر لگنے سے شہید ہوئے اور اُن کے بھائی ابراہیم بھی کوفہ کے پاس میدانِ جنگ میں تیر لگنے سے شہید ہو گئے۔ اور منصور آپکی جستجو میں لگ گیا تب آپ نے منصور کے خوف کی بناء پر روپوشی اختیار کی۔

شیخ عباس قمی کا بیان ہے کہ حسین ذوالدمعہ نے ۱۳۵ھ اور بقولِ دیگر ۱۴۰ھ میں وفات پائی[۱] جبکہ ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب نے آپ کی وفات ۱۴۸ھ مطابق ۷۶۵ء میں بتائی ہے۔[۲] یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ جب آپ جناب محمد نفسِ ذکیہ کے خروج میں شریک تھے تو پھر شیخ عباس قمی کا بیان کیونکر درست تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

اولاد حسین بن زید شہیدؒ: حسین ذوالدمعہ کے تین فرزندان ابوالحسن یحییٰ، حسین القعدر اور علی تھے ان ہی تین فرزندان سے آپ کی نسل کثیر تعداد میں عرب و عجم میں پھیلی۔ برِ صغیر ہند و پاک میں بھی آپ کی نسلِ کثیر تعداد میں آباد ہے۔ جناب علامہ سید فاضل الموسوی الصفوی (خلخالی زادہ) صاحب کے

---

[۱] منتہی الآمال ج:۲ ص: بطل رشید زید شہید ص: ۲۲۷، [۲] سادات باہرہ تاریخ کے مدو جزر میں ص: ۲۳

مرتب کردہ 'الشجرۃ الطیبہ' میں بھی انہی تین فرزندان سے آپ کی نسلِ کثیر چلائی گئی ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱) حسین ذوالدمعہ کے پہلے فرزند یحییٰ کی نسل بہت کثیر ہے۔ یحییٰ کے گیارہ فرزندان قاسم، حسن الزاہد، حسین، محمد اصغر الاقساسی، احمد، عیسیٰ، ابوالحسن علی، حمزہ، یحییٰ، محمد اکبر اور عمر تھے ان میں سے قاسم کے بیٹے محمد نونو، ان کے بیٹے عیسیٰ اور اُن کے بیٹے ابوجعفر نسابہ تھے۔ یحییٰ کے دوسرے بیٹے حسن الزاہد کے دو بیٹے محمد اور حسین تھے، محمد کے دو بیٹے احمد اور حسین تھے جبکہ حسین کے بیٹے محمد تھے انہی سے حسن الزاہد کی نسل آگے چلی۔ یحییٰ بن حسین ذوالدمعہ کے تیسرے بیٹے حسین ان کے بیٹے محمد تھے۔ یحییٰ کے چوتھے بیٹے محمد اصغر الاقساسی کے تین بیٹے علی الزاہد جن کے بیٹے علی تھے جو مورث اعلیٰ تھے بنو جواذب کے اور اُن کے بیٹے ابوطالب حسین جن کی اولاد بنوزہرہ کہلائی۔ دوسرے بیٹے محمد الاقساسی تھے جن کے دو بیٹے ان میں سے ایک ابوجعفر محمد جن کی اولاد کوفہ میں آباد ہوئی اور دوسرے ابوطیب احمد جن کی اولاد اُن کی والدہ کی نسبت سے قرۃ العین کہلائی، ان کی نسل واسط اور شام میں آباد ہوئی۔ محمد اصغر الاقساسی کے تیسرے بیٹے احمد الموضع تھے جن کے تین بیٹے یحییٰ، محمد اور علی تھے۔

یحییٰ بن حسین ذوالدمعہ کے فرزند عیسیٰ کے فرزندان میں ۱) ابوطیب زید ان کے ایک بیٹے محمد تھے، ۲) ابوالعباس احمد ان کے دو بیٹے زید اور ابومحمد حسن تھے، ۳) محمد الاعلم ان کے تین بیٹے احمد، حمزہ المعمل، ان کی نسل اہواز میں آباد ہوئی، اور منجم الحاذق معروف بابن ازھر تھے۔ یحییٰ بن حسین کے بیٹے علی ان کے تین بیٹے ابوالعباس احمد، ابوطالب اور ابوالحسین زید تھے، یحییٰ بن حسین کے بیٹے یحییٰ ان کے دو بیٹے ابوالعباس طاہر اور عیسیٰ تھے یحییٰ بن حسین کے بیٹے

حسین الاحول ان کے بیٹے حسن الصالح تھے۔ یحیٰ بن حسین کے بیٹے حمزہ کے ایک بیٹے علی تھے جن کے بیٹے حسین اور ان کے دو بیٹے ابو جعفر محمد شاعر اور علی تھے۔ یحیٰ بن حسین کے بیٹے عمر کے تین فرزندان ایک ابوالحسین یحیٰ جنہوں نے کوفہ میں مستعین عباسی کے دور حکومت میں خروج کیا اور شہید ہوئے، ان کی والدہ ام الحسن بنت حسین بن عبداللہ بن اسمٰعیل بن جعفر طیار تھیں۔ عمر بن یحیٰ کے دوسرے فرزند احمد المحدث تھے ان کے بیٹے حسین نسابہ (انساب کے عالم) تھے، ان کے تین بیٹے زید (کوفہ میں آباد ہوئے)، دوسرے حسن الظفر جنکی آٹھویں پشت کے کمال الدین ترمذی ہندوستان وارد ہوئے، (اولاد ہند میں آباد ہوئی)، تیسرے ابوالحسن یحیٰ (نقیب النقباء) ان کی نسل کثیر ہے جو ان کے دو بیٹوں ابوعلی عمر الشریف الجلیل اور ابومحمد القارس سے پھیلی۔ عمر بن یحیٰ کے تیسرے فرزند ابو منصور محمد اکبر ان کے بیٹے حسین الفدان اور ان کے تین بیٹے ابوالحسن زید الجندی، جعفر اور حسن تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حسین ذوالدمعہ کی نسل ان کے فرزند یحیٰ کے ذریعہ کثرت سے پھیلی جبکہ اُن کی نسل نے اُن کے فرزند عمر کے ذریعہ فروغ پایا تو بیجا نہ ہوگا۔

۲) حسین ذوالدمعہ کے دوسرے فرزند حسین القعدر تھے جنکے تین فرزندان یحیٰ، محمد اور زید تھے، انکے علاوہ بعض نسابین نے مزید ایک بیٹے علی کا ذکر کیا ہے۔ حسین القعدر کی اولاد میں سے یحیٰ کے ایک بیٹے قاسم اور اُن کے بیٹے ابو جعفر محمد تھے جن کی نسل طائف و مکہ میں پھیلی۔ آپ کے دوسرے فرزند محمد کے تین بیٹے ۱) احمد جن کے بیٹے حسین برغوثہ تھے۔ ۲) حسن (نقیب موصل) ان کے ایک بیٹے عبداللہ تھے ۳) زید جن کے بیٹے ابوعبداللہ زید تھے جنکی نسل دمشق میں آباد ہوئی اور ۴) ابوالحسن علی جن کے بیٹے ابومحمد حسن الجاموس تھے۔ حسین القعدر کی نسل ان ہی فرزندان سے چلی مگر تعداد میں بہت قلیل تھی۔

- حسین بن زید شہیدؒ
  - ابوعبداللہ حسین القعدر
    - یحییٰ
      - قاسم
        - ابوجعفر محمد (نسل طائف و مکہ میں)
    - محمد
      - احمد
        - حسین (برغوثہ)
      - حسن (نقیب موصل)
        - عبداللہ
      - ابوالحسن علی
        - ابومحمد حسن (الجاموس)
    - علی
      - عبداللہ
        - احمد
    - زید
      - ابوعبداللہ زید
        - ابوعبداللہ حسن (دمشق منتقل ہوئے)
  - اسحاق
  - ابوالحسین یحییٰ
    - قاسم
      - محمد
        - عیسیٰ
          - ابوجعفر محمد نسابہ
    - حسین الاحوال
      - حسن الصالح
    - حسن الزاہد
      - حسین
      - محمد
        - حسین
          - محمد
        - احمد
    - علی
      - زید
        - محمد
      - احمد
        - زید
        - حسن
      - محمد
        - احمد
        - حمزہ (نسل اہواز میں)
        - منجم الجادق
    - عمر
      - یحییٰ (خروج کیا شہید ہوئے)
      - احمد محدث
        - حسین نسابہ
          - زید (نسل کوفہ میں)
          - حسن الظفر (نسل ہند میں)
          - یحییٰ (نقب العقاء)
      - محمد اکبر
    - محمد اصغر
      - احمد الموضح
        - یحییٰ، محمد، علی
      - علی الزاہد
        - علی الجوازب
          - حسن (جد بنو زہرہ)
      - محمد الاقساسی
        - ابوجعفر محمد (مقیم کوفہ)
        - احمد (نسل واسط اور شام میں)
        - احمد الموضح
          - یحییٰ
          - محمد
          - علی
    - محمد اکبر
    - حمزہ
      - علی
        - حسین
    - احمد
    - عیسیٰ
      - زید، احمد، علی، محمد
    - یحییٰ
      - عیسیٰ، طاہر
  - عمر
  - حسن
  - علی
    - زید
      - محمد شبیہ
        - احمد، حسن (فقیہ)، اسمٰعیل
      - حسین
        - قاسم علی الاحوال
          - حسین نقیب

۳) حسین ذوالدمعہ کے تیسرے فرزند علی کی نسل قلیل ہے۔ ان کے ایک بیٹے زید نسابہ تھے اُن کے دو بیٹے محمد الشبیہ اور حسین تھے، انہی دونوں سے آپ کی نسل چلی۔

ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے کہ ''حسین ذوالدمعہ کے ایک فرزند حسن نام کے تھے جو کوفہ میں ابو اسرایا کی جنگ میں لڑتے ہوئے مارے گئے''۔ ممکن ہے کہ ان سے نسل نہ چلی ہو، مورخین نے ان کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس کے علاوہ شیخ عباس قمی کا بیان ہے کہ یحییٰ بن حسین ذوالدمعہ نے بغداد میں ۲۰۷ھ یا ۲۰۹ھ میں وفات پائی۔[۱]

جیسا کہ ہم نے اُپر اشارہ کیا ہے کہ ابوالحسین یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین ذوالدمعہ نے کوفہ میں خروج کیا، مورخین نے اس واقعہ کی بابت تفصیل سے لکھا ہے، ہم اس کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔

جناب یحییٰ بن عمر کی کنیت ابوالحسین تھی، آپ کی مادر گرامی ام الحسین فاطمہ بنت حسین بن عبداللہ بن اسمعیل بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب تھیں، اور آپ کی ایک زوجہ خدیجہ بنتِ امام محمد باقر اور دوسری زوجہ قتیلہ بنتِ عمر اشرف تھیں۔ آپ نے ۲۵۰ھ میں بزمانۂ مستعین باللہ عباسی خروج کیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ متوکل عباسی کے دورِ حکومت ہی سے آپ کا وہ وظیفہ جو تمام مسلمانوں کو دیا جاتا تھا، بند کر دیا گیا تھا۔ جس کے سبب آپ کے حالات دن بدن ناگفتہ بہ ہوتے گئے یہاں تک کہ آپ نہایت تنگدستی و کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ آپ نے اپنا وظیفہ واگذار کرانے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آپ والئ شہر عمر بن فرح کے پاس گئے اور صورتحال سے آگاہ کر کے اُس سے وظیفہ جاری کرنے کو کہا، مگر وہ نہایت سختی سے پیش آیا حتیٰ کہ گالی گفتار پر اُتر

[۱] منتہی الآمال ج:۲ ص:۶۵

آیا تب آپ نے بھی اُسے بہت برا بھلا کہا، اُس نے فوراً آپ کو قید کر دیا۔ ایک عرصہ کے بعد رشتہ داروں کی ضمانت پر رہائی ملی۔ اس کے بعد آپ بغداد چلے گئے، وہاں حالات مزید خراب ہو گئے۔ پھر آپ سامرہ گئے اور وہاں کے والی وصیف سے ملاقات کر کے درخواست کی کہ آپ کا وظیفہ بحال کر دیا جائے، لیکن وہ بھی انتہائی سخت کلامی سے پیش آیا۔ آپ وہاں سے واپس آئے اور کوفہ جانے کا قصد کیا۔

یحییٰ بن عمر کے ساتھ حکمران طبقہ کے ہتک آمیز رویہ کے باعث ان کی جو کیفیت تھی اس کی بابت طبری نے لکھا ہے کہ ''ابن ابی طاہر نے بیان کیا کہ ابن الصوفی الطالبی نے اس سے بیان کیا کہ یحییٰ بن عمر اس کے پاس اُس شب میں جس کی صبح کو اُن کی روانگی ہوئی رات اُس کے پاس بسر کی، اپنے ارادے کے متعلق اُسے کچھ نہیں بتایا، اُس نے کھانا پیش کیا، یہ معلوم ہوتا تھا کہ بھوکے ہیں مگر کھانے سے انکار کر دیا کہا کہ زندہ رہیں گے تو کھائیں،۔۔۔میرے پاس سے چلے گئے اور کوفہ کا رخ کیا''۔[1]

یحییٰ بن عمر مختلف قصبات میں قیام کرتے ہوئے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے تو مقام وجہ الفلس میں عبدالرحمٰن بن الخطاب سے مڈبھیڑ ہو گئی، کوفہ کے پل کے قریب نہایت شدید جنگ ہوئی، عبدالرحمٰن کو شکست ہوئی اور وہ علاقہ شاہی کی طرف بھاگا، یحییٰ بن عمر کوفہ میں داخل ہوئے زیدیہ ان کے پاس جمع ہو گئے، یحییٰ نے آلِ محمد کی دعوت دی، بغداد کے عوام جو اس سے پہلے اہلِ بیت میں سے کبھی کسی کے دوست نہیں ہوئے، آپ کے دوست بن گئے اور آپ کی بیعت کی۔ مختصر یہ کہ ۱۳ رجب ۲۵۰ھ کو عباسی فوج سے مقابلہ ہوا۔ حسین بن اسمٰعیل نے اُن پر حملہ کر دیا۔ آپ میدانِ جنگ میں شہید ہوئے، آپ کا سر قلم کر

[1] تاریخ طبری، (اردو ترجمہ) ج:۹ ص:۱۲۷

کے اسے بانس کی ٹوکری میں رکھ کر عبدالرحمٰن کے ہمراہ محمد بن عبداللہ بن طاہر کے پاس بھیج دیا۔ وہاں سے انتہائی خراب حالت میں آپ کے سر کے کچھ حصّہ کو سامرہ بھیجا گیا۔

طبری نے لکھا ہے کہ جب محمد بن عبداللہ بن طاہر کی مجلس میں یحیٰی بن عمر کے قتل کی اور فتح کی مبارک باددی جارہی تھی کہ اتفاقاً داؤد بن الہیثم ابو ہاشم جعفری بھی آ گئے، اُنہوں نے لوگوں کو مبارکباد دیتے سنا تو کہا کہ اے امیر تجھے ایسے شخص کے قتل کی مبارکباد دی جارہی ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہوتے تو آپؐ سے اُس کی تعزیت کی جاتی۔ محمد بن عبداللہ اُنہیں کچھ جواب دینے نہ پایا تھا کہ ابوہاشم یہ شعر پڑھتے ہوئے چلے گئے:

یا بنی طاھر کلوہ دبیا　　انّ لحم النبی غیر میری

ان وترا یکون طالب اللہ　　لوترُ نجامہ بالجیری

یعنی اے بنی طاہر تم اسے مال سمجھ کر کھاؤ۔ مگر نبی کا گوشت (کھانا تو) مبارک نہیں ہے بیشک اللہ تعالیٰ بھی جس انتقام کا طالب ہے وہ وہی انتقام ہے جس کا پورا کرنا مناسب ہو۔ [1]

جناب سیّد ظفریاب ترمذی صاحب نے نسب سے متعلق ایک تفصیلی واقعہ تحریر کیا ہے اُس کی افادیت کے پیشِ نظر ہم یہاں بیان کررہے ہیں:

کتاب عمدۃ الطالب میں ابوالتقی عبداللہ بن اسامہ زیدی کا ایک واقعہ درج ہے جسے خود عبداللہ نے روایت کیا ہے۔ اُنہوں نے کہا: "میں ایک سال عدنان بن مختار کے ساتھ حج کو گیا تھا۔ ایک رات ہم نے دیکھا کہ مسجد الحرام میں کچھ لوگ ایک سیّد حسنی کے گرد جمع ہورہے ہیں۔ ہم نے دریافت کیا کہ اس کا کیا نام ہے۔ کسی نے بتلایا کہ جعفر بن ابی البشر امام الحرمین ہیں، سیّد عدنان نے

[1] ماخوذ از تاریخ طبری (اردو ترجمہ) ج:۹ ص:۱۳۱، مقاتل الطالبین ص:۴۲۰، منتھی الامال ج:۲ ص:۶۷۲

مجھ سے کہا چلواس کے پاس چلیں، قریب پہنچ کر میں نے سلام کیا اور سر کو اس کے بوسہ دیا چونکہ یہ شخص قصیر القامت تھا اس لئے بجائے سر کے میرا سینہ چوما۔ اور مجھ سے سوال کیا کہ تو کون ہے؟ میں نے کہا تمہارا ایک پسرِ عم باشندہ عراق ہوں۔ کہا سیّد علوی ہے، میں نے کہا ہاں۔ جعفر نے کہا حسنی یا حسینی یا محمدی یا عباسی یا عمری یعنی امیر المومنین علی ابن ابیطالب کی نسل امام حسنؑ و امام حسینؑ، محمد حنیفہ، عباس علمدار، عمران معروف عمر صرف پانچ کس سے جاری ہوئی تو کس کی اولاد سے ہے۔ میں نے کہا حسینی ہوں۔ جعفر نے کہا حسین شہید کی نسل فقط امام زین العابدین سے چلی، پھر اُن کے چھ اشخاص (۱) امام محمد باقر علیہ السلام (۲) عبداللہ باہر (۳) زید شہید (۴) عمر الاشرف (۵) حسین اصغر (۶) علی اصغر سے نسل جاری ہوئی تو کس کی اولاد سے ہے۔ میں نے کہا زید شہید کی اولاد سے۔

جعفر، زید شہید کا سلسلہ نسب تین اشخاص حسین ذی الدمہ، عیسیٰ موتم الاشبال و محمد شہید سے رواں ہوا، تم ان میں سے کس کی اولاد سے ہو۔ میں نے کہا حسین ذی الدمہ کی نسل سے۔ جعفر، حسین ذی الدمہ کی نسل یحییٰ، حسین و علی سے جاری ہوئی، تم ان میں کس کی اولاد ہو۔ میں نے کہا یحییٰ بن حسین کی نسل سے۔ جعفر، یحییٰ بن حسین ذی لدمہ کا سلسلہ نسب سات اشخاص قاسم و حسن و حمزہ و عمر و محمد اصغر و یحییٰ و عیسیٰ سے جاری ہوا، تم ان میں سے کس کی نسل سے ہو۔ میں نے کہا عمر بن یحییٰ کی نسل سے۔ جعفر، عمر بن یحییٰ کی اولاد دو شخص احمد محدث و محمد ابوالمنصور سے چلی تم کس سے ہو۔ میں نے کہا احمد محدث سے۔ جعفر، احمد محدث کی عقاب حسین نسابہ نقیب سے اور حسین مذکور کا سلسلہ نسب دو مرد زید و یحییٰ سے جاری ہوا تم ان میں سے کس کی اولاد سے ہو۔ میں نے کہا یحییٰ بن حسین نسابہ سے۔ جعفر، یحییٰ مذکور کی اولاد سے دو شخص ابو علی عمر و ابو محمد حسن اولاد و اعقاب

ہوئے تم ان میں سے کس کی نسل سے ہو۔ میں نے کہا ابو علی عمر بن یحییٰ کی اولاد سے۔ جعفر، ابو علی عمر بن یحییٰ کی نسل تین مرد کی پشت سے اجراء پائی، ابو الحسین محمد، ابو طالب محمد و ابو الصائم تو اُن مین کس کی اولاد سے ہے۔ میں نے کہا ابو طالب محمد کی اولاد سے۔ جعفر نے کہا تو تو ضرور عبداللہ بن اسامہ نسابہ ہے۔ میں نے کہا بیشک میں پسر اسامہ موصوف ہوں۔[1]

مندرجہ بالا طویل اقتباس کو نقل کرنے کے ہمارے دو مقاصد ہیں۔ اول یہ کہ جناب حسین ذوالدمعہ کے جن فرزندان سے آپ کی نسل چلی اُن سے آگہی فراہم ہو سکے۔ دوم یہ کہ موجودہ سادات اس امر پر غور کرے کہ اُن کے بزرگانِ سلف اپنے نسب سے کس قدر واقف ہوتے تھے کہ نسب کی مدد سے مخاطب کا نام معہ ولدیت بتا دیا۔ لہٰذا سادات کو چاہیئے کہ اپنے نسب نامہ سے آگاہ رہے اور اُس کی حفاظت کرے تا کہ مجہول النسب لوگ آپ کے شجرہ میں داخل نہ ہو سکیں۔ دورِ حاضر میں سادات نے اپنے نسب ناموں سے توجہ ہٹا لی ہے خصوصاً نوجوان طبقہ تو اسے بے معنی چیز سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے دور میں ازدواجی زندگی میں مضر اثرات نمایاں طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ بہر حال حسین ذوالدمعہ کی نسل کی تفصیل علامہ سید فاضل موسوی صاحب نے اپنے شجرہ طیبہ میں اور جناب سیّد ظفر یاب ترمزی صاحب نے اپنی کتاب 'تاریخ انوار السادات' میں بیان کی ہے۔

ابو الفرج نے حسین ذوالدمعہ کی نسل کے شہداء کی بابت لکھا ہے کہ:

"حسن بن حسین بن زیدبن علیؑ؛ و هوا تقتیل یوم قنطرة الکوفة؛ فی الحرب التی کانت بین هرثمه و الی السرایا۔ (مقاتل الطالبین ص:۳۴۰)

[1] تاریخ انوار السادات ص:۵۳۶

ترجمہ: حسن بن حسین ذوالدمعہ جنگ قنطرہ کوفہ میں جو ابوالسرایا اور ہرثمہ کے مابین ہوئی لڑتے ہوئے قتل ہوئے (یہ جنگ ۹/ذی القعدہ ۱۹۹ھ میں ہوئی تھی)

"و عبید اللہ بن علی بن عیسیٰ بن یحییٰ بن الحسین بن زیدبن علی بن الحسین قتل با لطواحین فی وقعة کانت بین احمد بن الموفق ،و بین خمار و یه ابن احمد (ابن طولون). (مقاتل الطالبین ص:۴۴۰)

ترجمہ: عبیداللہ بن علی بن عیسیٰ بن یحییٰ بن حسین بن زید بن علی بن حسینؑ، بزمانۂ معتمد عباسی، مقام طواحین میں احمد بن موفق اور ابن طولون کے مابین ہونے والی جنگ میں قتل کر دیے گئے۔

"و زیدبن الحسین بن الحسین بن زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب، قتله القرمطی فیما یذکرو نه فی طریق مکة (مقاتل الطالبین ص:۴۴۶)

ترجمہ: اور زید بن حسین بن حسین ذوالدمعہ کو ملتفی عباسی کے دورِ حکومت میں ایک قرمطی نے آپ کو مکہ کے راستہ پر قتل کر دیا۔

خلف سوم عیسیٰ بن زید شہید: جناب عیسیٰ بن زید شہیدؒ کی کنیت ابو یحییٰ تھی۔ بعض حضرات نے ابوالحسین بھی لکھی ہے لیکن مشہور کنیت ابو یحییٰ ہی ہے۔ آپ کا لقب موتم الاشبال تھا۔ آپ کی مادرِ گرامی رقیہ بنتِ عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ تھیں۔ قمر زیدی صاحب نے آپ کی والدہ کا نام سکن نوبیہ لکھا ہے اور انھیں ام ولد بتایا ہے۔[1] جبکہ ظفر زیدی صاحب نے ریطہ بنت ابو ہاشم کو آپ کی والدہ قرار دیا ہے اور عیسیٰ و محمد پسران زید شہید کو ماں جائے بھائی قرار دیا ہے۔[2]

آپ کے نام عیسیٰ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے ابوالفرج اصفہانی نے لکھا ہے کہ:

---

[1] بطل رشید زید شہید ص:۲۲۶، [2] زید شہید ص:

"و یکنی أبا یحیی .و أمه أم ولد ، ولد فی الوقت الذی أشخص فیه أبوه زید ابن علی الی هشام بن عبدالملک ، و کانت أم عیسی بن زید معه فی طریقه، فنزل دیر ألنصاری و وافق نزوله ایاه لیلة المیلاد ، وضربها امخاض هنالک فولدته له تلکاللیلة ، و سماه ابو عیسی باسم المسیح عیسی بن مریم . صلوات الله علیهما" (مقاتل الطالبین ص: ۲۶۸)

ترجمہ: اور آپ کی کنیت ابو یحییٰ تھی اور آپ کی والدہ ام ولد تھیں۔ ایک مرتبہ جب زید ابن علی ہشام ابن عبدالملک سے ملنے کیلئے دمشق تشریف لے گئے تو والدۂ عیسیٰ اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھیں دورانِ سفر آپ نے عیسائیوں کے چرچ میں ایک رات بسر فرمائی اور یہ رات حضرت عیسیٰ کی ولادت کی رات تھی۔ اسی رات میں اس فرزند کی ولادت ہوئی تو آپکے پدر گرامی جناب زید ابن علی نے آپ کا نام حضرت مسیح کے نام پر عیسیٰ رکھا۔

ابوالفرج کا مندرجہ بالا بیان تاریخی حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ اول تو آپ کی والدہ کنیز ہرگز نہ تھیں۔ مورخین نے اُن معظمہ کا نام رقیہ تحریر کیا ہے جو بیٹی تھیں عبداللہ محض کی اور وہ پوتے تھے امام حسن علیہ السلام کے۔ جس کی وضاحت ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب کے اس بیان سے ہوتی ہے:

''جنابِ عیسیٰ اپنے والد جناب زیدؒ کی شہادت کے وقت بہت کمسن تھے اِس لئے آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت آپ کی ننھیال میں ہوئی تھی۔ آپ کے دو ماموں یعنی جنابِ محمد نفسِ ذکیہ اور جنابِ ابراہیم پسران عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ اپنے عہد کی سیاست میں بڑی اہم شخصیت تھے''۔ (سادات باہرہ تاریخ کے مدو جزر میں ص:۲۴۰)

دوئم یہ کہ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے پورے بیس سالہ دورِ حکومت میں حضرت زید شہید صرف دو مرتبہ اُس کے پاس

گئے تھے پہلی مرتبہ ۱۱۴ھ میں اور دوسری مرتبہ ۱۲۰ھ میں۔ اس کے علاوہ ایسا کوئی واقعہ تاریخ میں نہیں ملتا کہ جب آپ ہشام کے پاس گئے ہوں۔ اور نہ ہی بادشاہِ وقت سے آپ کے اتنے اچھے مراسم تھے کہ دربار میں آپ کی رسائی ہوتی۔ لہٰذا یہ درست معلوم نہیں ہوتا کہ آپ تیسری بار بادشاہِ وقت سے ملاقات کے لئے دمشق گئے ہوں۔ البتہ یہ عین ممکن ہے کہ کسی اور مقصد کیلئے آپ نے یہ سفر اختیار کیا ہو اور یہ واقعہ پیش آیا ہو۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا آپ نے اپنے ننھیال میں اپنے ماموں کے زیرِ کفالت پرورش پائی اور یہ بھی تحریر کیا گیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زیر سایہ تعلیم و تربیت حاصل کی۔ یہ امامؑ کے فیض تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ احکامِ دین اور علم و عرفان میں ممتاز تھے اور اپنے ہمعصروں میں علم و وراع اور زہد و کشف میں افضل تھے۔ نیز مذہبی امور میں آپ کی بصیرت علمِ کثیر کی حامل تھی۔

آپ کے لقب موتم الاشبال کی بابت شیخ عباس قمی نے تحریر کیا ہے کہ:

ھما عیسیٰ بن زید کنی است با بویحیٰ و ملقب است بموتم الاشبال و ایں لقب ازاں یافت کہ وقتی شیری را کہ دارای بچگان بود و سرِ راہ بر مردم گرفتہ بود بکشت ازانوقت لقب موتم الاشبال یافت یعنی یتیم کنندہ شیر بچگان'' (منتھی الامال ج:۲ ص:۶۹)

ترجمہ: یہ وہی عیسیٰ بن زید ہیں جن کی کنیت ابو یحیٰ اور لقب موتم الاشبال ہے اور یہ لقب اس لئے ہے کہ ایک مرتبہ شیر جس کے بچے بھی تھے سرِ راہ لوگوں کو ستاتا تھا۔ آپ نے اس کو مار دیا، اسی وقت سے لوگ آپ کو اس لقب سے یاد کرنے لگے۔

شیخ عباس قمی نے آپکے مراتبِ علم و زہد کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''و بلیغی ازاو نمودہ و گفت کہ او مردی جلیل القدر و صاحب علم و ورع

وتقویٰ وزھد بودہ واز حضرت صادقؑ و برادر آں حضرت عبداللہ بن
محمدؑ واز پدر خود زید بن علیؑ وغیرھم روایت می کرد وعلماءِ عصر او مقدم او را
مبارک میشمر دند۔" (منتھی الامال ج:۲ ص:۶۹)

ترجمہ: آپ جلیل القدر، صاحبِ علم و وراع اور زاہد و متقی تھے۔
آپ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، اُن کے بھائی عبداللہ بن
محمد باقرؑ اور اپنے پدرِ بزرگوار وغیرہ سے روایات بیان کرتے تھے۔
اپنے زمانہ کے علماء میں مقدم و مبارک شمار کئے جاتے تھے۔

آغا سلطان مرزا نے تحریر کیا ہے کہ:

یہ زید شہید کے صاحبزادے اور یحییٰ بن زید کے بھائی تھے۔ اُنہوں نے اپنے تیسرے بھائی حسین (ذوالدمعہ) کے ساتھ مل کر ابراہیم و محمد پسران عبداللہ بن حسن (مثنیٰ) کی لڑائیوں میں اُن کی بڑی مدد کی اور بہت شجاعت و مردانگی کا اظہار کیا۔ یہ نہایت دیندار، عالم، زاہد، پرہیز گار تھے۔ صاحبِ عقل و فہم تدبیر تھے۔ جناب امام جعفر صادقؑ کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں۔ محمد نفس الزکیہ نے وصیت کی تھی کہ ان کے بعد ان کے بھائی ابراہیم اُن کے جانشین اور ولی الامر ہوں گے اور ابراہیم کے بعد عیسیٰ بن زید (شہید) ہونگے۔ چنانچہ ان دونوں کے بعد عیسیٰ بن زید انکے جانشین ہوئے"۔ [1]

نفسِ ذکیہ اور ابراہیم کی شہادت کے بعد جناب عیسیٰ نے بقیہ زندگی کوفہ میں گمنامی اور انتہائی کسمپرسی کی حالت میں گذاری۔ آپ نے سقائی کا پیشہ اختیار کیا یعنی آپ اونٹ پر پانی لاد کر لاتے اور اپنی روزی کماتے تھے۔

آپ کے بھتیجے یحییٰ بن حسین ذوالدمعہ کو آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا لہٰذا وہ آپ سے ملنے کوفہ گئے، مورخین نے یحییٰ کے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے، مگر ہم یہاں اختصار سے بیان کر رہے ہیں: شیخ عباس قمی کا بیان ہے کہ:

[1] نور المشرقین من حیات الصادقین ص:۳۱۳

'' یحییٰ بن حسین بن زید و بقول صاحب عمدۃ الطالب محمد بن محمد بن زید با پدر گفت کہ دوست دارم مرا بر عموئی داشتی باشم و او را دیدار نما یم، پدر گفت ای پسر جان این خیال ار سر بدر کر چہ آنکہ عموی تو عیسیٰ خود را پنہان کردہ است و دوست نہ دارد کہ شناختہ شود۔۔۔ یحییٰ در اینباب مبالغہ واصرار کرد تا آنکہ پدر راضی نمود کہ مکان عیسیٰ را نشان دھد حسین گفت ای پسر اگر خواھی عموی خود را ملاقات کنی از مدینہ بکوفہ سفر کن چون بکوفہ رسیدی از محلّہ بنی حی پرسش نما شون این دانستی۔۔۔ شون بآن موچہ رسیدی خانہ ای بینی۔۔۔ لکن تو بر در خانہ منشین بلکہ برو در اوایل کوچہ بنشین تا وقت مغرب آنگاہ مردی بینی بلند قامت بسن کہولت کہ صورت نیکوئید ارد و آثار سجدہ در جبہۂ او نمایاں است و جبہۂ از پشم در بر دارد و شتری در پیش انداختہ واز سقائی برگشتہ و بہر قدمی کہ برمیدارد و مینہد ذکر خدا را بجامیآورد و اشک از چشمان او رفرم رہز دھا شخص عموی تو عیسیٰ است۔

(منتھی الامال ج:۲ ص:۶۹)

ترجمہ: یحییٰ بن حسین ذوالدمعہ اور بقول صاحب عمدۃ الطالب محمد بن محمد بن زید نے اپنے پدر بزرگوار سے اپنے چچا سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، اُن کا پتہ دریافت کیا اور کہا کہ یہ کتنی بدنصیبی ہے کہ چچا کے ہوتے ہوئے میں اُن کے دیدار سے محروم ہوں۔ اُن کے والد نے کہا کہ بیٹا اس خیال کو ترک کردو کیونکہ تمہارے چچا عیسیٰ نے اپنے آپ کو پوشیدہ کر رکھا ہے اُن کے کوئی دوست نہیں جن سے اُن کی شناخت ہو سکے۔۔۔ یحییٰ نے بے حد اصرار کیا تب اُن کے والد حسین ذوالدمعہ نے جناب عیسیٰ کے قیامگاہ کی نشاندہی کی اور ہدایت کی کہ جب تم کوفہ پہنچ جاؤ تو محلّہ بنی حی کا پتہ کرنا، وہاں فلاں کوچہ میں ایک گھر ان صفات کا ہوگا وہی تمہارے چچا کا گھر ہے مگر تم گھر کے دروازہ پر نہ جانا بلکہ کوچہ کے سرے پر بیٹھ جانا۔

مغرب کے وقت ایک شخص کو دیکھو گے جو و بلند قامت، درمیانی عمر، نورانی چہرہ، پیشانی پر سجدہ کا نشان نمایاں ہوگا، جسم پر اونی لباس، دو اونٹوں کو ساتھ لئے آئیگا جن پر وہ سقائی کرتے ہیں، ہر قدم پر ذکر خدا کرتے ہوئے نظر آئیں گے اکثر اُن کی آنکھوں سے اشک رواں ہوتے ہیں بس وہی تمہارے چچا عیسیٰ ہوں گے۔

پس جناب یحیٰ بن حسین ذو والدمعہ کوفہ پہنچے اور والد کی ہدایت پر عمل کیا۔ اور جوں ہی والد کے بتائے ہوئے اوصاف کے شخص کو آتے دیکھا تو قریب پہنچکر پہلے سلام کیا پھر گلے میں باہیں ڈالدیں۔ یحیٰ کہتے ہیں کہ وہ بہت پریشان ہوگئے۔ لیکن جب میں نے اپنا تعرف کرایا تو مجھے گلے سے لگالیا اور بہت روئے۔ جب قدرے سکون ہوا تو میرے پاس بیٹھ کر خاندان کے تمام مرد و زن کی بابت ایک ایک کر کے حالات دریافت کئے، میں ہر ایک کے حالات بتاتا جاتا تھا اور وہ روتے جاتے تھے۔ پھر اُنہوں کے اپنے بارے میں بتایا۔ [1]

اس واقعہ کو آغا سلطان مرزا نے مختصراً اس طرح بیان کیا ہے کہ:

یحیٰ بن حسین ابن زید کہتے ہیں کہ جب میں نے عیسیٰ بن زید اپنے چچا سے کوفہ میں ملاقات کی تو پہلے تو مجھ سے بہت متوحش ہوئے لیکن جب میں نے بتایا کہ میں کون ہوں تو پاس بٹھالیا۔ گلے سے لگالیا۔ سب کا حال پُوچھتے رہے اور بیان کیا کہ میں اپنے اُونٹ پر لوگوں کو اُجرت پر پانی پہنچاتا ہوں اور اسی سے گزر اوقات کرتا ہوں۔ میں نے ایک شخص کی لڑکی اے یہاں شادی کر لی ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔ میری ایک لڑکی پیدا ہوئی جب وہ جوان ہوئی تو میری بیوی نے کہا کہ اس کی شادی اس ہمسایہ سقّے کے ساتھ کردیں۔ کیونکہ وہ بھی سقائی کرتا ہے اور ہم سے زیدہ کھاتا پیتا ہے یعنی زیادہ پیسہ والا ہے۔ میں خاموش تھا۔ کیا جواب دوں۔ یہ نہ کہہ سکا کہ میں خاندانِ رسالت سے ہوں اور

[1] سادات باہرہ تاریخ کے مدوجزر میں ص:۲۶، بطل رشید زید شہید ص:۲۴۶

یہ سقا میرے ہم کفو نہیں ہے۔ میری عورت اِس پر اصرار کرتی رہی۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد میری لڑکی مر گئی اور اس کو یہ معلوم نہ ہوا کہ اس کا جناب رسولؐ خدا سے کیا رشتہ تھا۔ اس کے بعد اُنھوں نے مجھے قسم دی کہ میں واپس چلا جاؤں اور پھر نہ آؤں۔ چنانچہ میں واپس چلا آیا اور پھر میں نے اُن کو نہیں دیکھا[1]

جناب عیسیٰ موتم الاشبال نے اپنے کوفہ میں قیام کے دوران مکمل طور پر گمنامی کی زندگی گذاری اور اپنے قیام کے دوران معمولی نوعیت کی مزدوری کر کے گذر بسر کی لیکن کسی بھی حالت میں تسبیح و تحلیل، صبر و شکر اور ضبط و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آپ نے اپنے حسبِ حال اشعار کہے جن سے آپکے حالات زندگی کی عکاسی ہوتی ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

واللهُ ما اطعم طعم الرقاد خوفاً اذ نامت عيون العباد
مزدني اهل اعتداد و ما اذنيت ذنبا غير ذكر المعاد
أمنت بالله ولم يومنوا فكان زاوی عنده شرزاد
اقول قاله خائف مطرد قلبي كثير السماد
منخرق الخفين يشكوا الوجى تنكبه اطراف مردٍ حداد
شرده الخوف فازرى به كذاک من يكرحوا الحلاد
قدكان في الموت له راحته والموت ختم في رقاب العباد

ترجمہ:

۱) جب لوگوں کی آنکھیں سو جاتی ہیں میں خوف سے جاگتا رہتا ہوں اور ایک لحہ بھی نیند نہیں آتی۔

۲) اہلِ ظلم نے مجھے جلاوطن کر دیا حالانکہ سوائے آخرت کی یاد کرنے کے میرا کوئی قصور نہیں۔

۳) میں خدا پر ایمان لایا ہوں اور یہ لوگ ایمان نہیں رکھتے لہٰذا میرے لئے ان کے پاس نہایت خراب چیزیں ہیں۔

---

[1] نور المشرقین من حیات الصادقین ص ۳۱۳

۴) میں وہ بات کہتا ہوں کہ جو ایسا شخص کہتا ہے جو خوف می زندگی بسر کرتا ہو۔ میرا دل قابو میں نہیں اور میں جاگتا رہتا ہوں۔

۵) جس کی دونوں جوتیاں ٹوٹ گئی ہوں اور وہ اس بادیہ پیمائی کی شکایت کرتا ہو اور مرو کی تنگ گلیاں اس سے روگردانی کرتی ہیں۔

۶) خوف نے جو اس کو وطن سے دور سر بصحرا کر دیا ہو اسی طرح جس طرح کہ وہ شخص ہوتا ہے جو جلاّد سے خوف کھاتا ہے۔

۷) اس کیلئے موت میں راحت ہے اور موت تو ہر شخص کی گردن میں پڑی ہوئی ہے۔

جناب عیسیٰ موتم الاشبال کے اشعار کا اہلِ درد اس کثرت سے ورد کرتے تھے کہ لوگوں کو زبانی یاد ہو گئے تھے۔ مورخین کے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہِ وقت مہدی عباسی خراسان میں مقیم تھا کسی مقام پر اُس نے یہ اشعار دیوار پر لکھے دیکھے تو اُس نے ہر شعر کے نیچے لکھوا دیا کہ: **لک ا لامان من اللہ و منی فاظھر مئی شھت** ۔ یعنی: تجھ کو میری اور اللہ کی طرف سے امان ہے جب جی چاہے ظاہر ہو جا۔ اسکے علاوہ مہدی عباسی نے حج کے موقع پر منادی بھی کرائی مگر بادشاہوں کی بدعہدی اور حالات کے پیشِ نظر جناب یحییٰ بن زید شہیدؒ نے مہدی کے اعلان کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اور تمام عمر جلاوطنی اور روپوشی میں گذار دی۔ آپ نے مصائب کا نہایت صبر و استقلال سے مقابلہ کیا اور اعزائے قریبی سے دوری کے غم کو ہمیشہ سینہ سے لگائے رکھا۔

جناب عیسیٰ موتم الاشبال کی وفات کی بابت ڈاکٹر صفدر حسین صاحب نے لکھا ہے کہ آپ نے ۱۶۸ھ اور بقول دیگر ۱۷۰ھ میں وفات پائی [1] جبکہ قمر زیدی صاحب نے لکھا ہے کہ " آپ کا سنِ ولادت ۱۰۹ھ ہے۔ حضرت زید کی شہادت کے وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی۔ آپ نے ستر سال کی عمر میں وفات پائی اور ۱۷۹ھ میں آپ نے انتقال فرمایا" [2]

[1] سادات باہرہ تاریخ کے مدوجزر میں ص ۲۹، [2] زید شہید بطل رشید ص ۲۴۴

بہر حال آپ کی نماز جنازہ آپ کے دوست حسن بن صالح نے پڑھائی اور میت کو دفن کیا۔ ڈاکٹر سید صفدر حسین صاحب کے بیان کے مطابق آپ کا مزار شفقانیہ میں ہے۔ یہ مقام کوفہ سے تقریباً ساڑھے تین میل کے فاصلہ پر ہے، جبکہ زمانہ قدیم میں یہ کوفہ کا ایک محلّہ تھا۔[1]

اصحابِ عیسٰی بن زید شہیدؒ: جناب عیسٰی موتم الاشبال کے تین خاص اصحاب تھے۔ یعنی ابن علاق صیرفی، حاضر اور صباح الزعفرانی۔ حاضر کو مہدی عباسی نے پکڑ کر قید کر دیا اور پوچھ گچھ شروع کر دی، پہلے نرمی سے پوچھا کہ عیسٰی بن زید کہاں ہیں، جب حاضر نے نہیں بتایا تو اُن پر سختی کی گئی، اُنہوں پھر بھی کچھ نہیں بتایا تو اُس نے حاضر کو ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کرا دیا۔ خلافت بغداد کے شاعر ابو العتاہیہ نے اپنا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ''میں نے شعر کہنے بند کر دیئے اس پر مجھے مہدی نے قید کر دیا۔ قید خانہ تنگ و تاریک تھا میرے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ وہاں میں نے ایک شخص کو بیٹھے ہوئے پایا۔ بغیر سلام کئے میں اُسکے پاس جا بیٹھا، وہ آدمی خاموش بیٹھا ہوا تھا، کچھ دیر بعد اُس نے یہ دو شعر کہے:

تَعَوَّدتُ مَس الضّر حتے الفته واسلمني حسن العزاء الى الصبر
وصيّرني يامي من الناس واثقاً بحسن صنيع الله من حيث لا ادري

ترجمہ: میں نے تکلیف کی عادت ڈال لی ہے۔ یہانتک کہ مجھے اُس سے اُلفت ہوگئی ہے اور غم کی برداشت نے صبر کرنا سکھا دیا ہے۔ لوگوں سے نا اُمید ہو کر میں نے خدا پر اعتماد کر لیا ہے کہ وہ میرے اُوپر ایسے ذریعہ سے فضل کرے گا کہ جس کو میں نہیں جانتا۔

مجھے یہ شعر بہت پسند آئے، میں نے مکرّر پڑھنے کی درخواست کی۔ اُس نے میری بدتہذیبی پر تنبیہ کی کہ میں سلام کئے بغیر اُسکے پاس جا بیٹھا، پھر اُس نے وہ شعر سنائے اور بتایا کہ اُس کا نام حاضر ہے۔[2]

---

[1] سادات باہرہ تاریخ کے مدوجزر میں ص: ۳۸ [2] نور المشرقین من حیات الصادقین ص: ۳۱۷

جنہیں بعد میں قتل کرادیا گیا۔ اسکے بعد حاکمِ وقت صباح اور ابن علاق کی تلاش میں لگ گیا مگر وہ ہاتھ نہ آئے۔

اولادِ عیسیٰ بن زید شہیدؒ: جناب عیسیٰ بن زید شہیدؒ نے تین عقد کئے، دو عقد مدینہ میں اور ایک کوفہ میں، آپ کی ایک زوجہ عاتکہ بنتِ فضل بن عبدالرحمٰن بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب تھیں جن کے بطن سے احمد تولد ہوئے، دوسری زوجہ عبدہ یا خدیجہ بنتِ علی بن عمر بن علی زین العابدینؑ تھیں ان کے بطن سے حسین اور محمد پیدا ہوئے اور تیسری زوجہ اہلِ کوفہ میں سے تھیں ان کے بطن سے زید اور ایک دختر تھیں۔ دختر آپ کی حیات میں ہی وفات پا گئی تھیں۔

نسابین نے آپ کے آٹھ پسران بتائے ہیں جنکے نام جعفر، حسین، حسن، محمد، عمر، احمد، یحییٰ اور زید لکھے ہیں۔ لیکن سب ہی نے آپ کی نسل چار فرزندان احمد، محمد، حسین اور زید سے ہی چلائی ہے۔ جسکی تفصیل اس طرح ہے:

۱) احمد بن عیسیٰ: ان کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب المختفی تھا۔ آپ بڑے عالم و فاضل، زاہد و فقیہہ اور صاحبِ تصنیف بزرگ تھے اور احادیثِ صحیحہ کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کے حالات ابوالفرج اصفہانی نے کافی تفصیل سے تحریر کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> ویکنی اباعبداللہ۔ وامہ عاتکہ بنت الفضل بن عبدالرحمٰن بن العباس بن ربیعۃ بن الحارث بن عبدالمطلب۔ وکان فاضلاً عالماً مقدماً فی اھلہ، معروف فضلہ۔ وقد کتب الحدیث، وعمر وکتب عنہ، وروی عنہ الحسین بن علوان روایات کثیرۃ، وقد روی عنہ محمد بن المنصور الراوی ونظراوہ۔ (مقاتل الطالبین ص ۴۰۸)

ترجمہ: ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور ان کی والدہ عاتکہ بنت فضل بن عبدالرحمٰن بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب تھیں،

آپ عالم و فاضل و محدث تھے حسین بن علوان نے آپ سے کثیر روایات بیان کی ہیں۔

عباسی حکمران ہارون آپ کے درپہٗ آزار ہوا، اور کھوج لگا کر آپ کو اور قاسم بن علی بن عمر اشرف کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد قید خانہ کے محافظوں کی غفلت کے باعث یہ دونوں وہاں سے نکل گئے۔ احمد بن عیسیٰ بغداد پہنچے اور وہاں محمد بن ابراہیم کے گھر میں روپوش ہو گئے۔ جب ہارون کو اس کا علم ہوا تو اس نے ہر اُس شخص کے گھر کی تلاشی کا حکم دیا جس پر تشیع کا زرا سا بھی شبہ ہو۔ اس صورتحال کے پیشِ نظر محمد بن ابراہیم کا بیٹا جو شکار کا بہت شوقین تھا وہ آپکو غلام کے بھیس میں اپنے ساتھ شکار پر لے گیا اور وہاں سے آپکو بصرہ روانہ کر دیا

ہارون نے اپنے معتمد یحییٰ بن خالد کو جاگیر عطا کی اور ہدایت کی وہ اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کر کے کوفہ و بصرہ میں احمد بن عیسیٰ کا پتہ لگائے۔ یحییٰ بن خالد نے نہایت چالبازی سے اور مال خرچ کر کے کوفہ و بصرہ کے شیعوں سے تعلقات قائم کئے اور بصرہ میں احمد بن عیسیٰ کے قریبی ساتھی حاضر تک رسائی حاصل کر لی لیکن حاضر نے اُسکی ملاقات سے پہلے ہی آپ کو وہاں سے روانہ کر دیا۔ اسکے بعد سے جناب احمد بن عیسیٰ شہر بہ شہر پریشان پھرتے ہوئے اہواز پہنچے پھر بصرہ آ گئے۔ بالآخر اسی روپوشی و بادہ پیمائی میں ۲۳ر رمضان ۲۴۷ھ کو انتقال کیا۔ شیخ عباس قمی اور ابوالفرج اصفہانی کے بیان کے مطابق آپ کی ولادت ۱۵۸ھ میں اور وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی۔[۱]

احمد بن عیسیٰ موتم الاشبال کے پانچ فرزندان محمد اکبر جن کی کنیت ابوالقاسم تھی ان کو سعید الحاجب نے قتل کر دیا۔[۲] علی، حسین، ابوجعفر محمد اور محمد اصغر تھے۔ ان میں سے علی کے ایک بیٹے حسین اور اُن کے بیٹے علی تھے۔ احمد بن عیسیٰ

---

۱ منتھی الامال ج ۲ ص ۲۴۷، مقاتل الطالبین ص ۴۱۴ ۲ مقاتل الطالبین ص ۴۴۳

کے بیٹے ابوجعفر جو المکفل مشہور تھے اور علم و فاضل تھے اُن کے چار بیٹے ابوالحسن علی جن کے دو بیٹے عبداللہ اور یحیٰ تھے۔ دوسرے جعفر، تیسرے حسین جنہیں قم میں قتل کر دیا گیا، اور چوتھے اسمعیل تھے۔

۲) **محمد بن عیسیٰ موتم الاشبال:** ان محمد کا لقب الحیدری تھا۔ بقول شیخ محمد عباس قمی آپ کی والدہ خدیجہ بنتِ علی بن عمر بن حسین بن علی زین العابدینؑ تھیں آپ تمام عمر مدینہ ہی میں مقیم رہے اور ابتداً وہیں پر آپ کی نسل پھیلی مگر بعد میں آپ کی اولاد مختلف مقامات پر منتشر ہوگئی۔ آپ کے فرزند علی کے ایک بیٹے حسین تھے جن کے فرزند علی نے مدینہ سے نقلِ مکانی کی اور عراق میں آباد ہو گئے اور اسی نسبت سے علی عراقی مشہور ہوئے۔ جیسا کہ صاحبِ عمدۃ الطالب نے تحریر کیا ہے کہ:

و اما محمد ابنِ عیسیٰموتم الاشبال فلہٗ عقب کثیر منتشر و جمھور عقبیہ یرجع الیٰ علی العراقی بن الحسین بن علی‌بن محمد مذکور (محمد بن عیسیٰ) ورد العراق و اقامہ بھا فعرفت عند انحن الحجازبہ العراقی و اعقبہ من خمسۃ رجال بین مقل و مکثر۔

(عمدۃ الطالب فی انساب ابی طالب ص ۲۴۴)

ترجمہ: اور محمد بن عیسیٰ موتم الاشبال کی نسل کثیر ہے جو مختلف مقامات پر منتشر ہوگئی۔ یہ نسل جناب علی عراقی کی جانب رجوع ہوتی ہے جو محمد مذکور (یعنی محمد بن عیسیٰ) کے فرزند ہیں۔ یہ علی بن عیسیٰ عراق آگئے اور یہیں قیام کیا۔ اہلِ حجاز آپ کو علی عراقی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ انکی نسل پانچ فرزندوں سے کثیر تعداد میں پھیلتی رہی۔

لیکن نسابین نے علی عراقی کہ نسل آپ کے تین فرزندان ایک ابوعبداللہ حسین دوسرے ابوجعفر محمد اور تیسرے ابومحمد حسین سے چلائی ہے۔ علی

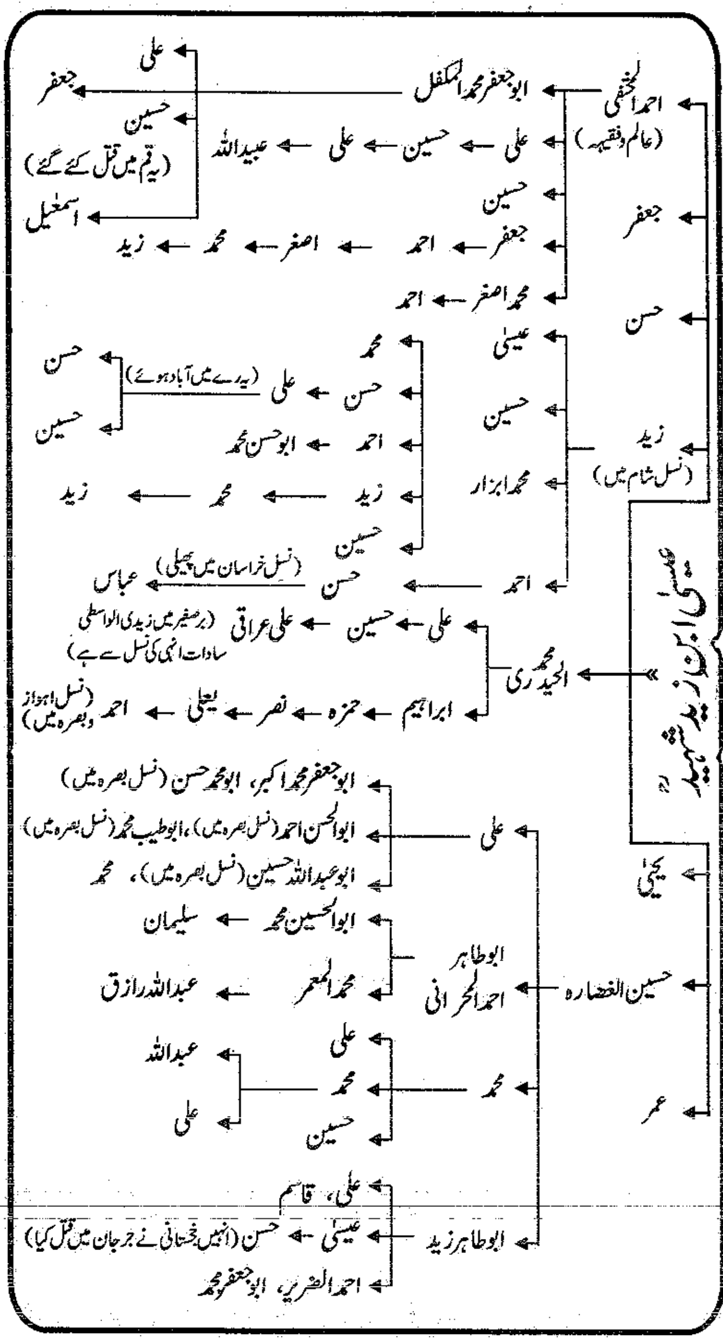
عراقی کے فرزند حسین کے بیٹے علی اُن کے بیٹے زید تھے جنہیں مورخین نے زید الحربی اور زید ثانی بھی لکھا ہے، اُن کے ایک بیٹے عمر تھے جنکے ایک بیٹے زید ثالث اُن کے بیٹے یحییٰ اُن کے بیٹے حسین اُن کے بیٹے داؤد اور اُن کے بیٹے ابوالفرح تھے، جن کا اصل نام عبداللہ الحسن تھا مگر آپ اپنی کنیت ہی سے مشہور ومعروف ہوئے اور چونکہ آپ واسط میں آباد تھے اس لئے ابوالفرح واسطی کہلائے۔ آپ واسط سے غزنی آئے اور وہاں سے سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ وارِدِ ہندوستان ہوئے، سلطان کے ساتھ جنگوں میں شجاعت کے جوہر دکھائے اور بعد میں اپنے چار بیٹوں سید ابوالفراس، سید ابوالفضائل، سید داؤد اور سید نجم الدین کو اپنی جاگیر کے چار قصبات جاجنیر، چھاترود، کونڈلی اور تہن پور (یہ چاروں قصبات ریاست پٹیالہ مشرقی پنجاب میں واقع تھے) میں آباد کیا اور خود سلطان کے ہمراہ واپس غزنی چلے گئے۔ سلطان کی وفات کے بعد غزنی سے واسط تشریف لے گئے۔

جہاں آپ نے ۳ رشعبان ۴۴۷ھ مطابق ۱۰۵۵ء میں وفات پائی، آپکا مزار واسط میں دریائے دجلہ کنارے واقع ہے۔ ''برکاتِ مارہرہ'' مؤلفہ طفیل احمد صدیقی بدایونی، میں بزرگانِ دین کی تاریخ ہائے وصال اور جائے مزار کا جو شجرہ دیا گیا ہے اُس میں بھی آپ کی تاریخ وفات یہی درج ہے[1]

بہر حال برِصغیر ہند و پاک میں حضرت زید شہیدؒ کے دو فرزندان یعنی حسین ذوالدمعہ اور عیسیٰ موتم الاشبال کی نسل کثیر ہے ان میں بھی عیسیٰ کی نسل جو اولاد سید ابوالفرح واسطی کے چار پسران کے توسل سے پھیلی اور پورے برِصغیر میں بڑی کثرت سے موجود اور آباد ہے۔ اور اپنے ابتدائی مسکن جاجنیر، چھاترودڑ، کونڈلی اور تہن پور کی نسبت سے جاجنیری، چھاترودڑی، کونڈلی وال اور تہن پوری کہلاتی ہے۔

---

[1] سادات بارہ تاریخ کے مدوجزر میں ص ۳۶،


عیسیٰ ابن زید شہیدؒ
احمد المختفی (عالم وفقیہہ)
ابوجعفر محمد المکفل
علی
جعفر
حسین
(یہ قم میں قتل کیے گئے)
اسمٰعیل
علی ← حسین ← علی ← عبیداللہ
حسین
جعفر ← احمد ← اصغر ← محمد ← زید
محمد اصغر ← احمد
جعفر
حسن
زید (نسل شام میں)
عیسیٰ
حسین
محمد ابزار
احمد
محمد
حسن ← علی (یہ رے میں آباد ہوئے)
حسن
حسین
احمد ← ابوحسن محمد
زید ← محمد ← زید
حسین
حسن (نسل خراسان میں پھیلی) عباس
محمد الحیدری
علی ← حسین ← علی عراقی (برصغیر میں زیدی الواسطی سادات انہی کی نسل سے ہے)
ابراہیم ← حمزہ ← نصر ← یعلیٰ ← احمد (نسل اہواز وبصرہ میں)
یحییٰ
علی
ابوجعفر محمد اکبر، ابومحمد حسن (نسل بصرہ میں)
ابوالحسن احمد (نسل بصرہ میں)، ابوطیب محمد (نسل بصرہ میں)
ابوعبداللہ حسین (نسل بصرہ میں)، محمد
حسین الغضارہ
ابوطاہر احمد الحرانی
ابوالحسین محمد ← سلیمان
محمد المعمر ← عبداللہ رازق
عمر
محمد
علی
محمد
حسین
عبداللہ
علی
ابوطاہر زید
علی، قاسم
عیسیٰ ← حسن (انہیں خجستانی نے جرجان میں قتل کیا)
احمد الضریر، ابوجعفر محمد

۳) حسین بن عیسیٰ موتم الاشبال: آپ حسین غضارہ مشہور تھے۔ آپ کے چار فرزندان علی، زید ان کے ایک بیٹے محمد تھے اور ان کے بیٹے علی تھے جنہیں مقتدر عباسی کے عہد میں قتل کیا گیا، احمد اور محمد سے آپ کی نسل چلی۔

۴) **زید بن عیسیٰ موتم الاشبال**: آپ کی نسل شام میں پھیلی، آپ کے چار فرزندان محمد ابزار، حسین، احمد اور عیسیٰ تھے۔ اُن میں سے صرف دو فرزندان سے نسل چلی۔ محمد ابزار کے پانچ بیٹے احمد، زید، محمد، حسن ان کو منتصر عباسی کے عہد میں قتل کیا گیا اور حسین تھے۔ دوسرے احمد کے بیٹے حسن تھے۔

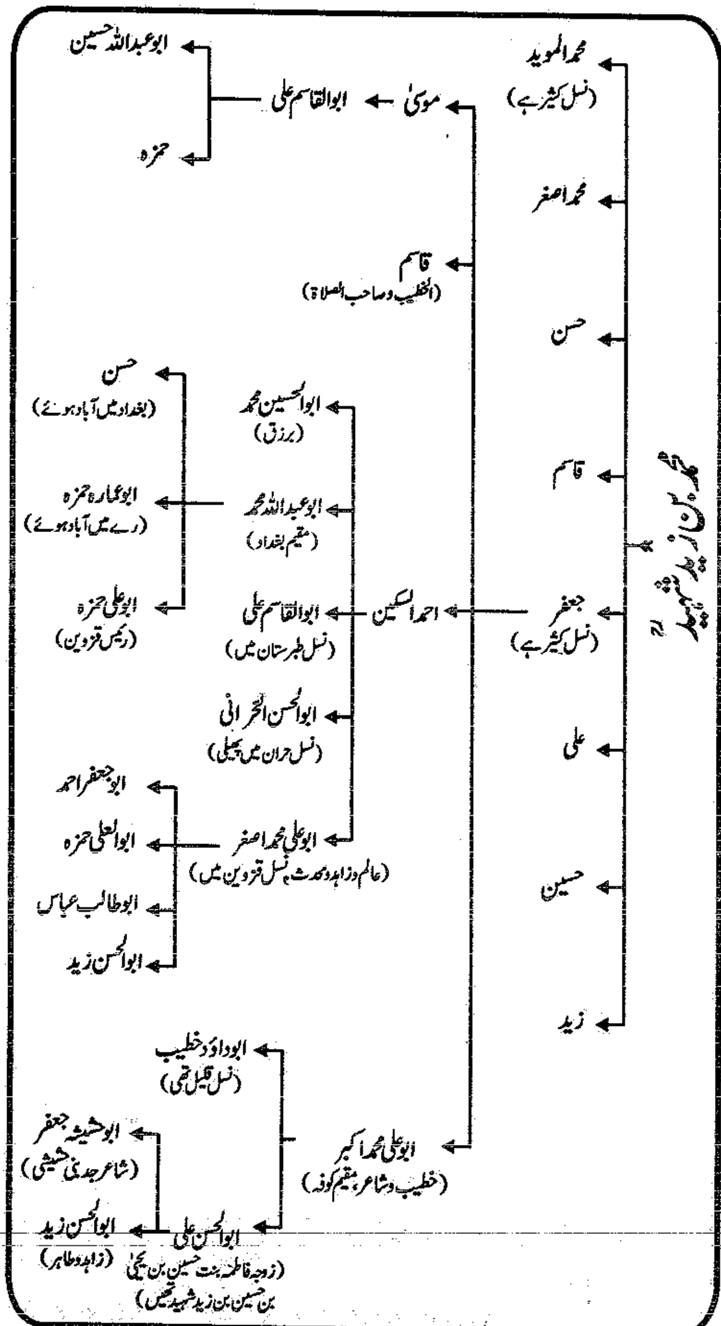
محمد بن زید شہیدؒ: محمد اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے آپ کی کنیت ابوجعفر تھی۔ آپ کی مادر گرامی فاطمہ بنت علی بن جعفر بن اسحٰق بن علی بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے والد جناب زید کی شہادت کے وقت آپ صرف چالیس دن کے تھے۔

آپ صاحبِ فضل و کمال اور شجاع و جوانمرد تھے۔ آپ کی فتوحات کے بہت سے قصے مشہور ہیں جن میں ایک داعیِ کبیر کا واقعہ ہے۔ آپ کی بابت مشہور ہے کہ آپ نے جوزجان میں ابوالحسن داعی کے ساتھ جنگ کی اور اسے قتل کر کے ۲۷۹ھ میں طبرستان پر اپنی حکومت قائم کی جو آپ کی حیات ہی میں اتنی مستحکم ہوگئی کہ رافع بن حرثمہ آپ کے نام کا خطبہ پڑھتا تھا۔ آپ کا دربار علماء و دانشوروں اور شعرا کا ملجا تھا۔ طرز حکمرانی میں آپ کا اہم طریقۂ کار یہ تھا کہ آپ سال کے آخر میں بیت المال کی آمد و خرچ کا حساب کرتے اور جو رقم اخراجات سے فاضل ہوتی اسے مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ آپ کی سخاوت کے دور دور تک چرچے تھے۔ آپ کی قائم کردہ حکومت تقریباً ساڑھے سترہ سال قائم رہی۔ بالآخر محمد بن ہارون سرخسی نے جوزجان میں آپ کو قتل کر دیا۔

اولادِ محمد بن زید شہیدؒ: نسابین نے آپ کے آٹھ فرزندان بتائے ہیں جن کے نام یہ ہیں محمد المویدِ، محمد اصغر، حسن، قاسم، ابوعبداللہ جعفر، علی، حسین اور زید تھے جن میں سے محمد اور جعفر کی نسل کثرت سے عراق اور ایران میں پھیلی۔ آپ کی نسل میں کثیر علماء وفضلاء گذرے ہیں۔ آپ کے فرزند محمد کے ایک بیٹے کا نام بھی محمد تھا یعنی محمد بن محمد بن زید شہید جن کی بابت جملہ مستند مورخین نے لکھا ہے کہ محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن طباطبا کو ابوالسرایا نے رجب ۱۹۹ھ میں زہر دیکر موت کے گھاٹ اُتارنے کے بعد محمد بن محمد بن زید شہیدؒ کو جو اس وقت کم سن تھے ابن طباطبا کی جگہ اپنا سرپرست بنایا اور اُس کے تمام لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ ابوالسرایا کی کوفہ میں ذیقعدہ ۱۹۹ھ میں ہونے والی جنگوں میں آلِ علی علیہ السلام کے بہت سے افراد قتل ہوئے۔

محرم ۲۰۰ھ میں جب ابوالسرایا کوفہ سے بھاگا تو محمد بن محمد بن زید شہیدؒ کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ شہر بہ شہر پھرتا رہا لیکن اسے کہیں پناہ نہیں ملی، بالآخر وہ حسن بن سہیل کے پاس چلا گیا۔ سہیل نے اسے قتل کردیا اور محمد بن محمد بن زید شہیدؒ کو خراسان بھیج دیا وہاں آپ مامون کے سامنے پیش کئے گئے، آپ کی کمسنی کے پیشِ نظر مامون نے ایک مکان میں نظر بند کردیا۔ آپ کی بابت شیخ عباس قمی نے تحریر کیا ہے کہ :

> ''پسرش محمد بن محمد بن زید همان است کہ در ایام ابوالسرایا در سنہ ۱۹۹ بعد از وفات محمد بن ابراهیم طباطبا مردم باوی بیعت کردند و آخر الامر اورا گرفتہ بنزد مامون در مرو فرستادند و در آنوقت بیست سال داشت مامون تعجب کرد از صغر سن او، باوی گفت کیف رایت صنع الله باین عمک محمد گفت رایت امین الله فی العفو و الحلم و کان یسیرا عند اعظم الجرم.


محمد بن زید کے بیٹے
محمد المویدہ
(نسل کثیر ہے)
محمد اصغر
حسن
قاسم
جعفر
(نسل کثیر ہے)
علی
حسین
زید
موسیٰ
ابوالقاسم علی
ابو عبداللہ حسین
حمزہ
قاسم
(الخطیب وصاحب الصلاۃ)
احمد السکین
ابوالحسین محمد
(برزق)
ابو عبداللہ محمد
(مقیم بغداد)
ابوالقاسم علی
(نسل طبرستان میں)
ابوالحسن الحرانی
(نسل حران میں پھیلی)
ابوعلی محمد اصغر
(عالم وزاہد ومحدث، نسل قزوین میں)
حسن
(بغداد میں آباد ہوئے)
ابو عمارہ حمزہ
(رے میں آباد ہوئے)
ابوعلی حمزہ
(رئیس قزوین)
ابوجعفر احمد
ابو العلی حمزہ
ابوطالب عباس
ابوالحسن زید
ابوعلی محمد اکبر
(خطیب وشاعر، مقیم کوفہ)
ابوداؤد خطیب
(نسل قلیل تھی)
ابوالحسن علی
(زوجہ فاطمہ بنت حسین بن یحییٰ بن حسین بن زید شہید تھیں)
ابوحشیشہ جعفر
(شاعر جدنی حشیشی)
ابوالحسن زید
(زاہد وطاہر)

گبید چہل روز در مرو بود آنگاہ مامون اورا زھر خورانید و جگرش پارہ پارہ شدہ در طشت میریخت واو نظر میکرد بآنہا وخلالی در دست داشت وآنہارا میگردانید و مادرش فاطمہ دختر علی بن جعفر بن اسحٰق بن علی بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب بودہ است" (منتھی الامال ج:۲ص:۷۷)

ترجمہ: محمد بن محمد بن زید شہید وہی ہیں جنکی ایام ابو السرایا ۱۹۹ھ میں محمد بن ابراہیم طباطبا کی وفات کے بعد لوگوں نے بیعت کی تھی۔ اور بالآخر آپ کو گرفتار کر کے مامون عباسی کے سامنے پیش کیا گیا اُس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی آپ کی کمسنی پر مامون نے اظہار تعجب کیا۔ مامون نے آپ کو مرو بھیج دیا۔ بمشکل تمام مرو میں ابھی چالیس دن گذرے تھے کہ مامون نے آپ کو زہر دلوادیا جس سے آپ کا جگر پاش پاش ہوگیا۔ جسے تشت میں رکھ کر پیش کیا گیا۔ اور انکی والدہ فاطمہ بنت علی بن جعفر بن اسحٰق بن علی بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب تھیں۔

محمد بن زید شہیدؒ کے فرزندان میں سے دوسرے فرزند جعفر تھے جنکی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ آپ امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر عمل کرتے تھے۔ محمد بن زید شہیدؒ کے پسران میں سے صرف ابوعبداللہ جعفر کی نسل کثرت سے پھیلی۔ یہ ابوعبداللہ جعفر عالم، فقیہہ، ادیب اور شاعر تھے۔ آپ کے چار بیٹے موسیٰ، قاسم، احمد السکین اور ابوعلی محمد اکبر تھے۔ موسیٰ بن جعفر کے ایک فرزند ابوالقاسم علی تھے جن کے دو بیٹے ابوعبداللہ حسین اور حمزہ تھے۔ ابوعبداللہ جعفر کے دوسرے بیٹے قاسم جو خطیب اور صاحب الصلاۃ تھے ان کی نسل کثیر تھی۔ ابوعبداللہ جعفر کے تیسرے فرزند احمد السکین کے پانچ بیٹے ابوالحسین محمد بزرق، ابوعبداللہ محمد (انکی نسل بغداد میں پھیلی)، ابوالقاسم علی (ان کی نسل طبرستان میں پھیلی)، ابوالحسن علی

الحرانی (ان کی نسل حران میں پھیلی) اور ابو علی محمد اصغر جو عالم، زاہد و محدث تھے ان کے چار بیٹے ابو جعفر احمد (ان کی نسل قزوین میں پھیلی)، ابو یعلی حمزة، ابو طالب عباس اور ابوالحسن زید تھے۔ ابو عبداللہ جعفر کے چوتھے فرزند ابو علی محمد اکبر جو خطیب و شاعر تھے کوفہ میں آباد ہوئے اور وہیں آپ کی نسل پھیلی۔ آپ کے دو بیٹے ابو علی داؤد (انکی نسل قلیل تھی)، ابوالحسن علی یہ عالم و فاضل اور شاعر تھے انکی زوجہ فاطمہ بنت حسین بن یحییٰ بن حسین ذوالدمعہ تھیں جن کے بطن سے ابو حشیشہ جعفر اور ابوالحسن زید پیدا ہوئے۔ ابو حشیشہ شاعر تھے اور بنی حشیش کے جدِ اعلیٰ تھے جبکہ ابوالحسن زید عابد و زاہد اور شاعر تھے۔

مروانیوں کا زوال

زوال کے اسباب: بنی امیہ کی سفیانی و مروانی حکومتوں کے زوال کے اسباب بیان کرنے میں شاہی کے طرفدار مورخین نے نہایت چابکدستی کا مظاہرہ کیا ہے۔ان میں سے بعض تو پہلو بچا کر نکل گئے جبکہ بعض نے بنیادی سبب کی پردہ پوشی کرتے ہوئے ضمنی اسباب کو بیان کر کے حق حمایت ادا کیا ہے۔ اُنہوں نے ایک سبب عمال کا جبر و استبداد بیان کر کے حکمرانوں کا دفاع کرتے ہوئے عوام پر کئے جانے والے مظالم کی تمامتر ذمہ داری عمال کے سر تھوپ دی، درآنحالیکہ عمال وہی کرتے تھے جو حکمران چاہتے تھے۔دوسرا سبب حکومتی طاقت کا بے دریغ استعمال بتایا ہے،لیکن یہ بیان کرنے سے گریز کیا کہ حکومتی طاقت کا بے دریغ استعمال کن افراد پر اور کن وجوہ پر کیا گیا۔تیسرا سبب ولی عہدی کے نظام کو قرار دیا ہے، یہ ایک ضمنی سبب تو ہوسکتا ہے لیکن اصل سبب نہیں۔چوتھا سبب قبائلی عصبیت ہو بتایا ہے، یہ سبب خود بادشاہاں وقت کا پیدا کردہ تھا، وہ اپنے مفاد میں قبائلی تعصب کو ہوا دیتے تھے، یہ بھی ضمنی سبب ہے بنیادی نہیں۔

بنوامیہ کا زوال اور بنوعباس کا عروج مسلمانوں کی تاریخ کے عبرتناک واقعات ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ اس عروج و زوال کی داستان میں اہم ترین مقام بنوہاشم کو حاصل ہے۔کیونکہ بنی امیہ کے زوال کا بنیادی سبب وہ ظالمانہ برتاؤ تھا جو امویوں نے ہاشمیوں کے ساتھ روا رکھا۔اور بنوعباس کے عروج کا اصل سبب عباسیوں کا ہاشمیوں کا حامی و مددگار ظاہر کر کے عوام الناس کی

ہمدردیاں حاصل کیں اور اقتدار پر قبضہ کیا۔ اگر بنو عباس کی کارکردگیوں کو چند الفاظ میں بیان کرنا ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ قصر سلطنتِ بنی عباس کے ارکان واقعہ کربلا اور مکر و ظلم ابو مسلم پر کھڑے کیے گئے تھے اور اس عمارت کو بنی ہاشم کے خون سے تعمیر کیا گیا تھا۔

بنی امیہ کی سفیانی حکومت جسکے بانی جناب معاوہ بن ابوسفیان تھے، قوت و غلبہ، ظلم و جور اور لالچ و فریب کے ذریعہ حاصل کی جانے والی یہ سفیانی حکومت انتہائی کمزور بنیادوں پر قائم ہوئی تھی لہٰذا اسکا وجود بمشکل تیئس سال قائم رہ سکا۔ اور دنیا والے امیر معاویہ کی جس مدبرانہ کامیابی پر نازاں ہیں اس کامیابی سے جناب معاویہ کی ایک پشت بھی صحیح معنوں میں فیضیاب نہ ہوسکی۔ جب جنابِ معاویہ کا چھیتا بیٹا یزید مرا تو وصیت کے مطابق اُس کے بیٹے یزید بن معاویہ کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا گیا مگر اُس نے اپنے باپ اور دادا کے کارناموں سے نفرت کا اظہار و اعلان کرتے ہوئے تاجِ شاہی کو ٹھکرا دیا۔ اُس کا پہلا اور آخری خطبہ گزشتہ صفحات میں مرقوم ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور اہلِ بیت رسول کی اسیری، کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام اُن کی تشہیر ایسے دلخراش واقعات تھے جن کو دیکھ کر اور سن کر ملتِ مسلمہ تڑپ اُٹھی، تمام رعایہ، یزید کے درباری امراء، یزید کے خاندان والے حتیٰ کہ یزید کے بیوی اور بیٹے سب ہی اُس کو لعن طعن کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اچانک اُس کی موت واقع ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ یزید کی موت کسی مرض سے ہوئی لیکن وہ مرض کیا تھا کسی کو علم نہیں۔ بہر حال واقع کربلا کے سبب سفیانی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

اس کے بعد بنی امیہ کی مروانی حکومت قائم ہوئی جس کا بانی مروان بن حکم تھا جو بن امیہ کے مورث اعلیٰ عبد شمش کے دوسرے بیٹے عاص کی نسل

سے تھا۔اس کے باپ حکم جو طلقاء میں سے تھا اور حضرت عثمانؓ کا حقیقی چچا تھا اُس کی اسلام دشمنی کے سبب رسول اللہؐ نے جلا وطن کر دیا تھا، مروان بھی اپنے باپ کے ساتھ چلا گیا۔حضرت عثمانؓ نے ہر دور میں انہیں واپس لانے کوشش کی مگر ناکامی ہوئی بالآخر جب آپ حکمران ہوئے تو اُنہیں واپس بلا لیا۔ اسی مروان بن حکم کی نسل میں ہشام بن عبدالملک اور ولید بن یزید حکمران ہوئے تو ہشام نے حضرت زید شہیدؒ پر ظلم و ستم کئے آپ کی تذلیل وتوہین کی اور جب آپ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے میدانِ جہاد میں نکلے تو آپ کو شہید کر دیا گیا، آپ کا سر قلم کیا گیا، لاش کو سولی پر لٹکایا گیا پھر ایک مدت کے بعد لاش کو جلا کر دریائے فراط کے کنارے ہوا میں اڑا دیا گیا۔مروانیوں کی ان تمام کارگزاریوں کو دیکھ کر مسلم اُمہ میں ان مروانیوں کے خلاف نفرت کے جذبات کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ اسی دوران ولید بن یزید نے جناب یحییٰ بن زید شہیدؒ کو کہیں بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا اور آخر اُنہیں بھی شہید کر دیا گیا اور اُن کا بھی سر قلم کر کے لاش کو سولی پر لٹکایا گیا۔مختصر یہ کہ ان دونوں واقعات نے پوری مملکتِ اسلامیہ میں ہیجان برپا کر دیا۔اس طرح مروانیوں نے ان افعالِ قبیحہ کا ارتکاب کر کے اپنی قبریں آپ کھود لیں اب ضرورت صرف اس امر کی رہ گئی تھی کہ کوئی ہمت کر کے انھیں اُن کی بنائی ہوئی قبروں میں دھکیل دے اور اس کام کو عباسیوں کے ابو مسلم خراسانی نے انجام دیا۔

زید شہیدؒ کی شہادت کے اثرات: جب بنی امیہ کی ظلم و جور اور مکرو کذب سے بھری ہوئی حکومت کی بداعمالیوں سے جب حضرت زید شہیدؒ اور جناب یحییٰ بن زید شہید کو انتہائی بیدردی سے قتل کر دیا گیا تو بنی امیہ کا ایوانِ سلطنت لرزہ براندام ہو گیا اُن کے پیروں سے زمین نکلنے لگی اور اُن کا چراغ گل ہوتا نظر آنے لگا تو تمام بنی ہاشم جن میں بنی عباس بھی شامل اور پیش پیش

تھے، اُنہوں نے مدینہ میں ایک اجتماع کیا جس میں سب نے متفقہ طور پر جناب محمد نفس ذکیہ کو خلیفہ منتخب کر لیا، سب نے اُن کی بیعت کی۔ ان بیعت کرنے والوں میں ابو جعفر عبداللہ بھی شامل تھا جو بعد میں منصور کے لقب سے بنو عباس کا دوسرا حکمران ہوا۔ بنو عباس نے اپنے فریب کو اس حد تک نبھایا کہ آخر وقت تک جب خلیفہ کا اعلان کرنے کیلئے ابو سلمہ نے لوگوں کو مسجد میں بلایا تو سب یہی سمجھ رہے تھے کہ بنی فاطمہ میں سے کسی کی خلافت کا اعلان ہوگا۔ مگر عام توقع کے برخلاف ابو سلمہ نے ابوالعباس عبداللہ کے نام کا اعلان کر دیا اور اُس کی بیعت لی گئی اسطرح ابوالعباس سفاح بنو عباس کا پہلا حکمران بن گیا۔ اس طرح ایک بار پھر عمر بن عاص اور ابو موسیٰ اشعری نے جو کردار دومۃ الجندل میں ادا کیا تھا وہی کردار حسن بن قحطبہ اور ابو سلمہ نے اس موقع پر ادا کیا جسٹس امیر علی نے یہ پورا واقعہ تفصیل سے لکھا ہے جس کے آخر میں وہ لکھتے ہیں کہ:

Thus rose thie Abbassidis to power on the popuiarity of the children of Fatima, whom they repaid afterwards in such different coin. (History of the saracens P. 179)

ترجمہ: بنی عباس کی حکومت بنی فاطمہ کی ہر دلعزیزی کے اُپر قائم ہوئی جس کا بدلہ اُنہوں نے بنی فاطمہ کو ایک مختلف ہی سکہ میں ادا کیا۔

بنی امیہ کی تباہی و بربادی کی بابت داؤد برقی سے ایک روایت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ:

ایک شخص نے میری موجودگی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیہ مبارکہ کے بارے میں سوال کیا فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ. (سورۂ مائدہ آیت ۵۲) ترجمہ: تو پس عنقریب ہی خدا (مسلمانوں کی) فتح یا کوئی اور

بات اپنی طرف سے ظاہر کردے گا، تب یہ لوگ اس گمانِ بد پر جو یہ اپنے جی میں چھپاتے تھے، شرمائیں گے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جناب زید کی لاش کو جلانے کے بعد سات دن کے اندر بنی اُمیہ کی ہلاکت اور تباہی کی اطلاع دی گئی ہے۔ [1]

جس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سفیانی حکومت کے زوال اور خاتمہ کا بنیادی سبب بنی بالکل اسی طرح حضرت زید شہیدؒ اور آپکے فرزن جناب یحیٰؑ کی شہادت کے سبب مروانی حکومت کا زوال اور خاتمہ ہوا۔ اسکے بعد بنی امیہ کے ساتھ بنی عباس نے جو سلوک کیا وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔

[1] تفسیر العیاشی ج ۱ ص ۳۲۵، تفسیر صافی ج ۱ ص ۴۴۸،
اثبات الھداۃ از جرجانی ج ۵ ص ۴۲۶، البرہان ج ۱ ص ۴۷۸، بحارالانوار ج ۶ ص ۲۲۲

ضمیمہ

دورِ حاضر کے جید عالم دین حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ المنتظری دامت برکاتہٗ نے اپنی تالیف و تحقیق ''ولایۃ الفقیہ''مطبوعہ قم (ایران) صفحات ۲۰۸ تا ۲۲۱ میں حضرت زید شہیدؒ کی عظمت اور اُن کے جہاد بالسیف پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جو یقیناً قارئین کے لئے مفید اور واقعات مذکورہ پر حجت ہے مضمون کی اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر ہم نے آپ کے مضمون کا عربی متن من وعن درج کر رہے ہیں:

قداسة زيد وقيامه

ثم ان قيام زيد لم يكن قياماً إحساسياً عاطفياً أعمى بلااعداد للقوى والأسباب، فانه بعث الى الأمصار وجمع الجموع، والكوفة كانت مقراً لجند الإسلام من القبائل المختلفة وقدبايعه فيها خلق كثير، وقدقيل انه بايعه فيها أربعون ألفاً من أهل السيف.

وامّا اطلاعه على كونه المصلوب بالأخرة في كناسة الكوفة بإخبار الإمام الباقر والإمام الصادق«ع» فلم يكن يجوّز تخلّفه عن الدفاع عن الحق والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر بعدما تهيأت له الاسباب من الجنود والسلاح. كما أن إخبار النبي«ص» وأميرالمؤمنين«ع» بشهادة سيّد الشهداء«ع» في النهاية لم يمنعه من القيام بعدما دعاه جنود الإسلام من الكوفة بالكتب والرسائل وأخبره رائده مسلم بتهيؤ العِدّة والعُدّة. ولوكان لايجيب الداعين مع كثرتهم وتهيئهم لكان لهم حجة عليه«ع» بحسب الظاهر.

وبالجملة العلم بالشهادة بالأخرة بإخبار غيبي لايوجب عدم التكليف بعد تحقق شرائطه وأسبابه، فلعل جنوده تظفر والإسلام يغلب وان رزق بنفسه الشهادة، والمهم ظفر الإسلام والحق وتحقق الهدف لاظفر الشخص وغلبته، ولعل شهادته أيضاً تؤثر في تقوي الإسلام وبسطه، كما يشاهد نظير ذلك في كثير من الثورات.

وكيف كان فقيام زيدبن عليّ كان من سنخ نهضة الحسين«ع» غاية الأمر ان الحسين«ع» كان إماماً بالحقّ يدعو الى نفسه، وزيد لم يكن يدعو الى نفسه بل الى الرضا من آل محمد، وقد أراد بذلك الإمام الصادق«ع» لامحالة.

وفي خطبته المحكية عنه:

«ألستم تعلمون انّا ولد نبيّكم المظلومون المقهورون، فلاسهم وفينا ولا تراث اعطينا ومازالت بيوتنا تهدم وحرمنا تنتهك ...»[1]

فلم يكن يتكلم هو عن شخصه بل عن العترة«ع»

وعن الصادق«ع»: «إن عمّي كان رجلاً لدنيانا وآخرتنا، مضى والله عمّي شهيداً كشهداء استشهدوا مع رسول الله«ص» وعليّ والحسن والحسين.»[2]

وفي حديث قال الصادق«ع» لفضيل: «يافضيل، شهدت مع عمّي قتال أهل الشام؟ قلت: نعم. قال: فكم قتلت منهم؟ قلت: ستة. قال: فلعلك شاك في دمائهم؟ قال: فقلت: لوكنت شاكّاً ماقتلتهم. قال: فسمعته وهو يقول: أشركني الله في تلك الدماء، مضى والله زيد عمّي وأصحابه شهداء مثل مامضى عليه عليّ بن أبي طالب وأصحابه.»[3]

وفي حديث آخر عن الباقر«ع» عن آبائه قال: «قال رسول الله«ص» للحسين«ع»: ياحسين، يخرج من صلبك رجل يقال له زيد، يتخطى هو وأصحابه يوم القيامة رقاب الناس غرّاً محجلين يدخلون الجنة بلاحساب.»[4]

وفي خبر ابن سيّابة، قال: «دفع اليّ أبوعبدالله الصادق جعفربن محمد ألف دينار وأمرني أن أقسمها في عيال من أصيب مع زيدبن علي، فقسمتها فأصاب عبدالله بن زبير أخا فضيل الرسان أربعة دنانير.»[5]

---

۱ ـ بحار الأنوار ۲۰۶/۴۶، تاريخ علي بن الحسين«ع»، الباب ۱۱ (باب أحوال أولاد علي بن الحسين«ع» وأزواجه)، الحديث ۸۳.

۲ ـ عيون أخبار الرضا ۲۵۲/۱، الباب ۲۵ (باب ماجاء عن الرضا«ع» في زيد)، الحديث ٦.

۳ ـ بحار الأنوار ۱۷۱/۴۶، تاريخ علي بن الحسين«ع»، الباب ۱۱ (باب أحوال أولاد علي بن الحسين«ع» وأزواجه)، الحديث ۲۰.

الى غير ذلك من الأخبار الدالة على فضل زيد وتأييد قيامه.

هذا وقدعقد الصدوق في العيون باباً في شأن زيدبن علي، وذكر فيه أخباراً.

منها: ماروواه بسنده عن ابن أبي عبدون، عن أبيه، قال: «لما حمل زيدبن موسى بن جعفر«ع» الى المأمون ـ وقدكان خرج بالبصرة وأحرق دور ولد العباس ـ وهب المأمون جرمه لأخيه علي‌بن موسى الرضا«ع» وقال له: ياأباالحسن، لئن خرج أخوك وفعل مافعل لقدخرج قبله زيدبن علي فقتل، ولولامكانك منّي لقتلته، فليس ماأتاه بصغير. فقال الرضا«ع»: ياأميرالمؤمنين، لاتقس أخي زيداً الى زيدبن علي«ع» فانه كان من علماء آل محمد«ص» غضب لله ـ عزّ وجلّ ـ فجاهد أعداءه حتى قتل في سبيله. ولقدحدثني أبي موسى بن جعفر«ع» انه سمع أباه جعفربن محمد«ع» يقول: رحم الله عمّي زيداً انه دعا الى الرضا من آل محمد. ولوظفر لوفى بما دعا اليه. ولقد استشارني في خروجه فقلت له: ياعم، ان رضيت ان تكون المقتول المصلوب بالكناسة فشأنك. فلما ولّى قال جعفربن محمد«ع»: ويل لمن سمع واعيته فلم يجبه. فقال المأمون: ياأباالحسن، أليس قدجاء فيمن ادعى الإمامة بغير حقها ماجاء؟ فقال الرضا«ع»: إن زيدبن علي«ع» لم يدّع ماليس له بحق وإنه كان أتقى لله من ذاك. إنه قال: أدعوكم إلى الرضا من آل محمد. وإنما جاء ماجاء فيمن يدّعي أن الله نصّ عليه ثمّ يدعو إلى غير دين الله ويضل عن سبيله بغير علم. وكان زيد والله ممن خوطب بهذه الآية: وجاهدوا في الله حق جهاده، هو اجتباكم.»[1]

وقدذكر الرواية مقطعة في هذا الباب من الوسائل أيضاً[2].

وتدلّ هذه الرواية أيضاً على قداسة زيد وإمضاء خروجه، وأنه لم يدّع ماليس له، وأن قيامه كان جهاداً في سبيل الله وأن إجابته كانت واجبة لمن سمع واعيته، وأن الذي لايجوز إجابته هو من ادّعى النص على نفسه كذباً فضلّ وأضلّ كالمدعين للمهدوية، وأن الاطّلاع على الشهادة إجمالاً بطريق غيبي لايصير مانعاً عن العمل بالوظيفة.

وقال الصدوق في العيون بعد نقل هذه الرواية:

---

۱ ـ عيون أخبار الرضا ۲٤۸/۱، الباب ۲۵ (باب ماجاء عن الرضا«ع» في زيد)، الحديث ۱.

۲ ـ الوسائل ۳۸/۱۱، الباب ۱۳ من أبواب جهاد العدو، الحديث ۱۱.

«لزيدبن علي فضائل كثيرة عن غير الرضا«ع» أحببت إيراد بعضها على إثر هذا الحديث ليعلم من ينظر في كتابنا هذا اعتقاد الامامية فيه.»

ثم ذكر أخباراً كثيرة. فيظهر من الصدوق أنّ قداسة زيد كانت من معتقدات الإمامية.

وفي إرشاد المفيد:

«كان زيدبن علي بن الحسين عين إخوته بعد أبي جعفر«ع» وأفضلهم، وكان ورعاً عابداً فقيهاً سخياً شجاعاً، وظهر بالسيف يأمر بالمعروف وينهى عن المنكر ويطلب ثارات الحسين«ع».»[1]

وفي تنقيح المقال عن التكملة:

«اتفق علماء الاسلام على جلالته وثقته وورعه وعلمه وفضله.»[2]

وعلى هذا فلوفرض القول بان قيام الإمام الشهيد كان من خصائصه ولم يجز جعله أسوة في الخروج على أئمة الجور فقيام زيد لايختص به قطعاً، لعدم خصوصية فيه وعدم كونه إماماً معصوماً. هذا.

ولكن الفرض باطل قطعاً، فإن الإمام أسوة كجده رسول الله«ص». وقدقال«ع» في خطابه لأصحاب الحر: «فلكم فيّ أسوة.»[3]

والامام المجتبى أيضاً قام وجاهد الى أن خان أكثر جنده وغدروا ولم يتمكن من مواصلة الجهاد.

وسائر الأئمة«ع» أيضاً لم تتحقق لهم شرائط القيام. وستأتي رواية سدير وان الإمام الصادق«ع» قال له: «لوكان لي شيعة بعدد هذه الجداء ماوسعني القعود.»[4]

فهم -عليهم السلام- نور واحد وطريقهم واحد وانما تختلف الأوضاع

---

۱ - الإرشاد/۲۵۷(=طبعة أخرى/۲۶۸).

۲ - تنقيح المقال ۱/۴۶۷.

۳ - تاريخ الطبري ۷/۳۰۰.

۴ - الكافي ۲/۲۴۲، كتاب الإيمان والكفر، باب في قلة عدد المؤمنين، الحديث ۴.

والظروف، فلاحظ.

بل قدمرّ أن القيام للدفاع عن الإسلام وعن حقوق المسلمين في قبال هجوم الأعداء وتسلطهم على بلاد الإسلام وشؤون المسلمين مما يحكم به ضرورة العقل والشرع، ولايشترط فيه إذن الإمام.

وقوله -تعالى-: «ومالكم لاتقاتلون في سبيل الله والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان»[1]

وقوله: «ولولادفع الله الناس بعضهم ببعض لهدّمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيراً ولينصرن الله من ينصره»[2] من محكمات القرآن الكريم.

نعم، يجب إعداد القوى والأسباب للقيام، كما مرّ.

فانظر كيف غفل المسلمون ورؤساؤهم وأغفلوا، وهجمت إسرائيل على القدس الشريف وعلى أراضي المسلمين ونفوسهم ومعابدهم ومعاهدهم ونواميسهم وأموالهم، وهجم كفار الغرب والشرق وعملاؤهم على كيان الإسلام وشؤون المسلمين، وكل يوم تسمع أخبار المجازر والغارات والاعتقالات، ورجال الملك ووعاظ السلاطين وعلماء السوء ساكتون في قبال هذه المجازر والمظالم وتراهم يصرفون أوقاتهم وطاقاتهم في التعيش والترف وفي إثارة الفتن والاختلافات الداخلية وهضم بعضهم لبعض. اللّهم فخلّص المسلمين من شرّ حكام الجور وعلماء السوء، وأيقظهم من سباتهم وهجعتهم، ولاحول ولاقوة إلّا بالله. هذا.

وبالجملة فان قيام زيد كان ثورة حقة أمضاها الأئمة -عليهم السلام- وإن لم يظفر في نهاية الأمر كما لم يظفر سيد الشهداء«ع» بعد تحوّل أوضاع الكوفة بمجيء

---

١ - سورة النساء (٤)، الآية ٧٥.

٢ - سورة الحج(٢٢)، الآية ٤٠.

عبیدالله بن زیاد الیها.

فان قلت: روي عن زرارة، قال:

«قال لي زيدبن علي وأنا عند أبي عبدالله«ع» يافتى، ماتقول في رجل من آل محمد«ص» استنصرك؟ قال: قلت: ان كان مفروض الطاعة نصرته وان كان غير مفروض الطاعة فلي ان افعل ولي ان لاافعل. فلما خرج قال ابوعبدالله«ع»:

أخذته والله من بين يديه ومن خلفه وماتركت له مخرجاً.»[1]

ونحو ذلك عن مؤمن الطاق ايضاً في حديث مفصل[2].

قلت: ليس كلام أبي عبدالله«ع» نصاً في تخطئة قيام زيد، بل هو تحسين لزرارة ومؤمن الطاق في جوابهما. وواضح ان زيداً لم يكن اماماً مفترض الطاعة. هذا مضافاً الى ان قوله: «فلي ان افعل ولي ان لاافعل» يدل على جواز قيامه مع غير مفترض الطاعة أيضاً في الجملة. والظاهر ان الامام«ع» قد أمضاه في ذلك. ثم لايخفى ان كونهما من خواص الامام الصادق«ع» ومرابطيه، بحيث يعرفهما كل واحد بذلك، كان مقتضياً لعدم إجابتها له، لما عرفت من أن المصلحة اقتضت عدم ظهور موافقة الإمام الصادق«ع» على قيام زيد وأمثاله ليبقى وجوده الشريف ركناً للحق ومجدداً للشريعة بعدما تطرقت اليها أيدي الكذبة والمحرفين، وحفظه«ع» في تلك الموقعية كان من أهم الفرائض.

نعم، هنا روايات دالّة على ذمّ زيد وتخطئته في قيامه، ولكن أسانيدها ضعيفة

---

١ ـ الاحتجاج /٢٠٤، (=طبعة أخرى ١٣٧/٢).

٢ ـ الاحتجاج/٢٠٤، (=طبعة اخرى ١٤١/٢-١٤٢). الكافي ١٧٤/١، كتاب الحجة، باب الاضطرار إلى الحجة، الحديث ٥.

جداً فلا تقاوم صحيحة العيص والأخبار الكثيرة الواردة في مدحه وتأييد ثورته المتلقاة بالقبول من قبل أصحابنا -رضوان الله عليهم-. هذا.

ولنذكر واحدة من تلك الروايات نموذجاً، ولعلها أوضحها:

في الكافي: «محمدبن يحيى، عن احمدبن محمد، عن الحسين‌بن سعيد، عن الحسين‌بن الجارود، عن موسى بن بكربن داب، عمّن حدّثه، عن أبي جعفر«ع» ان زيدبن علي‌بن الحسين«ع» دخل على أبي جعفر محمدبن علي ومعه كتب من أهل الكوفة، يدعونه فيها الى أنفسهم ويخبرونه باجتماعهم ويأمرونه بالخروج.

فقال له أبوجعفر«ع»: هذه الكتب ابتداء منهم أو جواب ما كتبت به اليهم ودعوتهم اليه؟

فقال: بل ابتداء من القوم لمعرفتهم بحقّنا وبقرابتنا من رسول الله«ص» ولما يجدون في كتاب الله -عزّ وجلّ- من وجوب مودّتنا وفرض طاعتنا ولما نحن فيه من الضيق والضنك والبلاء.

فقال له ابوجعفر«ع»: ان الطاعة مفروضة من الله -عزّ وجلّ- وسنّة أمضاها في الأولين، وكذلك يجريها في الآخرين، والطاعة لواحد منا والمودّة للجميع، وأمر الله يجري لأوليائه بحكم موصول وقضاء مفصول وحتم مقضي وقدر مقدور وأجل مسمّى لوقت معلوم، فلايستخفنك الذين لايوقنون، انهم لن‌يغنوا عنك من الله شيئاً، فلاتعجل فان الله لايعجل لعجلة العباد، ولا تسبقن الله فتعجزك البلية فتصرعك.

قال: فغضب زيد عند ذلك ثم قال: ليس الإمام منّا من جلس في بيته وأرخى ستره وثبّط عن الجهاد ولكن الإمام منّا من منع حوزته وجاهد في سبيل الله حق جهاده ودفع عن رعيّته وذبّ عن حريمه.

قال أبوجعفر«ع»: هل تعرف ياأخي من نفسك شيئاً مما نسبتها اليه فتجيء عليه بشاهد من كتاب الله أو حجة من رسول الله«ص» أو تضرب به مثلاً، فان الله -عزّ وجلّ- أحل حلالاً وحرّم حراماً وفرض فرائض وضرب أمثالاً وسنّ سنناً ولم‌يجعل الإمام القائم بأمره في شبهة فيما فرض له من الطاعة أن يسبقه بأمر قبل محله أو يجاهد فيه قبل حلوله، وقدقال الله -عزّ وجلّ- في الصيد:

« لا تقتلوا الصيد وانتم حرم»[1] أفقتل الصيد أعظم أم قتل النفس التي حرّم الله؟ وجعل لكل شيء محلاً وقال الله ـ عزَّ وجلّ ـ: «واذا حللتم فاصطادوا»[2]، وقال ـ عزَّ وجلّ ـ: «لاتحلوا شعائر الله ولاالشهر الحرام.»[3] فجعل الشهور عدة معلومة، فجعل منها أربعة حرماً، وقال: «فسيحوا في الأرض أربعة أشهر واعلموا أنكم غير معجزي الله»[4] ثم قال ـ تبارك وتعالى ـ: «فاذا انسلخ الأشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم»[5] فجعل لذلك محلاً، وقال: «ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله»[6] فجعل لكل شيء أجلاً ولكل أجل كتاباً.

فان كنت على بينة من ربك ويقين من أمرك وتبيان من شأنك فشأنك، والاّ فلا ترومنّ أمراً أنت منه في شك وشبهة ولا تتعاط زوال ملك لم ينقض أكله ولم ينقطع مداه ولم يبلغ الكتاب أجله، فلوقد بلغ مداه وانقطع أكله وبلغ الكتاب أجله لانقطع الفصل وتتابع النظام ولأعقب الله في التابع والمتبوع الذلّ والصغار. أعوذ بالله من إمام ضلّ عن وقته، فكان التابع فيه أعلم من المتبوع.

أتريد ياأخي أن تحيي ملة قوم قد كفروا بآيات الله وعصوا رسوله واتبعوا أهواءهم بغير هدى من الله وادعوا الخلافة بلابرهان من الله ولاعهد من رسوله؟! أعيذك بالله ياأخي ان تكون غداً المصلوب بالكناسة.

ثم ارفضّت عيناه وسالت دموعه ثم قال: الله بيننا وبين من هتك سترنا وجحدنا حقنا وأفشى سرّنا ونسبنا الى غير جدنا وقال فينا مالم نقله في أنفسنا.»[7]

أقول: قد نقلنا الرواية بطولها لكنك ترى انها مرسلة، مضافاً الى ان الحسين بن الجارود وموسى بن بكر بن داب كليهما مجهولان لم يذكرا في كتب الرجال بمدح ولاقدح.

---

١ ـ سورة المائدة (٥)، الآية ٩٥.

٢ ـ سورة المائدة (٥)، الآية ٢.

٣ ـ سورة المائدة(٥)، الآية ٢.

٤ ـ سورة التوبة (٩)، الآية ٢.

٥ ـ سورة التوبة (٩)، الآية ٥.

٦ ـ سورة البقرة (٢)، الآية ٢٣٥.

٧ ـ الكافي ١/٣٥٦، كتاب الحجة، باب مايفصل به بين دعوى المحق والمبطل...، الحديث ١٦.

وقوله: «لواحد منّا» يعني من جاء بامامته النص. وقوله: «لانقطع الفصل» أي بين دولتي الحق. وقوله: «في التابع والمتبوع» أي من أهل الباطل. وقوله: «ارفضّت عيناه» على وزن احمرّت، أي رشّت.

وقوله: «الله بيننا وبين من هتك سترنا» قال في الوافي:

«ليس هذا تعريضاً لزيد حاشاه، بل لمن عاداه وعاداه وسيأتي أخبار في علوّ شأن زيد، وأنه وأصحابه يدخلون الجنة بغير حساب، وانه كان إنّما يطلب الأمر لرضا آل محمد وماطلبه لنفسه، وانه كان يعرف حجة زمانه وكان مصدقاً به -صلوات الله عليه- فليس لأحد أن يسيء الظن فيه -رضوان الله عليه-.» [1]

وقال المجلسي في مرآة العقول في ذيل الرواية ماحاصله:

«إن الأخبار اختلفت في حال زيد، فمنها مايدلّ على ذمه، وأكثرها يدل على كونه مشكوراً وانه لم يدّع الإمامة وانه كان قائلاً بامامة الباقر والصادق«ع» وانما خرج لطلب ثار الحسين«ع» وللأمر بالمعروف والنهي عن المنكر وكان يدعو الى الرضا من آل محمد«ص» واليه ذهب أكثر أصحابنا، بل لم أر في كلامهم غيره. وقيل انّه كان مأذوناً من قبل الإمام«ع» سرّاً.»[2]

ونحن نقول اجمالاً ان قولنا بقداسة زيد وحسن نيّته في قيامه ليس قولاً بعصمته وعدم صدور أشتباه منه طيلة عمره وعدم أحتياجه الى هداية الإمام ونصيحته له اصلاً. ولعله في بادي الأمر اشتبه عليه الأمر وصار أسيراً للأحاسيس الآنية فنبّهه الإمام الباقر«ع» وحذّره من الاستعجال والاغترار والاعتماد على بعض من لايعتمد عليه. ووفاة الإمام الباقر«ع» على مافي أصول الكافي[3] كانت في سنة ١١٤ من الهجرة، وقيام زيد المؤيد عند الأئمة«ع» على ماذكره أرباب السيَر كان في عصر الإمام الصادق«ع» في سنة ١٢١، فلعل الظروف والأجواء اختلفت في

١ - الوافي ١/«م٢»/٣٥.

٢ - مرآة العقول ٤/١١٨(ط. القديم١/٢٦١).

٣ - الكافي ١/٤٦٩، كتاب الحجة، باب مولد أبي جعفر محمدبن علي«ع».

هذه المدة، وهو على ما في بعض الأخبار كان مقرّاً بإمامة الإمام الصادق«ع» وانه حجة زمانه، وقدمرّ منها خبر عمروبن خالد المروي في الأمالي.

وعدم عجلة الله ـتعالىـ لعجلة العباد أمر صحيح لامرية فيه، ولكنه لايوجب رفع التكليف بالدفاع والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر. وهل يمكن الالتزام بانحصار الجهاد والأمر بالمعروف في من علم بالغيب انه يظفر على خصمه مأة بالمأة فيجوز لغيره السكوت والسكون في قبال الجنايات وهتك المقدّسات؟!

ثم هل لايكون مفاد هذا الكلام تخطئة لأميرالمؤمنين«ع» في جهاده مع معاوية، وللسبط الشهيد في ثورته على يزيد؟! وهل لم يقع في صفين وكربلاء إراقة للدماء وقتل للنفوس؟!

وانت ترى ان الثورات التي وقعت في العالم ضدّ الملوك المقتدرين والجبابرة الظالمين قدنجح كثير منها، ومنها ثورتنا في ايران، مع انه لم يحصل اليقين بالظفر قبلها.

فهل تكون جميع هذه الثورات الناجحة في قبال الكفار والظلمة مرفوضة ومحكوم عليها بالخطأ والضلال؟

وهل يكون للكفار والصهاينة التغلّب على المسلمين والإغارة عليهم وسفك دمائهم وتخريب بلادهم، وليس للمسلمين الاّ السكوت والتسليم في قبال جميع ذلك؟! لاأدري أيّ فكرة هذه الفكرة؟! وسيجيء في جواب بعض الأخبار الآتية ماينفعك في المقام، فانتظر.

وكيف كان فصحيحة العيص في الباب تدل على قداسة زيد وتأييد ثورته ويؤيدها أخبار كثيرة، فلايعارضها بعض الأخبار الضعاف التي يخالف مضمونها لحكم العقل ومحكمات الكتاب والسنة، فيجب أن يردّ علمها الى أهله.

هذا كلّه فيما يرتبط بزيد في ثورته. وتشبه قصته قصة الحسين بن علي شهيد فخ في ثورته، وقداستفاضت الأخبار في مدحه وتأييده، والظاهر كما قيل عدم ورود خبر

في قدحه، فراجع مظانه. ويأتي ذكر منه في الفصل السادس من الباب الخامس في مسألة الكفاح المسلّح ضدّ حكام الجور.

فلنرجع الى شرح بقيّة صحيحة العيص، أعني الرواية الأولى من أخبار الباب، فنقول:

يظهر من الصحيحة إجمالاً أنه كانت توجد في عصر الإمام الصادق«ع» بعض الثورات من قبل السادة من أهل البيت غير مؤيدة من قبله«ع» مع اشتمالها على الدعوة الباطلة والعصيان للإمام الحقّ. ولايهمّنا تشخيصها ومعرفتها بأعيانها وان كان من المحتمل إرادة قيام محمدبن عبدالله المحض باسم المهدوية. اذ المستفاد من الأخبار والتواريخ أنه قام باسم المهدوية وأن أباه وأخاه وأصحابه كانوا يعرّفونه بذلك.

في الإرشاد عن كتاب مقاتل الطالبيين لأبي الفرج الاصفهاني ماحاصله:

«ان كثيراً من الهاشميين وفيهم عبدالله وابناه: محمد وابراهيم، ومنصور الدوانيق اجتمعوا في الأبواء فقال عبدالله: قدعلمتم ان ابني هذا هو المهدي فهلم فلنبايعه فبايعوه جميعاً على ذلك فجاء عيسى بن عبدالله فقال: لأيّ شيء اجتمعتم؟ فقال عبدالله: اجتمعنا لنبايع المهدي محمدبن عبدالله وجاء جعفربن محمد«ع» فأوسع له عبدالله الى جنبه فتكلم بمثل كلامه فقال جعفر«ع»: لاتفعلوا فان هذا الأمر لم يأت بعد. ان كنت ترى ان ابنك هذا هو المهدي فليس به ولاهذا أوانه. وان كنت انما تريد أن تخرجه غضباً لله وليأمر بالمعروف وينهى عن المنكر فانا والله لاندعك وأنت شيخنا ونبايع ابنك في هذا الأمر. فغضب عبدالله وقال: لقدعلمت خلاف ماتقول والله ماأطلعك الله على غيبه ولكنه يحملك على هذا الحسد لابني...»[1]

ورواه في البحار أيضاً عن إعلام الورى والارشاد.[2]

١ ـ الإرشاد/٢٥٩(=طبعة أخرى/٢٧٦)، باب ذكر طرف من أخبار أبي عبدالله جعفربن محمد الصادق«ع».

٢ ـ بحار الأنوار ٢٧٧/٤٧، تاريخ الإمام الصادق«ع»، الباب ٣١ (باب أحوال أقربائه و...)، الحديث ١٨.

ويظهر من نفس هذا الخبر أيضاً أن القيام غضباً لله وللأمر بالمعروف والنهي عن المنكر مما لابأس به.

وفي البحار عن إعلام الورى أيضاً:

«ان محمد بن عبدالله بن الحسن قال لأبي عبدالله«ع»: والله انّي لأعلم منك وأسخى منك وأشجع منك.»[1]

وفي صحيحة عبدالكريم بن عتبة الهاشمي

أن جماعة من المعتزلة، فيهم عمرو بن عبيد وواصل بن عطا وحفص بن سالم وناس من رؤسائهم، دخلوا على أبي عبدالله«ع» وذكروا انهم أرادوا أن يبايعوا لمحمد بن عبدالله بالخلافة وعرضوا عليه أن يدخل معهم في ذلك، فذكر عليه السلام كلاماً طويلاً وفي آخره روى عن أبيه أن رسول الله«ص» قال: «من ضرب الناس بسيفه ودعاهم الى نفسه وفي المسلمين من هو أعلم منه فهو ضالّ متكلف.»[2]

فيظهر من ذلك ان محمد بن عبدالله كان يدعو الى نفسه مع وجود من هو أعلم منه.

وبالجملة حيث انه روي من طرق الفريقين عن النبي«ص»: ان المهدي يظهر و«يملأ الأرض قسطاً وعدلاً كما ملئت ظلماً وجوراً»[3]، فقد صار هذا سبباً لاشتباه الأمر على كثيرين وادعاء كثير من الهاشميين المهدوية. ولعل الخبر المرويّ عن النبي«ص» أن المهدي «أسمه اسمي واسم أبيه اسم أبي»[4] كان من مجعولات بعض أتباع محمد بن عبدالله بن الحسن. هذا.

ولكن ابن طاووس في الإقبال على مافي البحار التزم جانب الدفاع عن

١ ـ بحار الأنوار ٢٧٥/٤٧، تاريخ الإمام الصادق«ع»، الباب ٣١ (باب أحوال أقربائه و...)، الحديث ١٥.

٢ ـ الوسائل ٢٩/١١، الباب ٩ من أبواب جهاد العدو، الحديث ٢.

٣ ـ راجع بحار الأنوار ج ٥١، تاريخ الإمام الثاني عشر، باب ماورد من الإخبار بالقائم«ع» و...، والتاج الجامع للأصول ٣٤١/٥-٣٤٤، الباب ٧ من كتاب الفتن.

٤ ـ التاج الجامع للأصول ٣٤٣/٥.

عبدالله وابنيه[1]. والمسألة محتاجة الى تتبع وبحث وسيع، فراجع البحار وغيره.

ويظهر من الأخبار أن الأئمة ـعليهم السلام ـ مع عدم إمضائهم لبعض ثورات السادات كانوا يتأثرون جداً لماكان يقع علی الثوّار من السجن والقتل والغارات، وكانوا يبكون عليهم بماأنهم أهل بيت النبي وسلبوا بعض حقوقهم ولم تلحظ الأمة شرفهم وكرامتهم.

والحاصل ان المستفاد من صحيحة عيص ان الثورات الواقعة على قسمين. فالدعوة الى النفس كانت باطلة، والدعوة لنقض السلطة الجائرة وارجاع الحق الى أهله كانت حقّة. والواجب على المدعوّين تحكيم العقل والدقة واتباع الحق.

وأما آخر الصحيحة فالظاهر كونه إخباراً غيبياً بزمان ظهور القائم«ع» وقيامه وانه في رجب أو شعبان أو بعد رمضان. فان كان ظهوره في رجب أو شعبان فالإقبال بعد رمضان للّحوق به بعد قيامه، وان كان ظهوره بعد رمضان فالإقبال قبله للتهيؤ.

ويحتمل ـ كما في مرآة العقول[2] ـان يريد الامام الصادق«ع» الإقبال الى نفسه قبل أيام الحج مقدمة للاستفادة من علومه وفضائله، فان من حِكَم الحج لقاء الإمام والاستضاءة بأنواره، كما في بعض الروايات. هذا.

وقدروى الصدوق بعض صحيحة عيص في العلل بنحو النقل بالمعنى[3] وستأتي الإشارة اليه.

هذا كله فيما يرتبط بصحيحة عيص بن القاسم الرواية الأولى من أخبار الباب وقدطال الكلام فيها، وانما تابعنا الكلام فيها، لان مسألة قيام زيد لها ارتباط مباشر بمسألتنا المبحوث عنها، أعني جواز القيام للدفاع عن الحق في قبال سلاطين الجور أو وجوب السكوت والسكون. وقدظهر لك ان الصحيحة ليست من أدلة وجوب السكون، بل من ادلة عدم جواز الخروج تحت راية من كانت دعوته باطلة، فلاحظ.

---

١ ـ بحار الأنوار ٤٧/ ٣٠١، تاريخ الإمام الصادق«ع»، الباب ٣١.

٢ ـ مرآة العقول ٤/ ٣٦٥ (من ط القديم).

٣ ـ الوسائل ١١/ ٣٨، الباب ١٣ من أبواب جهاد العدو، الحديث ١٠، عن العلل/ ١٩٢ (= طبعة أخرى/ ٥٧٧) الجزء ٢، الباب ٣٨٥ (باب نوادر العلل)، الحديث ٢.

مندرجہ بالا مضمون کا اردو ترجمہ جو جناب مولانا سید صفدر حسین صاحب نجفی اعلیٰ مقامہ کی کاوش کا نتیجہ ہے، اور جو کتاب ''ولایت الفقیہ'' مطبوعہ لاہور میں شائع ہوا، ذیل میں مرقوم ہے:

زید کی عظمت اور ان کا قیام: زید کا قیام کوئی جذباتی و طبعی میلان اور بے سوچا سمجھا اور قوی واسباب کی تیاری کے بغیر نہیں تھا۔ کیونکہ انہوں نے مختلف شہروں میں اپنے نمائندے بھیجے اور مختلف جماعتوں کو اکٹھا کیا اور کوفہ جو مختلف قبائل کے اسلامی لشکر کا مرکز تھا، اس میں بہت سے لوگوں نے ان کی بیعت کی تھی جن کی تعداد چالیس ہزار مجاہدین تک بیان کی جاتی ہے۔

باقی رہا حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کی خبر سے ان کا مطلع ہونا کہ آخر کار وہ کناسہ کوفہ میں سولی پر لٹکائے جائیں گے۔ تو یہ امر اس بات کا مجوز نہیں تھا کہ وہ حق کے دفاع اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے پیچھے ہٹیں، جبکہ ان کے لئے مسلح لشکروں کی صورت میں اسباب مہیا تھے۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے رسول اکرمؐ اور امیر المومنینؑ نے سید الشہداءؑ کی شہادت کی خبر دی تھی اور یہ خبر آپ کے قیام میں مانع نہیں ہوئی۔ چنانچہ کوفہ کے مسلمان لشکروں نے آپ کو خطوط اور پیغامات کے ذریعہ دعوت دی اور آپ کے بھیجے ہوئے وکیل حضرت مسلم نے انہیں افرادی قوت اور مال واسباب کے مہیا ہونے ک خبر دی تھی پس اگر آپ بلانے والوں کی کثرت اور تیاری کے باوجود ان کی دعوت قبول نہ کرتے تو ان کی حجت آپ کے خلاف ظاہری طور پر قائم ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ آخر کار شہید ہو جانے کے غیبی علم کی بناء پر ذمہ داری کے شرائط و اسباب کے تحقق کے بعد عدم تکلیف اور عدم ذمہ کا سبب نہیں بنتا۔ کیونکہ یہ امکان تھا کہ اگر خود انہیں شہادت نصیب ہو جاتی مگر شاید آپ کے لشکر کامیاب ہو جاتے اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوتا۔ ہاں اہم چیز تو اسلام اور حق کی کامیابی اور ہدف ومقصد کا تحقق ہے کسی شخص کی کامیابی اور اس کا غلبہ نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شاید ان کی شہادت ہی اسلام کی تقویت اور اس کے پھیلاؤ کا باعث بنے۔ جیسا کہ بہت سے انقلابات میں اس کی نظیر مشاہدہ میں آتی ہے۔

بہر حال زید بن علیؑ کا قیام حضرت امام حسینؑ کے قیام کی سطح اور طرز کا تھا، فرق صرف یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ امام برحق تھے لہٰذا وہ اپنی ذات کی طرف دعوت دیتے تھے۔ لیکن زید بن علیؑ اپنی بجائے آل محمدؐ کی رضا کی طرف دعوت دیتے تھے اور لازماً ان کی مراد حضرت امام صادقؑ تھے اور اس سلسلہ میں زید بن علیؑ کے خطبے میں بیان ہوا ہے۔ ”کیا تم نہیں جانتے کہ ہم تمہارے نبیؐ کی مظلوم و مقہور اولاد ہیں۔ ہمیں نہ تو ہمارا پورا حصہ دیا جاتا ہے اور نہ ہماری میراث ہمیں دی گئی ہے۔ ہاں ہمارے گھروں کو ہمیشہ منہدم کیا گیا اور ہمارے اہل حرم کی ہتک حرمت کی گئی“

حضرت امام صادقؑ سے مروی ہے ”بے شک میرے چچا (زید بن علیؑ) ہماری دنیا و آخرت کے لئے مفید تھے۔ خدا کی قسم! میرے چچا اس دنیا سے شہید گئے ہیں ان شہدا کی طرح جو رسول اللہؐ، امام علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ کے ساتھ تھے“

فضیل ایک روایت میں کہتا ہے کہ حضرت امام صادقؑ نے مجھ سے فرمایا۔ ”اے فضیل! تم میرے چچا کی اہل شام سے جنگ میں موجود تھے؟ میں نے عرض کی جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: تو نے ان میں سے کتنے افراد قتل کیے؟ میں نے کہا چھ۔ تو آپ نے فرمایا۔ کیا تجھے ان کے خون کے بارے میں شک ہے؟ فضیل کہتا ہے میں نے عرض کیا اگر مجھے شک ہوتا تو میں انہیں قتل کیوں کرتا؟ پھر میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ ”خدا مجھے ان کے خون میں شریک قرار دے، خدا کی قسم! میرے چچا زید اور ان کے ساتھی اس دنیا سے (شہید) گئے ہیں جس طرح کہ حضرت علیؑ اور ان کے ساتھ گئے ہیں“۔

ایک اور حدیث میں حضرت امام محمد باقرؑ نے ان کے آباؤ کرام سے بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ”رسول اللہؐ نے حسینؑ سے فرمایا: اے حسینؑ تیری صلب سے ایک مرد ہوگا جسے زید کہا جائیگا، وہ اور اس کے ساتھی قیامت کے دن لوگوں کی گردنوں پر قدم رکھتے ہوئے آگے آئیں گے ان کے چہروں اور پیشانیوں سے روشنی پھوٹ رہی ہوگی اور وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے“۔

ابن سیابہ کی خبر میں ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے حضرت امام صادقؑ نے ایک ہزار دینار دئے اور حکم دیا کہ میں انہیں ان لوگوں کے اہل و عیال میں تقسیم کردوں جو زید بن

علیؑ کے ساتھ شہید ہوئے تھے۔ پس عبداللہ بن زبیر کو چار دینار ملے جو فضیل رسان کا بھائی تھا۔

یہ اور ان کے علاوہ اور اخبار بھی ہیں جو زید کے فضل و شرف کی تائید پر دلالت کرتی ہیں، انہیں یاد رکھیں۔

صدوق نے عیون میں زید بن علیؑ کی شان میں ایک پورا باب منعقد کیا ہے اور اس میں کئی خبریں ذکر کیں ہیں۔ ان میں ایک ابن عبدون نے اپنے باپ سے روایت کی ہے، وہ کہتا ہے جب زید بن موسیٰؑ بن جعفرؑ کو گرفتار کر کے مامون کے پاس لے گئے کہ جس نے بصرہ میں خروج کیا تھا اور بنی عباس کے گھر جلائے تھے۔ تب مامون نے اس کو اس کے بھائی حضرت امام علی بن موسیٰ رضاؑ کے صدقے میں بخش دیا اور کہا: اے ابوالحسن! آپ کے بھائی نے خروج کیا ہے اس سے پہلے زید بن علیؑ بھی خروج کر چکا ہے اور وہ قتل ہو گیا تھا۔ پس اگر میرے ہاں آپ کی قدر و منزلت اور لحاظ نہ ہوتا تو میں اسے بھی قتل کر دیتا۔ کیونکہ جو کچھ اس نے کیا ہے وہ کوئی معمولی کام نہیں ہے حضرت امام رضاؑ نے فرمایا "اے امیر ــــــ میرے بھائی زید کا زید بن علیؑ سے قیاس نہ کرو، کیونکہ وہ تو آلِ محمدؐ کے علماء میں سے تھے اور وہ اللہ عزوجل کے لئے غضبناک ہوئے۔ پس اس کے لئے دشمنوں کے ساتھ جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں قتل و شہید ہوئے۔ چنانچہ مجھ سے میرے والد گرامی حضرت موسیٰ بن جعفرؑ نے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے اپنے باپ حضرت موسیٰؑ بن جعفرؑ بن محمد کو کہتے سنا، خدا رحم کرے، میرے چچا زید پر کہ انہوں نے آلِ محمدؐ کے رضا و پسندیدہ کی طرف دعوت دی اور اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو جس چیز کی طرف دعوت دی تھی اس کی وفا کرتے۔ انہوں نے مجھ سے خروج کرنے میں مشورہ لیا تھا تو میں نے کہا "اے چچا! اگر آپ راضی ہیں کہ مقتول و شہید اور کناسہ میں سولی پر لٹکائے جائیں تو پھر آپ کی مرضی!" پس جب وہ واپس گئے تو حضرت جعفرؑ بن محمدؐ نے فرمایا "ویل و ہلاکت ہے اس کے لئے جو ان کی پکار سنے اور ان کی دعوت پر لبیک نہ کہے"۔

اسی پر مامون نے کہا۔ "اے ابوالحسنؑ! جو امامت کا اس کے حق کے بغیر دعویٰ کرے، کیا اس کے بارے میں نہیں آیا جو کچھ آیا ہے؟" حضرت امام رضاؑ نے

فرمایا۔ ''زید بن علیؑ نے اس چیز کا دعویٰ نہیں کیا جوان کا حق نہیں تھی، کیونکہ وہ بہت زیادہ متقی و پرہیز گار تھے۔ انہوں نے یہ کہا تھا کہ میں تمہیں رضائے آل محمدؐ کی طرف بلاتا ہوں۔ پس تو وہ جو کچھ آیا ہے اس شخص کے بارے میں ہے جو دعویٰ کرے کہ اللہ نے اس پر نص کی ہے اور پھر وہ اللہ کے دین کے غیر کی طرف دعوت دے اور اس کی راہ سے بغیر علم کے گمراہ ہو جائے۔۔۔۔ اور خدا کی قسم! زید بن علیؑ اس آیت کے مخاطب (ومصداق) تھے : **و جاهدو فی ا للّٰه حق جهاده هوا جتبا کم** یعنی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اس کے لئے چنا ہے، اور یہی روایت تقطیع کے ساتھ وسائل کے اسی باب میں بھی ذکر کی گئی ہے۔

یہ روایت بھی زید بن علیؑ کی عظمت اور ان کے خروج کی تصدیق و تائید کرتی ہے۔ اور انہوں نے ایسی چیز کا دعویٰ نہیں کیا کہ جس کے وہ حقدار نہیں تھے۔ ان کا قیام ''جہاد فی سبیل اللہ'' تھا اور ان کی دعوت پر لبیک کہنا ہر اس شخص پر واجب تھا کہ جس نے ان کی پکار سنی۔ ہاں مگر وہ جس کی دعوت کو قبول کرنا جائز نہیں۔ وہ وہی ہے کہ جو اپنے لئے نص کا جھوٹا دعویٰ کرے۔ پھر وہ خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے۔ جیسا کہ مہدویت کا دعویٰ کرنے والے افراد ہیں۔ باقی رہا غیبی طریقہ سے شہادت پر مطلع ہونا تو یہ وظیفہ اور ذمہ داری پر عمل کرنے سے مانع نہیں ہے۔

شیخ صدوق نے اس روایت کو عیون میں نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ زید بن علیؑ کے فضائل حضرت امام علی رضاؑ کے علاوہ دوسرے آئمہ سے بھی نقل ہوئے ہیں۔ میں ان میں سے بعض کو اس حدیث کے بعد بیان کرتا ہوں تا کہ ہماری کتاب کے مطالعہ کے بعد قارئین کو معلوم ہو کہ زید کے بارے میں امامیہ کا عقیدہ و نظریہ کیا ہے؟ اس کے بعد انہوں نے بہت سے اخبار ذکر کی ہیں۔

پس صدوق کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ زید کی عظمت و تقدس امامیہ کے عقائد میں سے تھی۔ شیخ مفید کی ارشاد میں ہے کہ زید بن علیؑ بن الحسینؑ۔ ابو جعفر حضرت امام محمد باقرؑ کے بعد اپنے بھائیوں کے سردار و بزرگ اور ان سے افضل تھے۔ وہ متقی، پرہیز گار، عابد و زاہد، فقیہ و عالم اور سخی و بہادر تھے اور انہوں نے تلوار لیکر ظہور

کیا، جب کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے تھے اور حضرت امام حسینؑ کے خون کا بدلہ اور انتقام چاہتے تھے۔

تنقیح المقال میں تکملہ سے منقول ہے: "علماء اسلام کا ان (زید بن علیؑ) کی جلالت، ثقاہت، تقویٰ اور اُن کے علم و فضل پر اتفاق ہے۔" اس بناء پر اگر فرض کریں کہ امام شہیدؒ کا قیام آپ کی خصوصیات میں سے تھا اور اس کو آئمہ جور کے خلاف قیام کے لئے اسوہ اور نمونہ نہیں بنا سکتے تو زید کا قیام تو یقیناً ان کے ساتھ مخصوص نہیں تھا۔ کیونکہ ان میں کوئی خصوصیت نہیں تھی اور وہ امام معصوم نہیں تھے۔ (اسے یاد رکھیں) حالانکہ وہ فرض کرنا بھی یقیناً باطل ہے، کیونکہ حضرت امام حسینؑ بھی اپنے جد رسول اللہؐ کی طرح اسوہ و نمونہ ہیں جیسا کہ آپ نے اصحاب حر سے خطاب میں فرمایا تھا "فلکم فی اسوة" پس میں تمہارے لئے اسوہ و نمونہ ہوں۔

حضرت امام مجتبیٰ نے بھی قیام کیا اور جہاد کیا یہاں تک کہ آپ کے اکثر لشکر نے آپ سے خیانت کی، دھوکہ دیا اور آپ جہاد کو جاری نہ رکھ سکے۔ اسی طرح باقی آئمہ کے لئے بھی جہاد کے حالات سازگار نہ ہو سکے۔ جیسا کہ سدیر کی روایت کا ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت امام صادقؑ نے فرمایا "اگر شیعہ اس ریوڑ (بھیڑ بکریوں) کی تعداد میں ہوتے تو میرے لئے بیٹھ جانا درست نہ ہوتا" پس حضرات آئمہ علیہم السلام ایک ہی نور ہیں، ان کا راستہ ایک ہی ہے مگر حالات و اوقات مختلف رہے ہیں۔ بلکہ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ اسلام کی حمایت اور دفاع کے لئے، مسلمانوں کے حقوق کے لئے، دشمنوں کے حملے اور مسلمانوں کے شہروں اور اموال پر ان کے تسلط کے مقابلے میں قیام ایسی چیز ہے کہ جس کی ضرورت کو عقل اور شریعت دونوں حکم کرتے ہیں اور اس میں اذن امام کی شرط بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان

(یعنی) تم کو کیا ہو گیا ہے کہ خدا کی راہ میں ان کمزور و بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں (کو کفار کے پنجہ سے چھڑانے) کے واسطے جہاد نہیں کرتے؟

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: و لو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و صلوات و مساجد یذکر فیھا اسم اللّٰہ کثیراً و لینصرن اللّٰہ من ینصرہ۔ (یعنی) اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے دور و دفع نہ کرتا رہتا تو عیسائیوں کے گرجے، یہودیوں کے عبادت خانے، مجوس کے عبادت خانے اور مسجدیں کہ جن می خدا کا نام لیا جاتا ہے کب کے ڈھا دیئے گئے ہوتے۔ اور یہ قرآن کریم کی محکم آیات میں سے ہیں۔

پس غور کریں کہ کس طرح مسلمان اور ان کے روٗسا اور بزرگ خود غافل ہوئے ہیں اور دوسروں کو غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ جب کہ اسرائیل نے قدس شریف مسلمانوں کے علاقوں ان کے نفسوں اور ان کے عبادت خانوں اور مراکز اور ان کی عزت و ناموس اور مال و دولت پر حملہ کیا ہے۔ اور مشرق و مغرب کے کفار اور ان کے ایجنٹوں نے اسلام کی بنیاد و حقیقت اور مسلمانوں کے شئون و معاملات پر حملہ کیا ہے اور ہر روز آپ قتل و غارت اور قید و بند کی خبریں سنتے ہیں۔ لیکن ملک کی شخصیات۔ بادشاہوں کے خطیب و واعظ اور علماء سوء ان غارت گریوں اور مظالم کے مقابلہ میں خاموش ہیں۔ یہ تو آپ کے مشاہدہ میں ہے کہ وہ اپنے اوقات اور قوتوں کو عیش و عشرت اور داخلی فتنوں اور اختلافات کو ابھارنے اور ایک دوسرے کو چڑپ کر جانے میں صرف کرتے ہیں۔

خدایا! مسلمانوں کو حکام جور اور علماء سوء کے شر سے بچا اور انہیں اس غفلت سے بیداری عطا کردے اور حول و قوت کا سرچشمہ صرف اللہ کی ذات ہے۔ (اسے یاد رکھیں)

خلاصہ یہ کہ جناب زید کا قیام ایک حقیقی انقلاب تھا کہ جس کی آئمہ علیہم السلام نے تصدیق کی ہے اگرچہ وہ آخر میں کامیاب نہ ہوسکے۔ جیسا کہ ظاہراً سید الشہداءؑ بھی کوفہ میں عبیداللہ بن زیاد کے آجانے اور حالات بدل جانے کی بناء پر کامیاب نہ ہوسکے۔

اگر آپ کہیں کہ زرارہ نے روایت کی اور وہ کہتے ہیں۔ مجھ سے زید بن علی نے کہا جب کہ میں ابوعبداللہ حضرت امام صادقؑ کے پاس موجود تھا۔ اے جوان! تم

آل محمدؐ کے اس مرد کے بارے میں کیا کہتے ہو جو تم سے مدد طلب کرے؟ میں نے کہا ''اگر اس کی اطاعت فرض و واجب کی گئی ہو تو میں اس کی نصرت کروں گا۔ لیکن اگر اس کی اطاعت فرض اور واجب نہیں ہے تو پھر مجھے حق ہے کہ میں اس کا ساتھ دوں یا نہ دوں''۔ جب زید باہر چلے گئے تو ابو عبداللہ حضرت امام صادقؑ نے فرمایا۔ ''خدا کی قسم! تو نے انہیں آگے پیچھے سے گرفت میں لے لیا۔ اور ان کے لئے نکلنے کا راستہ نہیں چھوڑا''۔ اور اسی قسم کی روایت مومن طاق سے بھی ایک مفصل حدیث میں ہے۔

میں کہوں گا کہ ابو عبداللہ حضرت امام صادقؑ کا کلام زید کے اس اقدام میں خطا کار ہونے پر نص نہیں ہے، بلکہ وہ زرارہ اور مومن طاق کے ان کو جواب دینے پر تحسین و شاباش ہے۔ نیز یہ واضح ہے کہ جناب زید امام مفترض الطاعۃ تو نہیں تھے۔ علاوہ ازیں زرارہ کا یہ قول ''مجھے حق ہے کہ میں ایسا کروں اور یہ بھی میرا حق ہے کہ میں ایسا نہ کروں'' دلالت کرتا ہے کہ غیر مفترض الطاعۃ کے ساتھ بھی فی الجملہ قیام جائز ہے اور ظاہر یہ ہے کہ امام نے بھی اس کی تصدیق کردی تھی۔ مخفی نہ رہے کہ یہ دونوں حضرات حضرت امام صادقؑ کے خواص اور آپ سے مربوط افراد میں سے تھے اور اس ربط کو ہر شخص جانتا تھا۔ لہٰذا یہ بات اس کی مقتضی تھی کہ وہ دونوں زید کی دعوت کو قبول نہ کریں کیونکہ آپ جان چکے ہیں کہ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ زید اور ان جیسے افراد کے قیام پر امام صادقؑ کی موافقت کا ظہور نہ ہوتا۔ تاکہ آپ کا وجود شریف حق کے رکن اور ستون اور شریعت کی تجدید و نشر و اشاعت کے لئے باقی رہ سکے۔ کیونکہ اس کے بعد اس میں جھوٹے لوگوں اور تحریف کرنے والوں کے ہاتھ اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ لہٰذا آپ کا اس موقع پر محفوظ رہنا اہم ترین فرائض میں سے تھا۔

بنابریں یہاں کچھ روایات ہیں کہ جو زید کی مذمت اور ان کے قیام کے تخطئہ پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن ان کے اسانید بہت ہی ضعیف و کمزور ہیں۔ لہٰذا وہ صحیح عیص اور دوسرے بہت سے اخبار کا مقابلہ نہیں کرسکتیں کہ جو ان کی مدح اور ان کے انقلاب کی تائید میں وارد ہوئی ہیں کہ جو ہمارے اصحاب و علماء رضوان اللہ علیہم کے ہاں قابل قبول ہیں۔ (اسے یاد رکھیں) ان میں سے ایک روایت نمونہ کے طور پر ہم ذکر کرتے ہیں، جو شائد ان میں سے زیادہ واضح ہے۔

کافی میں محمد بن یحییٰ نے احمد بن محمد بن حسین بن سعید سے حسین بن جارود سے موسیٰ بن بکیر بن داب نے اس شخص سے جس نے ابوجعفر حضرت امام محمد باقرؑ سے کہ زید بن علیؑ بن الحسینؑ، ابوجعفر محمد بن علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے پاس اہل کوفہ کے خطوط تھے کہ جن میں وہ انہیں اپنے یہاں آنے کی دعوت کر رہے تھے۔ وہ انہیں اپنے اجتماع کی خبر دیتے اور انہیں خروج کا مشورہ دیتے تھے۔ تب ابوجعفر حضرت امام محمد باقرؑ نے ان سے فرمایا۔ "یہ خطوط ان کی طرف سے ابتداء میں آئے ہیں یا ان کا جواب ہیں جو آپ نے ان کی طرف لکھے اور جس چیز طرف آپ نے انہیں بلایا ہے"۔ زید نے کہا "ان لوگوں کی طرف سے ابتداء ہے انکی معرفت کی جو ہمارے حق کی وجہ سے ہے، ہماری رسول اللہؐ سے قرابت کی بناء پر اور بسبب اس کے کہ اللہ عزوجل کی کتاب میں ہماری مودت کے وجوب۔ ہماری اطاعت کے فرض ہونے کا ذکر ہے۔ اور بہ سبب اس چیز کے جس کی تنگی اور مصیبت میں وہ ہمیں مبتلا پاتے ہیں"۔

پس آپ سے ابوجعفر حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا۔ "اطاعت تو اللہ عزوجل کی طرف سے فرض کی گئی ہے جو ایسی سنت ہے کہ اولین میں جاری رہی ہے اور اب اس کا اعادہ ہوا ہے کہ آخرین میں اطاعت ہم میں سے ایک کے لئے ہے اور مودت و محبت سب کے لئے ہے اور اللہ کا حکم اپنے اولیاء کے لئے جاری ہوتا ہے۔ حکم موصول، قضائے مفصول (فیصلہ شدہ) حتم مقضی (ایسا حتمی امر جو قضا و قدر میں آچکا ہے) اور قدر و مقدر اور اجل مسمی و معین کے ساتھ وقت معلوم کے لئے ہے۔ پس وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے وہ تجھے خفیف اور ہلکا پھلکا نہ بنادیں۔ وہ کبھی بھی تجھے کسی چیز میں اللہ سے بے پرواہ نہیں کر سکتے۔ پس جلدی نہ کرو کیونکہ خدا کسی کام میں بندوں کی عجلت کی وجہ سے جلدی نہیں کرتا۔ اور تم اللہ سے سبقت نہیں کر سکتے۔ پس دیکھ کہ بلاؤ مصیبت تجھے عاجز کر دے گی اور تجھے پچھاڑ دے گی"۔

راوی کہتا ہے، اس پر زید غصے میں آگئے اور کہا۔ "ہم میں سے وہ امام نہیں ہے جو اپنے گھر میں بیٹھ جائے اور سامنے اپنے پردہ ڈال دے اور جہاد سے رو کے بلکہ ہم میں سے امام وہ ہے جو اپنے مرکز کی حفاظت کرے۔ اور اللہ کی راہ میں اس طرح

جہاد کرے جو جہاد کا حق ہے۔ اور اپنی رعیت کا دفاع کرے۔ اور اپنے حریم سے دشمن کو روکے"۔

ابو جعفر حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا۔" اے بھائی! کیا تم اپنے نفس میں ان میں سے کوئی چیز رکھتے ہو کہ جس کی تم نے امام کی طرف نسبت دی ہے۔ پس اس پر اللہ کی کتاب سے کوئی شاہد یا رسول اللہ کی طرف سے کوئی حجت لا سکتے ہو یا اس کی کوئی مثال پیش کر سکتے ہو؟ اللہ عز و جل نے کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ کو حرام قرار دیا ہے۔ کچھ فرائض مقرر کیے ہیں کچھ مثالیں بیان کی ہیں

اور کچھ سنن معین کیے ہیں جو امام اس کے امر کے ساتھ قائم ہے اسے اس چیز میں شبہ نہیں ہوتا کہ جو اطاعت میں سے اس پر فرض کی گئی ہے یا یہ کہ وہ کسی امر میں اس کے عمل سے سبقت کرے یا اس کا وقت آنے سے پہلے اس میں کوشش کرے۔ اللہ عز و جل نے شکار کے بارے میں فرمایا ہے۔ لا تقتلوا الصید و انتم حرم (حالت احرام میں شکار کو قتل نہ کرو)۔ تو کیا شکار کا قتل کرنا زیادہ بڑا ہے یا اس نفس کا قتل کرنا کہ جسے اللہ نے حرام کیا ہے۔ اور ہر چیز کا کوئی موقع و محل مقرر کیا ہے۔

اللہ عز و جل نے فرمایا ہے۔ و اذا حللتم فاصطادوا (جب محل ہو جاؤ تو شکار کرو)۔ اللہ عز و جل نے فرمایا۔ ولا تحلوا شعائر اللہ ولا الشھر الحرام (اللہ کے شعائر اور نشانیوں کو اور حرام مہینوں کو حلال نہ سمجھو) پس مہینے چند معلوم دنوں کے مقرر کیے گئے ہیں کہ جن میں چار حرام قرار دیے گئے ہیں اور فرمایا۔ فسیحوا فی الارض اربعة اشھر و علموا انکم غیر معجزی اللہ (پس زمین میں چار مہینے چلو پھرو اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے)۔ اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے "پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ پس اس کے لیے ایک محل و موقع قرار دیا ہے اور فرمایا ہے۔ ولا تعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتاب اجله (اور جب تک مقرر معیاد گزر نہ جائے نکاح کا قصد نہ کرنا پس شے کی ایک اجل قرار دی ہے، ہر اجل کی ایک کتاب ہے)۔

پس اگر تم اپنے پروردگار کی طرف سے بینہ و شاہد اور اپنے معاملہ میں یقین رکھتے ہو اور اپنی شان و حالت پر واضح بیان رکھتے ہو تو تم جانو ورنہ ایسے امر کا

قصد نہ کرو کہ جس کے بارے میں شک وشبہ میں ہو۔ پس ایسے ملک کو زائل کرنے کی کوشش نہ کرو کہ جس کا رزق ختم نہیں ہوا اور نہ اس کی مدت ختم ہوئی ہے اور نہ کتاب اپنی اجل کو پہنچی ہے۔ اگر اس کی مدت آخر کو پہنچ گئی اور اس کا رزق منقطع ہو گیا ہے اور کتاب اپنی اجل کو پہنچ گئی ہے تو فاصلہ ختم ہو جائیگا۔ اور اس کے نظام پر تباہی آ کے رہے گی۔ پھر خدا تابع اور متبوع کے پیچھے ذلت ورسوائی کو لگا دے گا۔ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں، اور اس امام سے کہ جو اپنے وقت میں گمراہ ہو کہ جس میں تابع۔ متبوع سے زیادہ علم رکھتا ہے۔

اے بھائی! کیا تم چاہتے ہو کہ اس قوم کے مذہب کو زندگی دو کہ جس نے اللہ کی آیات کا کفر کیا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ اور اللہ تعالی کی طرف سے برہان کے بغیر اور اس کے رسولؐ کے عہد کے بغیر خلافت کا دعویٰ کیا۔ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اے بھائی کہ تم کل کناسہ میں سولی پر لٹکائے جاؤ'' پھر آپ کی آنکھیں برسنے لگیں اور آنسو بہنے لگے اس کے بعد فرمایا'' اللہ ہمارے اور اس کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ جس نے پردوں کو چاک کیا۔ اور ہمارے حق کا انکار کیا۔ اور ہمارے راز کو فاش کیا۔ اور ہمیں ہمارے جد کے علاوہ منسوب کیا اور ہمارے بارے میں وہ کچھ کہا جو ہم نے اپنے متعلق نہیں کہا۔

ہم کہتے ہیں کہ ہم نے اس روایت کو اس کے طول کے باوجود نقل کیا ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ مرسلہ ہے (درمیان میں راوی چھوٹا ہوا ہے) علاوہ ازیں حسین بن جارود اور موسیٰ بن بکر بن داب دونوں مجہول ہیں، کتب رجال میں ان کا تذکرہ نہ مدح کے ساتھ ہے اور نہ قدح کے ساتھ ہے۔[1]

---

[1] ولایت فقیہہ مطبوعہ لاہور ص: ۱۸۶ تا ۱۹۲